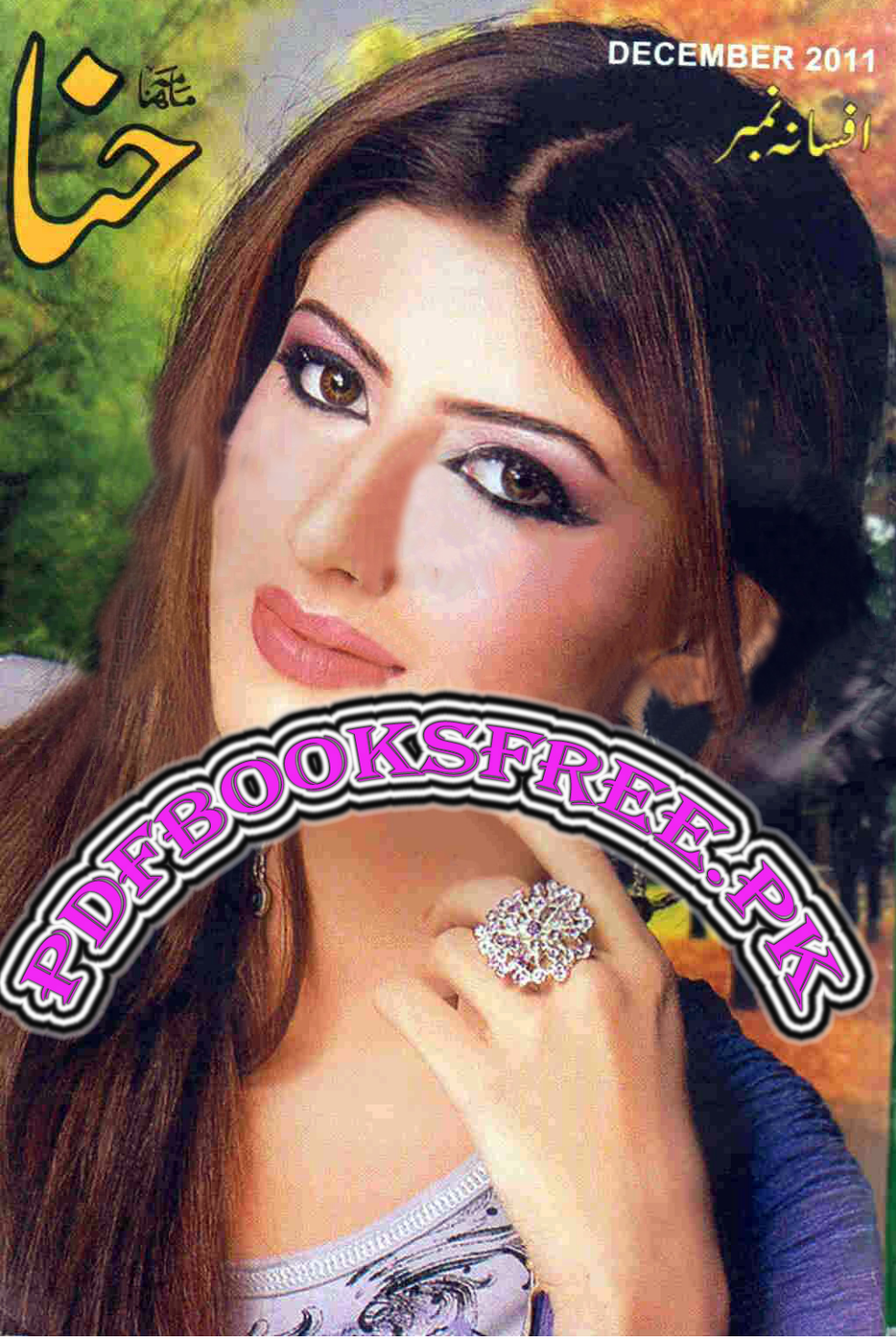
ماہنامہ
حنا
DECEMBER 2011
افسانہ نمبر
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — تنویر پھول 7
نعت — محمد زبیر 7
پیارے نبی کی پیاری باتیں — سید اختر ناز 8

مکمل ناول

دوستی تیرے دم سے — سندس جبیں 44
محبت جیون دے — ہما عامر 82

انشانامہ

شادی کارڈ — ابن انشاء 14

افسانے

مکافات عمل — سائرہ غفار 39
ادراک ہونا چاہیے — سعدیہ عابد 74
موسم ہجراں کے بعد — ثمینہ شیخ 115
پرکھ — صبا احمد 206
دہلیز کا دکھ — نظارت نصر 224
ونی — مبشرہ ناز 228

ناولٹ

وہ ستارہ صبح امید کا — فوزیہ غزل 18
تم آخری جزیرہ ہو — اُم مریم 158

☆☆☆

ناول

محبتوں میں حساب کیسا؟ — مدیحہ تبسم 134
اسے کہنا دسمبر آ گیا — ہما راؤ 182

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — فرزانہ سلیم 234
بیاض — تسنیم طاہر 238
رنگ حنا — بلقیس بھٹی 242
میری ڈائری سے — صائمہ محمود 246
حنا کی محفل — عین غین 250
خبرنامہ — عبداللہ 252
حنا کا دسترخوان — ثمینہ احتشام 254
کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق 256

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماہنامہ حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور، فون نمبر 042-37310797,37321690 ای میل ایڈریس
monthly hina @ hotmail.com
monthly hina @ yahoo.mail.

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! دسمبر 2011ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

یہ رواں سال کا آخری شمارہ ہے، اس کے بعد 2011ء ماضی کا حصہ بن جائے گا، اگر اس سال کا جائزہ حکومتی کارکردگی کے لحاظ سے لیا جائے تو یہ سال ملکی تاریخ کے چند بدترین سالوں میں سے ایک ہے، حکومت کی گزشتہ کارکردگی کی بناء پر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکومت اب تک جو وقت گزار چکی ہے وہ اس کی اپنی کارکردگی کی بناء پر نہیں ہے بلکہ فرینڈلی اپوزیشن کی وجہ سے ہے۔

دنیا بھر میں کوئی بھی حکومت جو اقتدار میں آتی ہے اس کے بنیادی مقاصد میں سب سے اہم مقصد اپنے عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی معشیت کی ترقی ہوتا ہے، موجودہ حکومت کی کارکردگی اگر اس نقطہ نظر سے دیکھی جائے تو یہ انتہائی مایوس کن ہے، اس حکومت کے دور میں اب تک عام آدمی کی مشکلات میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے، اشیائے ضرورت کی قیمتوں سے لے کر بجلی، پانی، گیس، ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے، عوام کے لئے دو وقت کی روٹی کمانا مشکل ہوتا جا رہا ہے، امن و امان، تعلیم وصحت اور روزگار کی فراہمی میں بھی حکومت کی کارکردگی صفر ہے، پاکستان سٹیل، پی آئی اے، ریلوے اور اسی طرح کے دوسرے اداروں کی جو حالت ہے وہ سب کے سامنے ہے، اب رینٹل پاور پلانٹس میں کمیشن کھانے کے لئے اربوں روپے ایڈوانس ادا کرنے کا جو سکینڈل سامنے آیا ہے اس پر بھی حکومت کے ارباب اختیار شرمندہ نظر نہیں آتے، حکومت کی اس کارکردگی کی وجہ سے ملکی معشیت کی جو حالت ہے ایسا برا حال پہلے کبھی بھی نہ تھا، آئی ایم ایف نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ پاکستانی معشیت کے لئے اگلا سال بھی اچھا نہ ہوگا، ہمیں ارباب اختیار سے کہنا ہے کہ اب زبانی جمع خرچ اور جھوٹے دعوؤں سے کام نہیں چلے گا، اگر انہیں پاکستان بچانا ہے تو روایتی بیان بازی چھوڑ کر غریب عوام کے مسائل حل کرنے پر توجہ دیں، ورنہ تیری داستان بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

اس شمارے میں:۔ مبشرہ ناز، نظارت نصر، صبا احمد، ثمینہ شیخ، سعدیہ عابد اور سائرہ غفار کے افسانے، مدیحہ تبسم اور ہما راؤ کے ناولٹ، سندس جبیں اور ہما عامر کے مکمل ناول، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

قریب ہے رگ جاں سے مگر دکھا نہ سکا
وہ دل میں آیا، سمجھ میں مگر سما نہ سکا

گناہ کا بوجھ ہے سر پر گرا ہوں سجدے میں
پڑا وہ بار مرے سر پہ کہ میں اٹھا نہ سکا

سمجھ میں آ نہیں سکتی حقیقت معبود
بشر تو اپنی بھی ہستی کا راز پا نہ سکا

بنائے سینکڑوں معبود یوں تو انساں نے
وہ برگ و غنچہ یا مور و مگس بنا نہ سکا

بشر کو تو نے نوازا، یہ فضل ہے تیرا
سروش منزل سدرہ سے آگے جا نہ سکا

ہے پھول سجدے میں، حالت سے اس کی تو واقف
بہائے اشک مگر حال دل سنا نہ سکا

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

مہکتے چمن ہو، رسولؐ امیں ہو
سینے میں جن کے قرآن مبیں ہو

ابر کرم بھی ہو، بحر سخا بھی ہو
مہربان رب کا فضل مبیں ہو

فراست وحکمت میں ثانی نہیں ہے
کوئی بشر چاہے کتنا ذہیں ہو

ہو راحت جاں بھی پیام اماں بھی
دل کی تمنا ہو، دل کے قریں ہو

رسولؐ خدا ہیں، یہ پہچان ان کی
باتوں پہ جن کی سب کو یقیں ہو

سجے میں گر کر قیامت کے دن بھی
سب کو بخشش کا طالب نذیر مبیں ہو

محمد زبیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سید اختر ناز

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

آپ کی نشست

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چارزانو بھی بیٹھتے تھے اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بائیں کروٹ پر ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے بیٹھے دیکھا ہے۔

(شمائل ترمذی)

حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چارزانو بیٹھے ہوئے دیکھا، ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے، (دایاں پاؤں بائیں پر)

(الادب المفرد)

انداز رفتار

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے کے
لئے قدم اٹھاتے تو قوت سے پاؤں اکھڑتا تھا اور
ندم اس طرح رکھتے کہ آگے جھک پڑتا اور تواضع
کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے، چلنے میں ایسا معلوم
وتا گویا کسی بلندی سے پستی میں اتر رہے ہیں،
ب کسی کروٹ کی طرف کی چیز کو دیکھنا چاہتے تو
رے پھر کر دیکھتے، (یعنی کن انکھیوں سے دیکھنے
عادت نہ تھی) نگاہ نیچی رکھتے، آسمان کی طرف
ہ کرنے کی بہ نسبت زمین کی طرف آپ صلی
علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ زیادہ رہتی، عموماً عادت
پ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوشۂ چشم سے دیکھنے
کی تھی (مطلب یہ کہ غایت حیا سے پورا سر اٹھا کر نگاہ بھر کر نہ دیکھتے) اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے کر دیتے، جس سے ملتے تو پہلے سلام فرماتے۔

(نشر الطیب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے وادیوں میں اترتے تو تسبیح کہتے۔

(زاد المعاد)

تبسم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔

(شمائل ترمذی)

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض تبسم ہی فرماتے، کسی ہنسی کی بات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسکرا ہی دیتے۔

(زاد المعاد)

عبداللہ بنؓ حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

(شمائل ترمذی)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے تو تبسم فرماتے، (یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملے تھے)

(شمائل ترمذی)

آپ کا گریہ

ہنسنے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا بھی ایسا ہی تھا کہ جس میں آواز پیدا نہ ہوتی، گریہ کے وقت اتنا ضرور ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور آنسو بہہ جاتے اور سینہ سے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی، کبھی امت پر رحمت کے باعث رو دیتے، کبھی امت پر نرمی اور خطرات کے باعث، کبھی اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے اور کبھی کلام اللہ سنتے سنتے رو پڑتے، یہ آخری رونا محبت واشتیاق اور اللہ تعالیٰ کے جلال وخشیت کی وجہ سے ہوتا۔

(زاد المعاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس میں گو وقار، سنجیدگی اور متانت کی فضا ہر وقت قائم رہتی، یہاں تک کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ۔

”ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت میں ایسے باادب وباتمکین ہو کر بیٹھتے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ادنیٰ سی حرکت سے اڑ جائیں گے، مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش طبعی کی جھلک ان متبرک صحبتوں کو خوشگوار بنائی رہتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ایک طرف نبی مرسل کی حیثیت سے احترام رسالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ وتلقین میں مصروف رہتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے ساتھ بے تکلف دوست اور ایک خوش مزاج ساتھی کی حیثیت سے بھی میل جول رکھتے، اگر زیادہ اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس ایک دینی درسگاہ اور تعلیمی ادارہ بنی رہتی تو کچھ دیر کے لئے خوش طبع مہذب دوستوں کی بیٹھک بھی بن جاتی، جس میں ظرافت کی باتیں بھی ہوتیں، گھر بار کے روزانہ کے قصے بھی بیان ہوتے، غرض بے تکلفی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ سے اور صحابہؓ آپس میں گفتگو کرتے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظرافت کس طرح کی تھی، اس تشریح کی یوں ضرورت ہے کہ بہت سے کاموں میں ہمارے غلط عمل سے ہمارے نظریات بدل چکے ہیں، تخیل کہاں سے کہاں چلا گیا ہے، ہر معاملہ میں اعتدال کھو بیٹھے ہیں، اگر ہم سنجیدہ اور متین بنتے ہیں تو اتنے کہ خوش طبعی اور ظرافت ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اور اگر خوش طبع بنتے ہیں، تو اس قدر کہ تہذیب ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ہمیں ایک خاص معیار اپنے سامنے رکھنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظرافت کی تعریف آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے سن لیجئے، صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ ہاں بے شک، مگر میرا مزاح سراسر سچائی اور حق ہے۔“

(شمائل ترمذی)

اس کے مقابلے میں ہمارا آج کل کا مذاق وہ ہے، جس میں جھوٹ، غیبت، بہتان، طعن و تشنیع اور بے جا مبالغوں سے پورا پورا کام لیا گیا ہو۔

اب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظرافت کے چند واقعات قلمبند ہیں کہ جن کے تحت ہم ظرافت کا صحیح تخیل قائم کر سکیں۔

اسی طرح اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں کے ساتھ محبت میں بھی صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ واقعات ہی بیان ہیں، جن سے ہمیں یہ اندازہ ہو سکے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ محبت کا کیا طریقہ تھا۔

ایک شخص نے خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر سواری کے لئے درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"تم کو سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔"

وہ شخص حیران ہوا کیونکہ اونٹنی کا بچہ سواری کا کام کب دے سکتا ہے، عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔"

(شمائل نبویؐ)

ایک مرتبہ ایک بڑھیا خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت نصیب کرے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔"

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تشریف لے گئے اور بڑھیا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ سنتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی، یہ بڑھیا رو رہی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس سے کہہ دو کہ بوڑھی عورتیں جنت میں جائیں گی، مگر جوان ہو کر۔"

(شمائل نبویؐ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دیہاتی زاہر نامی دوست تھے، جو اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیے بھیجا کرتے تھے، ایک روز بازار میں وہ اپنی کوئی چیز بیچ رہے تھے، اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر سے گزرے، ان کو دیکھا تو بطور خوش طبعی چپکے سے پیچھے سے جا کر ان کو گود میں اٹھا لیا اور بطور ظرافت آواز لگائی کہ "اس غلام کو کون خریدتا ہے؟"

زاہرؓ نے کہا۔

"مجھے چھوڑ دو، کون ہے؟"

مڑ کر دیکھا تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

حضرت زاہرؓ نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ جیسے غلام کو جو خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔"

(شمائل نبویؐ)

بچوں سے خوش طبعی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں پر بہت شفقت فرماتے، ان سے محبت کرتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ان کو پیار کرتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے، بچے قریب آتے

تو ان کو گود میں لیتے، بڑی محبت سے ان کو کھلاتے، کبھی بچے کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے، بچہ خوش ہوتا اور بہلتا، کبھی لیٹے ہوتے، تو اپنے قدموں کے تلووں پر بچے کو بٹھا لیتے اور کبھی سینۂ اطہر پر بچے کو بٹھا لیتے۔

اگر کئی بچے ایک جگہ جمع ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر بیٹھ جاتے اور فرماتے۔

"بھئی تم سب دوڑ کر ہمارے پاس آؤ جو بچہ سب سے پہلے ہم کو چھو لے گا، ہم اس کو یہ اور یہ دیں گے۔"

بچے بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹ پر گرتا، کوئی سینۂ اطہر پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سینۂ مبارک سے لگاتے اور پیار کرتے۔

(خصائل نبویؐ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بچوں کے قریب سے ہو کر گزرتے تو ان کو خود السلام علیکم فرماتے اور ان کے سر پر ہاتھ رکھتے اور چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھا لیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی ماں کو دیکھتے کہ اپنے بچے سے پیار کر رہی ہے تو بہت متاثر ہوتے، کبھی ماؤں کی بچوں سے محبت کا ذکر آتا تو فرماتے۔

"اللہ تعالیٰ جس شخص کو اولاد دے اور وہ اس سے محبت کرے اور اس کا حق بجا لائے تو وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔"

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے، انہیں نہایت شفقت سے اپنے آگے یا پیچھے سواری پر بٹھا لیتے تھے۔

بچے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت کرتے تھے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا لپک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک کو گود میں اٹھاتے، پیار کرتے اور کوئی کھانے کی چیز عنایت فرماتے، کبھی کھجوریں، کبھی تازہ پھل اور کبھی کوئی اور چیز۔

نماز کے وقت مقتدی عورتوں میں سے کسی کا بچہ روتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مختصر کر دیتے تاکہ بچے کی ماں بے چین نہ ہو۔

(خصائل نبویؐ)

اشعار سے دلچسپی

حضرت شرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا، اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیہ کے سو شعر سنائے، ہر شعر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کا اسلام لے آنا بہت قریب تھا۔"

(شمائل ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسانؓ بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر رکھا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مفاخرہ کریں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدافعت کریں، یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی دعا فرماتے تھے کہ "حق تعالیٰ جل شانہ، روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرمائے، جب تک وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔"

(شمائل ترمذی)

خواب پوچھنے کا معمول

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت طیبہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد چار زانو بیٹھ جاتے اور لوگوں سے ان کے خواب پوچھتے جس نے خواب دیکھا تھا، وہ کہتا، خواب سننے سے پہلے یہ الفاظ ارشاد فرماتے۔

خیر تلقاہ وشر تو قاہ خیر لناو شر لا عد آنا والحمدللہ رب العلمین۔

ترجمہ:۔ خیر کا سامنا کرو اور شر سے بچو اور (یہ خواب) ہمارے واسطے بہتر ہو اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ معمول ترک فرمادیا تھا۔

(زادالمعاد، شمائل ترمذی)

سیدھے اور الٹے ہاتھ سے کام لینا

علاوہ ایسے کاموں کے جن میں غلاظت کی صفائی کو دخل ہوتا اور ہاتھ میں نجاست لگنے کا خوف ہوتا مثلاً ناک صاف کرنا، آبدست لینا، جوتا اٹھانا وغیرہ وغیرہ، باقی تمام کام داہنے ہاتھ سے انجام دینا پسند فرماتے تھے، اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کوئی چیز دیتے تو سیدھے ہاتھ سے دیتے اور اگر کوئی چیز لیتے تو سیدھے ہاتھ سے لیتے۔

(زادالمعاد، شمائل ترمذی)

پیغام پر سلام کا جواب

جب کسی کا سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچتا تو سلام پہنچانے والے کے ساتھ سلام لانے والے کو بھی سلام کا جواب دیتے اور اس طرح فرماتے۔

علیک وعلی فلان سلام۔

(شمائل ترمذی)

خط لکھوانے کا انداز

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت طیبہ خط لکھوانے کے متعلق یہ تھی کہ بسم اللہ کے بعد مرسل کا نام لکھواتے اور پھر مرسل الیہ کا نام لکھواتے، اس کے بعد خط کا مضمون لکھواتے۔

تفریح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغات کی تفریح کو پسند فرماتے اور کبھی کبھی تفریح کے لئے باغات میں تشریف لے جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے لئے خود روانہ ہوتے یا کسی اور کو روانہ فرماتے، تو جمعرات کے روز کو روانگی کے لئے مناسب خیال فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں سواری کو زیادہ تر تیز رفتاری سے چلانا پسند فرماتے اور جب دیکھتے کہ راستہ لمبا ہے تو رفتار اور تیز کر دیتے۔

سفر میں کہیں پڑاؤ کر کے روانہ ہوتے تو عادت طیبہ تھی کہ صبح کے وقت کوچ فرماتے، سفر میں کتنی ہی کم مدت کے لئے ٹھہرتے، جب تک

نماز دوگانہ ادا نہ فرماتے، وہاں سے روانہ نہ ہوتے۔

جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا اور خدمت اقدس میں حاضری دیتا تو اس سے معانقہ کرتے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔

(زادالمعاد)

سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہوتے اور کوئی کام سب کو کرنا ہوتا (مثلاً کھانا وغیرہ پکانا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام کاج میں ضرور حصہ لیتے، مثلاً ایک پڑاؤ پر سب اصحاب نے کھانا پکانے کا ارادہ کیا اور ہر ایک نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑیاں چن لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔

(زادالمعاد)

سفر سے واپسی پر آپ سیدھے مکان کے اندر تشریف نہیں لے جاتے بلکہ پہلے مسجد میں جا کر نماز دوگانہ ادا فرماتے اور پھر گھر میں تشریف لے جاتے، سفر سے تشریف لاتے وقت شہر میں آ کر بچے راستے میں ملتے تو ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر بٹھا لیتے، چھوٹے بچے کو اپنے آگے بٹھاتے اور بڑے کو پیچھے۔

(زادالمعاد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں جاتے یا جہاد کے لئے تو اصحاب میں سے کسی ایک صحابی کو اپنے ہمراہ سواری پر بٹھاتے۔

(زادالمعاد)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے لئے روانہ ہوتے اور سواری پر اچھی طرح بیٹھ جاتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر یہ الفاظ دعا کے زبان مبارک پر ہوتے۔

سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنالہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ماترضی اللھم ھون علینا سفرنا ھذا واطوعنا بعد الارض اللھم انت الصاحب فی السفر والخیفہ فی الاھل والماک۔ (زادالمعاد)

ترجمہ:۔ اللہ پاک ہے، جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے، اے اللہ! ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیز گاری کا سوال کرتے ہیں اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں، جن سے آپ راضی ہوں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرما اور زمین کی مسافت کو ہم پر آسان فرما، اے اللہ! آپ ہی رفیق ہیں سفر میں اور خبر گیری کرنے والے گھربار اور مال میں۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہی دعا پڑھتے، مگر اس کے ساتھ یہ الفاظ اور بڑھا دیتے۔

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔

ترجمہ:۔ ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

(زادالمعاد)

جب کسی بلندی پر سواری چڑھتی تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور فرماتے۔

اللھم لک الشرف علی کل شرف ولک الحمد علی کل حال۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! اس بلندی پر شرف آپ ہی کے لئے ہے اور آپ کے لئے ہر حال میں تعریف ہے۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شادی کارڈ

ابن انشا

لچھہ ہماری زندگی اور تہذیب کا ٹریڈ مارک ہے، سمبل ہے، ہماری کوئی بات، کوئی کل سیدھی نہیں ہے، ہمیں لچھے دار زبان بولنے کا شوق ہے، لچھے دار عبارتیں لکھنے کا شوق ہے اور لچھے دار تقریریں کرنے کا شوق ہے، لچھی کو بھی لچھے ہی میں شامل سمجھے، بحوالہ ایک پنجابی شاعر کے۔

اگے تیرے بھاگ لچھیئے

غالب روایت شکن آدمی تھے اور اردو نثر کو سلیس بلکہ پانی کر گئے ہیں لیکن القاب و آداب میں کبھی کبھی جمیل المناقب، عمیم الاحسان وغیرہ کے لچھے وہ بھی چھوڑ دیتے تھے، اس زمانے کے حساب سے یہ کچھ بھی نہ تھا کیونکہ اس عہد کی ایک کتاب پر تو ہم نے منصف کا نام یوں لکھا دیکھتے ہیں۔

ناشر عدیم النظیر و ناظم فقید المثال، بذلہ سنج نازک خیال، جلا بخش اردو زبان، اعجاز بیان۔

''جناب میرزا رجب علی علی بیگ سرور۔''

ایک عامی کے لئے اس طومار میں سے نام کی سوئی تلاش کرنا اور اس طرۂ پر پیچ و خم کے پیچ و خم نکالنا ایسا آسان کام نہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ اصل نام جلا بخش نہیں، جب مولا بخش اور خدا بخش اور پیر بخش نام ہو سکتے ہیں تو جلا بخش کیوں نہیں، عدیم النظیر اور فقید المثال بھی بھلے مانسوں کے نام لکھتے ہیں، لیکن برآمد ہوتا ہے، سرور بھی مخلص یعنی منصف کی اپنی ایجاد ہے، کیا عجب رجب علی بھی بچپن میں فقط رجبے ہی کہلاتے ہوں، بڑا ہو کر یہ پرسا پرس رام بنا ہو۔

☆☆☆

اب عبارت آرائی کتابوں اور قصوں کہانیوں میں تو متروک ہوئی، یہ کاروباری زمانہ ہے، لوگوں کے اس دماغ سوزی اور کاوکاو کی فرصت کم ہے، آداب و تسلیم کا خلاصہ نکل کر ''ہوائے'' کیا ہے، لوگ آپ سے تم، تم سے تو ہی نہیں ابے تبے پر اتر آئے ہیں، اشتہام کے کاغذوں اور شادی بیاہ کے رقعوں میں البتہ ابھی پرانی شان قائم ہے، شادی کے رقعوں میں بیٹی ابھی تک نور چشمی ہے، اگر دختر ہے تو نیک اختر ضرور ہے، فرزند ہے تو دلبندی کے رشتے میں بندھا ہے، باپ احقر اور چشم براہ ہے، آج کل کے نئے پڑھے لکھے تو احقر کو بھی نام سمجھتے ہیں اور نیک اختر جو ویسے دختر کا تابع مہمل یا غیر مہمل ہے، صاف کسی لڑکی کا نام معلوم ہوتا ہے، اردو میں ابھی اس قسم کے سیدھے سادے رقعوں کا رواج نہیں ہوا کہ ''اے صاحب! فلاں تاریخ، فلاں وقت میری بیٹی کی شادی ہے، آیئے اور نیوتہ دیجئے، تحفہ دیجئے اور خالی ہاتھ لٹکاتے ہوئے مت آیئے، ہم نے تمبو شامیانے کا سخت انتظام کیا ہے، دیگیں پکی ہیں، گوشت روٹی کھا کر جائیے، کیونکہ آپ نے ہمیں بھی کھلائی تھی وغیرہ، پنجاب والے ہمیشہ دوسروں سے نسبتاً کم سرگشتہ خمار رسوم و قیود رہے ہیں، ایک پرچے نے کسی صاحب کی شادی کے کارڈ کا مضمون نقل کیا ہے جو راوی اور چناب ہی نہیں بیاس کے پانی میں بھی

دھلا ہوا معلوم ہوتا ہے یوں کہیے ابھی پوری طرح نچوڑا بھی نہیں گیا، نقل مطابق اصل۔

''سچے سجنوں تے مترو، شالا تسیں رب دیاں رحمتاں تلے پھلو تے پھلو، ساڈے لاڈلے پتر...... داویاہ، لاڈلی دھی...... دے نال...... ہونا ایں، تسیں وی خوشیاں وچ رل کے تے دعاواں دی سانجھ پا کے ساڈا مان تے پت ودھاؤ۔

آیاں اگے اکھیاں وچھان والے

(بمعنی چشم براہ)

امابعد، ''ویلے وی ونڈ'' یعنی تقسیم الاوقات یا ٹائم ٹیبل کے عنوان تھلے درج ہے۔

سہرے دیاں لڑیاں سجان داویلا......
جنج دے ٹرن داویلا (روانگی برات)
لاڑے ولوں ان پانی......

اس آخری جملے کا مطلب ہے دولھا کی طرف سے دانا دنکا یا آب و دانہ، مطلب ولیمہ، تھوڑی بہت پنجابی تو اپنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ہمیں بھی آتی ہے لیکن گیانیوں والی نہیں اور ویلے دی، ونڈ تو ہم نے آج ہی سنا، اسے ایجاد بندہ بلکہ گندہ کہتے ہیں۔

سجنوں تے مترو، ماں تے پت (ماں تے پت نہیں) وغیرہ پڑھ کر تو مذکورہ پرچے کے ایڈیٹر کی طرح ہمیں بھی دربار صاحب امرتسر ہی یاد آ گیا۔

☆☆☆

اردو میں بھی دعوت ناموں کو سلیس بنانے کا ایک تجربہ کیا گیا ہے، ہمیں پسند آیا، آج کل نظام امتحان بھی بدل گیا ہے، ہمارے زمانے کا سا نہیں کہ لمبے لمبے جواب مضمون لکھنے پڑتے تھے، گزرے ہوئے بادشاہوں کی پالیسی بتانے کے علاوہ ان کے چال چلن کا سرٹیفکیٹ بھی دینا پڑتا تھا، یہ سوال و جواب کا زمانہ ہے، اسی سے لیاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے، بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو مار مار کر کیا نکال دیا تھا؟ اگر آپ جواب میں فقط بھرکس لکھ دیں تو آپ شاندار نمبروں سے پاس ہیں، نادر شاہ کو دیکھ کر محمد شاہ کی کیا باندھ گئی تھی...... گھگھی، صحیح جواب ہے شاباش بیٹھ جاؤ، یحییٰ خاں نے قوم کو کیا بنایا؟ الو، اس کے بجائے کبوتر یا توتا یا کسی اور جانور کا نام لکھنا غلط ہو گا، آپ کے نمبر کٹ جائیں گے، ہم ذمہ دار ہوں گے۔

☆☆☆

خیر ذکر دعوت نامے کا تھا اور دعوت نامہ ہمارے ایک بہت عزیز دوست کی شادی اور لاڑے ولوں ان پانی یعنی ولیمے کا ہے، چونکہ یہ دن عید کے تھے اس لئے ہر کارڈ جو آتا تھا، لوگ اسے عید کارڈ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیتے تھے یا بچوں کو دے دیتے تھے، اس لئے ابتدا اسی اطلاع سے کی گئی ہے کہ یہ کارڈ کیا ہے کس کا ہے اور کہاں ہے؟ کس طرف کو ہے، کدھر ہے، اب مضمون ملاحظہ ہو۔

تقریب:۔ شادی
کس کی:۔ (نام)
کس کے ساتھ:۔ (نام)
کہاں:۔ آرڈیننس روڈ، راولپنڈی
ولیمہ:۔ (تاریخ)
ولیمہ کہاں:۔ (جگہ)
وقت:۔ آٹھ بجے شب

بظاہر اتنی عبارت کافی تھی، لیکن بعض کند ذہن اور مدعوئین شاید یہ سمجھتے کہ ہمیں تقریباً اطلاع دی گئی ہے، لہٰذا...... آخری خانہ ہے۔

توقع:۔ خستگی کی داد پانے کی۔

لیجئے ہم غالب کی رو میں بہہ چلے، صحیح اندراج میں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توقع:۔ آپ کی شرکت۔

☆☆☆

دولہا میاں کے والد جن کے نام اس رقعے کے نیچے الداعی یا المعلن کے طور پر درج ہے ہمارے ملک کے ایک مشہور عالم دین ہیں، دولہا البتہ ہمی ایسے یعنی شوق فضول کے مالک ہیں، یعنی شاعر واعر، ادیب ودیب، لازماً یہ رقعہ ہمارے ان دوست نے خود لکھا ہے، آج کل سب ہی برخوردار یہی کرتے ہیں، بزرگوں کے علم و فضل کو بٹہ لگاتے ہیں، انہوں نے تو لگایا، ہم سے یہ نہیں ہوسکتا، اس لئے ہم ان بزرگ واجب الاحترام کا نام نہیں لکھتے، دولہا میاں کا بھی نہیں،

☆☆☆

راوی اس کے مولوی صاحب خود ہیں، مذاق اور معصوم شرارت کا مادہ ان میں ہمیشہ سے تھا، اک روز ان کے ایک دوست کی طرف سے جن کی جزرسی بدرجہ بخیلی مشہور تھی، دعوت کا رقعہ ملا، انہوں نے اسے پریس بھیج کر ایسے ہی دوسو رقعے اور چھپوالئے اور اپنے جاننے والوں میں تقسیم کرا دیے، جن کو پہنچے ان میں اکثر کی میزبان سے فقط اوپری دعا سلام یا صورت شناسی تھی، اس بات پر حیرت کرتے کہ اتنی معمولی معرفت کے باوجود ہمیں یاد فرمایا بلکہ میزبان کے کریمانہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے ٹوپی شیروانی والے بزرگوں کا ایک جم غفیر رقعے جیب میں ڈال کر چھڑی ٹیکتا ان حضرت کے مشکوے معلے بلکہ کلبۂ، احزاں کی طرف روانہ ہوگیا، وہ دروازے پر کھڑے استقبال کر رہے تھے، ایک ایک صورت کو دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یا الٰہی یہ کون؟ کدھر سے آ گئے؟ کس نے ان کو بلایا، میں نے تو نہیں بلایا، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور جب گنتی نا خواندہ مہمانوں کی پچاس سے گزری تو سر پیٹ لیا، اندر بھاگے، کچھ ا دیگوں میں پانی ڈلوایا اور سالن کا شوربہ بنایا، کھانا ہوٹلوں سے منگایا، آپ کھایا نہ کھا ناخواندہ مہمانوں کو پرچایا۔

ایک اور صاحب کا ذکر مولوی صاحب ک زبانی سنا، انہوں نے دعوت کا رقعہ بھیجا، بلکہ خود گئے۔

مولوی صاحب نے پوچھا۔

''کھانے میں کیا کیا ہے؟''

انہوں نے بتایا کہ۔

''دال روٹی، شوربہ خشکہ وغیرہ۔''

مولوی صاحب نے کہا رقعے میں تو لکھ ہے۔

''ماحضر تناول فرمایئے۔'' تو کیا ماحضر نہیں پکوار ہے۔

وہ بولے۔

''جناب! دعوت کے رقعوں میں جو عبارت ہوتی ہے، وہی میں نے لکھ دی، آگے آپ ارشاد فرمائیں۔''

مولوی صاحب نے کہا۔

''ارے گھامڑ! ماحضر تو ایک خاص مغلسی کھانے کا نام ہے اور نسخہ اس کا بڑا پیچیدہ اور مہنگا ہے، اس میں بٹیر کی یخنی پڑتی ہے، زعفران پڑتا ہے، اء اللحم کا چھینٹا دیتے ہیں، حمیرہ مروارید کا بگھار لگاتے ہیں۔''

''بہت پریشان کہ میں یہ سارا انتظام کیسے کروں گا۔''

مولوی صاحب نے کہا۔

''اچھا اب کے تجھے معاف کیا، لیکن آئندہ جو لکھو، پہلے اس کے معنی معلوم کرلیا کرو۔''

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ستارہ صبح امید کا

فوزیہ غزل

گیارویں قسط کا خلاصہ

شہریار، سعدیہ خان کے انکار سے دلبرداشتہ، پریشان اور ذہنی تناؤ کا شکار ہے وہ اس کے انکار کے پس پردہ عوامل سمجھنے سے قاصر تفکرات میں گھرا ہے۔

ڈپریشن اور اسٹریس کے زیر اثر ماریا ایک بھر پھر اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے ڈاکٹر لیڈی ایلون کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ ماریا کو کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کو دکھائے تاکہ اس کی دماغی الجھنوں کا علاج ہو سکے۔

اریبہ گھریلو حالات سے پریشان ہو کر وہاج سے الجھ پڑتی ہے اور اس کے سامنے زندگی کے دو آپشنز رکھ دیتی ہے، شادی یا جاب، پھر اریبہ، وہاج کی مرضی کے خلاف جاب کے لئے کوشش کرتی ہے تو وہاج اسے راستے سے موڑ کر اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے اور جاب والے آپشن پہ سوچ کر جواب دینے کا کہتا ہے۔

صبا دوبئی میں تھی جب اسے شہریار کا Message موصول ہوا جو یکسر پریشان کر گیا۔

بارویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ صرف اپنی توقعات کے خلاف نتائج سامنے آنے پر خود کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں، ان کا یہ وہم انہیں آگے بڑھنے سے روکتا ہے، یہ ہارے ہوئے نہ بھی ہوں تو خود کو ہارے ہوئے سمجھتے ہیں انہیں خود ساختہ ناکام بھی قرار دیا جا سکتا ہے، معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے یہ خوش اور کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں کوئی رہنما مل جائے جو انہیں حقیقت اور مفروضے کا فرق سمجھائے۔

لیکن یہ حقیقت تھی کہ ماریا جوزف ایک خود اعتماد لڑکی تھی اس نے خود کو کبھی کمپلیکس کا شکار نہیں ہونے دیا تھا اور جس راہ چلی، جس کام کا ارادہ تھا اک مکمل یقین اور بھرپور اعتماد کے ساتھ، آگے جو حالات بھی بنے اس نے شکست اٹھائی مگر خود کو شکست خوردہ نہیں سمجھا، وہ ہاری مگر خود کو ہارا ہوا محسوس نہیں کیا پھر اعصابی خلل کی اس انتہائی خراب حالت میں پہنچانے والے عوامل کیا ہیں؟ آیا وہ زندگی کی ڈور میں کامیابی کی راہ تلاش کرنے میں قاصر تھی یا اس کا جذبہ تلاش ہی خام تھا، وجہ خرابی حال و حالات جو بھی ہو یہ بھی سچ تھا کہ وہ خرابی خلل و دماغ اعصاب کی ایسی تکلیف دہ صورت میں مبتلا ہو گئی تھی کہ جس میں وہ خود کو کمتر ہی نہیں، نخروم بھی سمجھتی تھی اور خطرناک صورت یہ تھی کہ اگر اپنے حوصلے ٹوٹے ہیں اپنے راہ کھوٹے ہوئے ہیں تو دوسرے لوگ کیوں کامیاب ہیں؟ ان کی صلاحیتیں کیسے ان کے کام آ گئیں؟ اس کی طرح ان کے جذبات کیوں نہ مجروح ہوئے؟ ان کی حوصلہ شکنی کیوں نہ ہوئی؟ سماجی طور پر وہ کون سا رویہ، حالات، دوست یا ہمدرد تھے جو ہمت افزائی کرتے ان کی ترقی کی راہ میں معاون ثابت ہوئے؟

یہ سب سوالات اسے ایک آکٹوپس کی مانند جکڑ لیتے اور دوسروں کی کامیابی اپنی ناکامی کا وہ کوئی جواز نہ ڈھونڈ پاتی تو ٹینشن کا اک خطرناک ریلا اسے اس انتہائی امکان تک لے جاتا جس میں وہ دوسروں کو اپنی بربادی کا ذمہ دار قرار دیتی اپنی یا ان کی جان لینے کے درپے ہو جاتی یہی کچھ بس میں سفر کے دوران ہوا تھا۔

پولیس کی بروقت مداخلت نے سب کی جان بچائی وہیں ماریا جوزف کے ساتھ لیڈی ایلون کو زیر حراست لے لیا گیا اور یہ وہ موقع تھا جب لیڈی ایلون کا بے اختیار اسے مصیبت میں چھوڑ کر بھاگنے کو جی چاہا، ماریا نے ایک خطرناک سچوئیشن کری ایٹ کر دی تھی وہ بھی پبلک پیلس پر اور اس کے غلط رویے کی حمایت لیڈی ایلون کے اپنے لئے مشکلات کھڑی کر سکتی تھی، پولیس کے ریکارڈ پر اپنے آپ کو اس سے یکسر لاتعلق ظاہر کر کے حالات کو اپنے حق میں ہموار کرنا کون سا مشکل تھا، مگر ایک بار پھر لیڈی ایلون کے دل میں وہی محبت جاگ اٹھی جو بچپن سے انہیں اس بیوقوف سی لڑکی سے تھی۔

"کیا بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ جانے والی اس نیم پاگل لڑکی کو میں بھی جارحانہ انداز اپنا کے وقت کی مزید ٹھوکریں کھانے کو چھوڑ دوں۔" لمحہ بھر کو یہ سوچ کر لیڈی ایلون کا دل کانپ اٹھا بلاشبہ ماریا جوزف سے اس کا کوئی Blood Reelation نہ تھا مگر اس نے ماریا کو ہمیشہ اپنی سگی اولاد سمجھ کر پالا، سمجھایا، تربیت کی، اچھے وقتوں میں ہمیشہ ساتھ رکھا تو برے وقت میں کیسے چھوڑ دیتی۔

"تمہیں اچھائی کا صلہ تو خداوند خدا کے پاس ہے اپنے یسوع مسیح کی خاطر، میں ایک بار پھر

آزمائش کا یہ کشٹ اٹھانے کو تیار ہوں۔" اس نے فیصلہ کیا۔

"ہو سکتا ہے یہ سنبھل جائے، زندگی کے رویوں کو سمجھ لے اور پھر سے پلٹے زندہ دلی اور زندگی کے لئے۔" لیڈی ایلون نے پرامید ہو کر سوچا۔

پولیس کے تفتیشی آفیسر کو ماریا جوزف کی تمام کیس ہسٹری سنانا پڑی جس کے بعد ماریا کو باقاعدہ علاج کے لئے فری سہولیات و سائیکاٹرسٹ کی خدمات مل گئیں مگر یہ سب ایک مخصوص ترتیب میں تھا کیونکہ ماریا کو مکمل صحتیابی تک مینٹل ہاسپٹل میں ہی رہنا تھا اور ظاہر تھا پھر لیڈی ایلون بھی اسی جگہ رہتی مسئلہ کوئی بہت بڑا نہ تھا مگر حالات اسے دقیق بنا چکے تھے، ماریا دماغی خلل کا شکار ہونے کے باوجود خود کو ابنارمل سمجھنے پر تیار نہ تھی نہ سائیکاٹرسٹ کا سامنا کرنے کو اور ایسی صورتحال میں وہ مزید رہتی تو اس سے سنگین مسائل سامنے آ سکتے تھے اور مشکل تر مسائل کا شکار وہ اس وقت بھی تھی اس کی بیمار ذہنیت کی وجہ سے دوسروں کے لئے اس کا وجود باعث خطرہ ثابت ہو رہا تھا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی، مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے، پرابلم کا شکار یہ سب ہیں، یہ سماج، یہ لوگ، یہ قوانین، یہ دہرے معیار، ان سب کو درست کرو، اپنے اندر کے پاگل پن کو ٹھیک کرو تم لوگ، مجھے یہاں نہیں خود کو یہاں رکھو تم۔" وہ بلند آواز میں اشتعال سے بولی تھی اپنے علاج کروانے اور سائیکی کیس ہونے کا سنتے ہی۔

لیڈی ایلون، جنرل سرجن اور کمرے میں موجود پولیس آفیسر تینوں نے ایک ساتھ اسے دیکھا تھا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی اور تم لوگ کسی قانون کے تحت مجھے یہاں نہیں رکھ سکتے۔" وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز سے چلائی۔

"اگر قانون کے تحت چلیں تو ان کے اسٹریس کا شکار ہونے والی عورت نے ان پہ اقدام قتل کا دعویٰ بمعہ جرمانہ دائر کروایا ہے اور موقع کے بہت سے گواہ بھی موجود ہیں انہیں لاکھوں ڈالرز ادا کرنے کے ساتھ کم از کم سات سال قید بھگتنی پڑے گی اور ایسی پاگل فرد کو کھلے عام لئے پھرنے کی سزا آپ کے لئے بھی کم نہیں ہے۔" پولیس آفیسر نے سنجیدہ لب و لہجہ میں بولتے ہوئے کہا اور لحظہ بھر ماریا کو دیکھتے ہوئے پھر سے سلسلہ کلام جوڑا۔

"جبکہ دماغی خلل کا بہانہ بچت کر سکتا ہے آپ دونوں کی مگر صرف اس صورت میں کہ یہ محترمہ اپنا دماغی خلل دور کروانے پہ تیار ہوں۔"

"خلل کا وائرس تم لوگوں کے بوسیدہ دماغوں میں ہے جس نے تمہارے جسموں کو سرانڈ کا شکار کر دیا ہے۔" وہ ایک بار پھر چلائی تھی تو پولیس آفیسر نے لیڈی کانسٹیبل کو اسے لے جانے کا اشارہ کیا تھا اور ویلنگٹن کا سب سے اچھا نیورو فزیشن اور بہترین جنرل سرجن جان پیٹر جو ماریا کی کیس ہسٹری پہ بات کرنے کو یہاں موجود تھا وہ بولا۔

"دیکھیں لیڈی ایلون پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی مینٹل پرابلم یا دماغی خلل کا شکار فرد خود کو کبھی پاگل سمجھنے پہ تیار نہیں ہوتا اور اس کی پہلی بات ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ سوائے اپنے معاشرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہر فرد کو سائیکی کیس سمجھتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اسے یقین دلاتی ہے کہ بہت زیادہ ذہانت اور خوبصورتی کے باوجود دنیا اسے ایک حقیر اور معمولی شے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اس صورت میں میں اپنے جینے اور جیئے جانے کے مقصد پر ثابت قدم رہنے کا جذبہ پروان نہیں چڑھتا، خود اعتمادی ختم ہونے کے ساتھ جارحانہ رویہ اور خود کو کم تر سمجھنے کا عمل دونوں ہی فرد کی ذہنی صحت کے لئے انتہائی تباہ کن ثابت ہوتے ہیں اور یہی کچھ اس لڑکی کے ساتھ ہوا ہے وہ سمجھتی ہے اس نے پیدا ہو کر کوئی جرم کیا ہے اور وہ کسی کی بھی پسندیدہ نہیں ہے نہ کوئی بہتر رہنما ہونے کی وجہ سے وہ کوئی ڈھنگ کا کام کر سکی ہے اور یہی صورتحال اس کے اندر اعصابی اضمحلال کی علامات پیدا کر دیتی ہے، وہ رونے لگتی ہے بے وجہ یا بات بات پر غصہ کرتی ہے، اس کے ساتھ بے خوابی اور برے خوابوں کا شکار بھی ہے اور مختلف ناکام موڑ ناکام خیالات بھی اس کی یقین دہانی اور زندگی کی تاریک کرتے رہتے ہیں اور مذکورہ وجوہات کی بناء پر اسٹریس دو طرح سے اس پہ اثر انداز ہوتا ہے، وہ یا تو ان لوگوں سے بہت جارحانہ رویہ اختیار کرتی ہے جو اس سے سنیئر اور حیثیت میں کم ہیں، دوسری صورت میں بے جان اشیاء کی توڑ پھوڑ یا خود کو نقصان پہنچانا اور ماہرین کا خیال ہے کہ سائیکی افراد کی پرابلمز کو سمجھے بغیر ان کی پریشانی کا انکار خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، مگر اس کا حل پریشان ہونا نہیں بلکہ آپ کا "دھیان" ہے ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے، پریشانی ایک جذباتی رسپانس ہے جو تناؤ اور ذہن خالی کرنے کا باعث ہے جبکہ دھیان سمجھ بوجھ اور تعمیری عمل ہے، جس سے مسائل کے حل بھی نکلتے ہیں اور یاد رکھیں مفید عمل کے بغیر ہونے والے خوف اور پرسکون حل کی جانب پیش قدمی میں واضح فرق ہے، بہ صورت دیگر آپ مسئلے سے نبٹ سکتی ہیں تو پریشان نہ ہوں اور اسے کر گزریے۔"

"کر گزروں مگر کیسے؟ یہ لڑکی، اس کا رویہ انداز درست کرتے میں اپنے لئے مشکلات کا انبار جمع کر چکی ہوں مگر اسے۔" لیڈی ایلون کی آنکھیں بھرا گئیں اور لہجہ بھاری نم آلود ہونے لگا۔

"اسے ذرا بھی احساس نہیں وہ اپنے ساتھ میرے ساتھ اور زندگی کے ساتھ کیا کر رہی ہے اور ایسی حالت میں اس کے ٹھیک ہونے کی امید ایک اور خود ساختہ پریشانی کے سوا کچھ نہیں، کم از کم میں اسے طاقت، قوت اور وقت کا ضیاع سمجھنے لگی ہوں کیونکہ میں اس سے سوائے پریشانی، پچھتاوے اور تناؤ کے کچھ نہیں پا رہی۔"

"دیکھیں لیڈی ایلون اسٹریس، کمپلیکس اور سائیکی پرابلمز ہمیشہ غصہ در غصہ جنم دیتے ہیں اور غصے کی اس عادت کے پیچھے بھی کئی عوامل کا ہاتھ ہوتا ہے جیسے ماحول، حالات زندگی، انسانی رویے، فطری کمزوری اور کسی حد تک جسمانی صحت لیکن وجہ خواہ کچھ بھی ہو، آپ ایک نکتے پہ عمل پیدا ہو کر اس آزمائشی موقع پر خود کو اور اسے کمزوری کا شکار ہونے سے بچا سکتی ہیں اور وہ ہے "حقیقت پسند بنے" یعنی ہر اذیت دینے اور مستقل کرنے والی چیز کے پیچھے چھپی حقیقت کو سمجھنا اور تسلیم کرنا، اگر ایک شخص بے جا غلط رویے کا مظاہرہ کر رہا ہے تو اسے اس کی فطری کمزوری مانتے ہوئے درگزر کیجئے، کیونکہ آپ ہر ایک سے اپنی مرضی و منشاء کے مطابق سوچنے یا عمل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے ہاں اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے تحمل مزاجی اور سمجھ داری کی ضرورت پڑتی ہے،

برہم لہجہ، ناراضگی یا غصہ کا اظہار اسے مزید منفی خیالات کا شکار کر سکتا ہے۔" لیڈی ایلون کچھ بولی نہیں تھی اک خاموش مگر پرسوچ انداز سے دیکھا تھا۔

"اس کی بیماری نیورو سائیکی کو سمجھنے کے لئے کچھ ضروری ٹیسٹ لئے ہیں اور ہمیں اس کی کیس ہسٹری پہ کچھ اور نشستیں کرنی ہونگی اور مجھے امید ہے آپ مزید تعاون جاری رکھیں گی۔" جنرل سر جن جان پیٹر، لیڈی ایلون سے الوداعی مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا اور وہ عجیب گومگو کی کیفیت میں الجھی بیٹھی تھی۔

☆☆☆

"کیا واقعی یہ سب سعدیہ نے کہا ہے؟" صبا نے حد درجہ حیرت کی زیادتی سے اپنے سامنے بیٹھے شہریار کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو، شہریار بھائی وہ اکھڑ مزاج ہے اور اکثر باتیں محض یونہی موڈ میں کہہ جاتی ہے بنا سوچے سمجھے۔" صبا نے اک بیچاری سی کوشش کی تھی اس کا دفاع کرنے کی۔

"صبا اس کا اور میرا بچپن کا ساتھ ہے مجھ سے زیادہ اس کے موڈ اور مزاج کے موسموں سے کون واقف ہے وہ جس طرح کے لب و لہجہ میں بول رہی تھی، وہ اس بات کا غماز ہے کہ اس بات پہ وہ بہت سوچ چکی ہے۔" شہریار سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تو آخر وہ ہو گیا جس کا مجھے خدشہ تھا اور سعدیہ تمہیں جس بات سے منع کیا تھا، تم نے کر کے چھوڑی کتنا دکھ دیا تم نے اتنے پیارے شخص کو۔" صبا نے بہت افسردگی سے سوچا تھا۔

"یہ سب ٹھیک نہیں ہوا، مجھے ڈر تھا اسی بات کا وہ جو رویہ آپ سے روا رکھتی تھی وہ کسی ایسے لمحے کی پیش قدمی کا پتا دیتا تھا لیکن پھر بھی یہ سب اتنی جلد ہو جائے گا مجھے گمان نہ تھا۔"

"گمان تو مجھے بھی نہ تھا کیونکہ میں محبت کی اسیری میں گھرا یہ سمجھ رہا تھا کہ سارے موسم دل کے موسموں کے تابع ہیں، اس کی بے خبر اور انجان نگاہ بھی اٹھتی تھی تو کئی جگنو ہتھیلیوں پہ رکھ جاتی تھی، اپنی تمام تر بے توجہی کے باوجود وہ میرے ساتھ ساتھ رہتی تھی، میں نے اسے بہت قلیل لمحوں میں پایا تھا، چاہا تھا اور پھر ان سے بھی قلیل لمحوں میں کھو دیا۔" وہ بولا تو لہجہ گہرے دکھ کا غماز تھا۔

"ایسا نہ کہیں شہری بھائی! وہ آپ کی ہے اور آپ کی ہی رہے گی، زندگی کی خوشیاں اتنی آسانی سے نہیں چھوڑا کرتے بلکہ انہیں پانے اور بڑھانے کے لئے جستجو کیا کرتے ہیں۔"

"راستے کھو جائیں تو جستجو کیا کرے۔" شہریار کے لہجے میں استفسار تھا۔

"راستے کھوتے نہیں بس کچھ دیر کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر اس ذرا سی دیر کو ہی دل کے دیے جلا کے تاک پہ رکھنے پڑتے ہیں حوصلے مجتمع کرنا ہوتے ہیں اور خود کو شکستہ دل نہیں ہونے دینا چاہیے، جستجو کا کیا ہے وہ تو چاہ کا حوصلہ سلامت ہو تو پل بھر میں راستے چمکا دیتی ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو صبا اور یہ الفاظ کہنے سننے میں ہی خوبصورت لگتے ہیں مانتے اور ہونے میں نہیں کیونکہ جدائی راستہ رو کے کھڑی ہو اور ہم سفر بھی خفا ہو تو منزلیں اکثر گم ہو جایا کرتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شہریار بھائی آپ تو بڑے حوصلے والے انسان ہیں اس کے ہر اچھے برے رویے کو ہنس کر جھیلنے والے اب اتنی جلد ہار نے لگے۔"

"یہ ہار نہیں صبا، میں اب بھی بہت حوصلہ رکھتا ہوں، ہاں یہ ہے کہ زندگی خاص کر اپنی زندگی سے وابستہ لوگوں اور ان کے رویوں کے متعلق حقیقت شناش ہو رہا ہوں۔"

"تو اس حقیقت کے باب میں ایک بات یہ بھی شامل کر لیجئے گا کہ وہ رستے جتنے کھوٹے کرے، خود پہ بیزاری و لاتعلقی کے کتنے خول چڑھائے مگر اس خفا اور موڈی لڑکی کا ہر راستہ صرف آپ تک آئے گا کیونکہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں بے لوث اور بے غرض محبت اور محبت اپنا آپ منوا لیتی ہے جلد یا بدیر اس کا جادو بولتا ہے اور سر چڑھ کر بولتا ہے پھر جو ٹھہرے ہوئے منظروں کا عادی ہو، اسے چلتے موسم بھاگتے منظر بھی اچھے نہیں لگتے۔"

"محبت کا بھی ایک لمحہ ہوتا ہے جو بہت کچھ لے اور دے جاتا ہے اور اس لمحے کے زیر اثر محبوب کی سوچیں اور یادیں لئے ہم اسے چاہ تو سکتے ہیں مگر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرو۔" شہریار کے سنجیدہ الفاظ متاسف لب و لہجہ اور چہرے کے تاثرات نے کچھ دیر کو اسے بالکل گنگ کر دیا تھا، اسے حوصلہ بڑھانے ہمت بندھانے والے تمام الفاظ ہمیں گم ہوتے محسوس ہوئے اور وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

"جب احساسات کے الجھاوے زندگی کے ساتھ دل و ذہن کو بھی الجھاتے جائیں تو قدم اٹھانے آگے بڑھنے کی جرأتیں یونہی دم توڑ جاتی ہیں اس کے جذبات اور خوابوں کو ایک ساتھ ٹھیس لگی تھی وہ کیسے نہ دلگرفتہ ہوتا جبکہ خواب ٹوٹنے پہ تو لوگ ہوش و حواس کھو کر پاگل ہونے لگتے ہیں۔" صبا نے دلسوزی سے سوچا تھا۔

"دلوں کے معاملات میں ایسا ہوتا ہے بھائی مگر امید کا دیا جلتا رہنے دینا چاہیے، سب کچھ کھو جائے بس پلکوں پہ سجی خوابوں کی جوت نہ بجھے تو سمجھیں دل اور امید کے سب موسم اپنے ہیں۔"

"اس کے اتنا تلخ ہونے کے باوجود امید تو میں نے بھی نہیں کھوئی مگر ایک بات ہے محبت کے متعلق کوئی پری ڈکشن نہیں دی جا سکتی اور یہ میں نے بھی سوچا تھا کہ محبت کا اگلا موڑ کیا ہوگا کیونکہ محبت ایسی باتیں سوچنے ہی نہیں دیتی اس کا احساس تو بڑا زور آور اور نتائج سے بے پروا ہوتا ہے، میں بھی اس کی لاکھ بے اعتنائی کے باوجود اپنے دل کو اس کے لئے دھڑکنے سے باز نہیں رکھ سکتا، وہ دیکھے نہ دیکھے بات کرنے نہ کرے، پھر بھی اس کی یادیں، اس کی سوچیں، اس کی شباہتیں ہر لمحہ میرے پاس، میرے ساتھ رہتی ہیں کیونکہ وہ اتنی اسپیشل ہے کہ اسے چاہا جائے، اس کے خوابوں کو آنکھوں کی گلیوں میں بسایا جائے اور جب محبت سے گوندھ کر خواب دل کی خشک زمین کو نم کرتے اور آرزوؤں کی سوندھی خوشبو بکھیرنے لگتے ہیں تو وجود کے چاروں اور یہ سوندھی خوشبو کیسی خوشی بکھیرتی ہے اگر وہ محبت کے اس لمحہ آگہی کی ان کہی کو پا لے تو صدیوں محبت کے ہنڈولے میں جھولتی چپ چاپ کھڑی رہے اور احساسات پر گرنے والی مہکتی اوس کو اپنے اندر سموئی رہے مگر محبت اس کے دل پہ دستک دے تب ہے ناں۔" وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجہ میں بولا تھا اور صبا نے حیرت سے اپنے سامنے بیٹھے شاندار سے مرد کو دیکھا تھا بزنس کے اسرار و رموز میں ڈوبا سٹاک

ایکسچینج کے اکانومی گراف کے اپ اینڈ ڈاؤن کی فکر میں ڈوبا رہنے والا یہ شخص محبت اور محبت کے لئے اتنے گہرے، نازک اور پائیدار احساسات رکھتا ہے کون کہہ سکتا تھا۔

"محبت دستک دیتی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے زعم انا کے گنبد میں کھڑی اس دستک کو سننے کی روادار نہیں اور یقین کریں اس کی وجہ کوئی فریق ثانی نہیں ہے بلکہ اس کے اپنے بیوقوفانہ خیالات ہیں وہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے خود ہی ملا بنی فتوے صادر کرتی پھر رہی ہے جس طرح باغیوں کے بگڑے خیالات ذہن کو کچھ دیر منتشر رکھتے ہیں، وہ بھی اپنے ساتھ رہنے والے اور اپنے سے وابستہ رشتوں کو اپنی پریشان خیالی سے آزردہ ضرور کرے گی مگر اپنے سے دور رہنے پر مجبور کرنے کے باوجود کر نہیں پائے گی کیونکہ اس کی بے وجہ بیزاری کا جب لاجک نہیں ہے تو بات وزن بھی نہیں رکھ پائے گی۔" صبا نے بہت یقین سے کہا تھا۔

"صبا تم واقعی سچ کہہ رہی ہو اس کی زندگی میں کوئی اور نہیں ہے۔"

"آپ یقین کریں شہری بھائی وہ لاکھ اکھڑ منہ پھٹ یا موڈی سہی مگر بہت ستھرے کردار کی لڑکی ہے آپ سے اکھڑے رہنے کا ریزن اس کے ذہنی الجھاوے تو ہو سکتے ہیں مگر فریق مخالف ہرگز نہیں اور ایسا ہوتا بھی تو مجھے ضرور پتا ہوتا کیونکہ میں اسکی واحد راز دار دوست ہوں وہ ڈپریس ہو یا خوش اپنی کوئی کیفیت کوئی احساس مجھ سے کبھی نہیں چھپاتی چاہے ہم دونوں لاکھ خفا ہوں ناراض ہوں مگر اپنی زندگی کے معاملات ضرور شیئر کرتی ہیں اور رہی بات موجودہ واقعہ کی تو آپ اپنے دل و ذہن سے ہر پریشان خیالی کو جھٹک دیں، میں ابھی جا کر اس سے ملتی ہوں بلکہ پوچھتی ہوں اس نے یہ بیوقوفانہ حرکت کیوں کی؟" صبا نے بڑے یقین و اعتماد سے شہریار سے بات کی تھی اور وہ متاسف سا تبسم چہرے پہ سجائے بس سر ہلا گیا۔

اک تشنگی جاں کی مسافت پہ چلے اور
اس پیاس میں ہم نے کوئی دریا نہیں رکھا
اس شخص میں ہی کوئی بات نہیں تھی
یا ہم نے محبت میں سلیقہ نہیں رکھا

☆☆☆

تعلقات مسلسل کا سارا دار و مدار
میرے سوال سے ہے اور تیرے جواب سے ہے
بس ایک دھن ہے کہ میں دوسروں کے کام آؤں
مجھے صلے سے غرض ہے نہ کچھ ثواب سے ہے

دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چت لیٹا وہ چھت کو گھورے جا رہا تھا، اس کی آنکھیں اور دما
دونوں پر سوچ دائروں میں گھوم رہے تھے گزرا وقت، موجودہ حالات اور آنے والے دن وہ تینوا
زمانوں کو پڑھ رہا تھا۔

انسانی نفسیات کا فطری ادراک زندگی کی مشکلات کو بڑا واضح کر کے دکھا رہا تھا اور اسی رو
میں اریبہ کی سوچ، فیصلہ بروقت اور درست لگ رہے تھے یہ سب سمجھتے ہوئے اسے اریبہ کی حمای

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا پرچم بلند کرنا تھا مگر وہ یہ فیصلہ کر نہیں پا رہا تھا، زندگی میں بعض لمحات ایسے آتے ہیں جب دل کا بوجھ اچانک بڑھ جاتا ہے اور ہونٹوں پہ چپ جم جاتی ہے ذہن و دماغ کیسی فیصلہ کو لینا چاہیں تو جب گومگو کی کیفیت میں گھر جاتا ہے دل۔

''ماضی کتنا تکلیف دہ ہو، حال کتنا دردناک، آزمائشی دور سے پر، مستقبل کے ہزار وسوسے سینکڑوں اندیشے، ایسے المناک لمحات میں آنے والے کل سے روشن امیدیں وابستہ ہونا بھی چاہیں تو کوئی بھی ناگہانی آفت پل بھر میں سب ملیامیٹ کر دیتی ہے اور وہاج میں مزید کسی ناگہانی یا المنا کی کے آنے سے قبل اپنے بچے کھچے حوصلہ و ہمت سے جتنی زندگی کی آسانی ہاتھ آتی ہے اسے سمیٹ لینا چاہتی ہوں، اپنے اس مشکل دور کو آسان کرنے کے لئے میں کسی آس، کسی اعافت کے لئے دیکھتی ہوں تو مجھے صرف تم نظر آتے ہو، تم مجھے اکیلا مت چھوڑنا پلیز وہاج میرا ساتھ دینا خدا کے بعد اس دنیا میں مجھے صرف تمہارا وجود حوصلہ دیتا ہے۔'' اریبہ بہت چپکے سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں زندگی کی خوشیوں کو واپس لانے خود کو جینے کے قابل بنانے کے لئے اگر محنت کر رہی ہوں تو صرف اپنے گھر کے لئے نہیں، وہاج میں اس لئے جینے کی دوڑ میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں کہ مجھے تمہیں پانا ہے اور اگر اپنے گھر والوں کی ذمہ داریوں سے نظریں چراؤں گی تو میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا میں اپنے گھر میں پھیلی ویرانی، سکوت، بیماری اور وحشت بھلا کے اپنے لئے خوشیاں نہیں تلاش سکتی، جیسے تم کہتے ہو کہ بہنوں کی موجودگی میں اپنا سہرا نہیں سجا سکتے تو سمجھ لو آج میں بھی تمہارے مقام پر آ پہنچی ہوں مجھے جو بھی کرنا ہے اپنے بھائی بہنوں، ماں کے مستقبل اور موجودہ حالت کو سامنے رکھتے ہوئے کرنا ہے ان کے لئے صرف صحت نہیں رزق بھی لانا ہے پیسہ بھی تا کہ ان کا تعلیمی کیریئر کسی بڑی رکاوٹ کے بغیر بن سکے اور اس سب کے لئے ضروری ہے مزید کسی کا پر بہت بار بنے بنا میں اپنے قدموں پہ کھڑی ہو کر جینے کے ساماں کروں۔''

وہ کتنے رسان سے اس سے اپنی مشکلات شیئر کرتے ہوئے اپنے فیصلے کا ریزن بتا رہی تھی نہ صرف بتا رہی تھی بلکہ اس کی ہمدردی کی بھی طلبگار تھی اور ہمدردیاں تو اس کی شروع دن سے اریبہ کے ساتھ تھیں کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا ٹوٹ کر تمام تر شدتوں کے ساتھ، زندگی کو کبھی اریبہ سے ہٹ کر سوچا ہی نہ تھا، وہ اس کی مشکلات کو سمجھ رہا تھا، اس کی اعانت و ہمدردیاں ہر طرح سے صرف خیالی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی اریبہ کے ساتھ تھیں وہ تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور آگے بڑھنے کی کوشش اس کی جدوجہد پر حوصلہ افزائی بھی کرتا تھا اب بھی پورے خلوص سے اریبہ کا ساتھ دینے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا مگر اس وقت جاب کرنا، گھر سے باہر نکلنا یہ اسے تکلیف دینے والی خواہش تھی وہ ذرا سی دیر کو بھی اریبہ کا کسی غیر مرد کے سامنے نکلنا پسند نہ کرتا تھا ہمیشہ اس کی خوبصورتی پہ نثار ہوتا سے سات پردوں میں چھپا کر رکھنے کی جستجو کرتا تھا اسے بالکل پسند نہ تھا وہ لڑکی جو جذبوں، خوابوں سے بھیگی اس کی سانسوں، آنکھوں اور دل کے نہاں خانوں میں بستی ہے وہ کسی اور کی نظر میں بھی ئے اور ظاہر تھا جب وہ اپنے گھر بار کی کفالت کا بیڑا اٹھاتی تو اسے نہ صرف باہر نکلتی بلکہ اچھی بری نگاہوں کی زد میں آتی تلخ و سرد رویے بھی برداشت کرتی اور یہ سب اس کا حساس دل کیسے سہتا

اسے تو وہ تتلیوں کے پیچھے بھاگ کر رنگ چراتی، خوشبو کو مقید کرنے کی جستجو کرتی اور محبت کے جنوں خیز موسم میں ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی تھی۔

''اگر میں اسے حقیقتوں، تلخیوں اور سازشوں کا سامنا کرنے کو دنیا کی دھوکا دہی و غلاظت سہنے کو جاب کرنے دوں تو کیا یہ میری محبتوں اور جذبوں کا زوال نہ ہوگا، کیا یہ میری غیرت گوارہ کرے گی اقدار کا کھوکھلا پن کیا میں خود اس عمل کو ترویج دوں جس کا سب سے بڑا مخالف شاید میں خود ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر خود سے سوال کیا تھا ایسا سوال جس کا جواب مشکل تھا۔

''لیکن محض اپنے ذریعے اپنے گھر کی کفالت کرتے ہوئے ساتھ خالہ کا گھر زیر کفالت رکھتے ہوئے میں ان کی بھوک، بیماری، پڑھائی کا کتنا خرچہ اٹھا سکتا ہوں؟ اور کتنی دیر اٹھا سکتا ہوں؟'' یہ ایک اور ایسا سوال تھا جو اس کے گرد تفکر و پریشانی کا بڑا سا جال بن دیتا تھا۔

ایسے وقت میں اس کے دل میں یہی آتا کہ ''مصائب، آرام سے گھبرانا بزدلوں کا کام ہے تو نے تو بہت تنگدستی اور آزمائش کے کڑے دور میں بھی اپنے حوصلہ و ہمت کو قائم رکھا پھر یہ، یہ تو وقت کی گردش ہے جو کسی اگلے موڑ پہ تھم جانے والی ہے اور اس موڑ کے آنے تک گردش میں پسنے والوں کا کیا حال ہوگا؟

کیا وہ بھوک میں کھانے کو روٹی کی جگہ کتابی باتیں مانگیں گے؟

کیا وہ بیماری کے تصور سے ہی بہلا لیں گے؟

اور کیا ان کا تعلیمی کیریئر افلاس کے بجوں سے ہار کر رک جائے گا؟

کیا عقائد و قواعد کے درمیانی حلقوں میں انہیں سسکتا دیکھتا رہوں؟

اس جذبوں اور خوابوں کی شہزادی کو کہوں خواہشیں دفن کر کے حسرتوں کے ساحل پہ کھڑی اپنے پیاروں کو قطرہ قطرہ موت و زیست کی ناؤ میں جاتا ڈوبتا دیکھے؟ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں زندگی کے سمندر کا اتار چڑھاؤ ان کے لئے کب ختم ہوگا؟ اور کوئی مستقل وسیلہ نہ ہو تو زندگی کی راہ میں جدوجہد گناہ تو نہیں؟

جبکہ وہ پورے دل پورے خلوص سے بھلائی کا ارادہ لے کر چل رہی ہو اور میرا خیال میرا ساتھ بھی میسر ہو؟

اگر صرف میری ایک ہاں سے اس کی زندگی آسان ہو سکتی ہے تو کیا میں اسے یہ آسانی فراہم نہ کر دوں؟

اس نے ایک مشکل فیصلہ سامنے رکھتے ہوئے سوچا تو دل نے پھر کہا تھا۔

''بعض لوگوں سے فیصلے جرم کی طرح سرزد ہوتے ہیں اور پھر تمام عمر اس کی سزا بھگتے رہتے ہیں کیا پتا میرا یہ فیصلہ بھی آگے چل کر میرے کسی ناکردہ جرم کی سزا کے طور پہ مجھے کوئی بھگتان دے جائے۔''

یہ خیال اور اس کا فسوں اتنا طاقتور تھا کہ وہ جو بہت دیر خود کو اریبہ کے فیصلے میں مستحکم رکھنے، ساتھ دینے کو تیار کر رہا تھا، اس کا جیسے ہر فیصلہ بھربھری ریت کے مانند بہہ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے پھر سے ایک تکلیف دہ ناسمجھ اور الجھن زدہ لمحات کے چنگل میں پھنس گیا جہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوائے تاریکی کے کچھ نہ تھا۔

''زندگی میں ہر کام سوچ سمجھ کر کیجئے کیونکہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پہ اس کے نتائج آپ کے لئے اہمیت اختیار کر جائیں گے۔'' اسے ایک مشہور فلاسفر کا قول یاد آیا تھا اور وہ پھر سے انکار کی پوزیشن میں آ گیا انکار جو ضد کو جنم دیتا ہے اگر مقابل کم ہمت یا صلح جو ہو تو پسپائی اختیار کر جاتا ہے دیکھنا تھا تو صرف یہ کہ اریبہ اشفاق ضد اور شکست میں سے کس رویہ کو اپنے لئے بہتر سمجھ کر راستے کا تعین کرتی ہے وہاج کی بات مان کر چلتی ہے یا اپنے فیصلے اپنے ذہن کے مطابق زندگی کو لیتی ہے جو بھی تھا اگلا مرحلہ پہلے سے زیادہ کڑا تھا۔

پانی کی ضرورت ہے محبت کے شجر کو
پتھر پہ کبھی پیڑ اگائے نہیں جاتے
احساس اگر ہو تو وفا پھولے پھلے گی
دستور محبت کے سکھائے نہیں جاتے

☆☆☆

جی لینا اور زندہ رہنا دو الگ الگ باتیں ہیں ایک میں مجبوری جھلکتی ہے اور ایک میں خوشی، لیکن وہ یقیناً ان دونوں میں سے کسی کیفیت کو نہ مانتی تھی بلکہ اس پہ طاری حالت اور ہی کیفیت کی غماز تھی اور وہ کیفیت تھی نہ خود خوش رہنا نہ دوسروں کو رہنے دینا اور لیڈی ایلون کو جیسے ہی یہ نکتہ سمجھ آیا تھا وہ جیسے چڑ گئی تھی اس کے لئے مسلسل اس خودسر لڑکی کو برداشت کرنا، سنبھالنا، علاج کروانا اور پچکارنا، سمجھانا سب کچھ مشکل ہونے لگا تھا وہ اس کی وجہ سے مزید مشکلات کا شکار ہو سکتی تھی اور یہ سب لیڈی ایلون کو اب گوارہ نہ تھا لہٰذا وہ اس سے حتمی بات چیت کرنے پر خود کو تیار کر چکی تھی۔

''ماریا تم نے کیا سوچا ہے پھر؟'' لیڈی ایلون اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''کس بارے میں۔'' وہ اپنے ناخن دانتوں سے کترتی بولی۔

''اپنے علاج کے سلسلے میں کیونکہ ایک بات تو طے کہ تم سائیکی کیس بن چکی ہو اور اسی بناء پر خود بھی مشکلات کا شکار ہو رہی ہو، مجھے بھی کر رہی بلکہ تمہارے پاگل پن کا شکار اب دیگر لوگ بھی ہونے لگے ہیں، اگر تم علاج کے لئے ہاں نہیں کرو گی تو یہ انکار مزید مشکلات کا پیش خیمہ بن جائے گا۔''

''لیڈی ایلون میں بالکل ٹھیک ہوں پاگل نہیں ہوں ہاں یہ ہو سکتا ہے بڑھاپے کے باعث تمہارا دماغ سٹھیا گیا ہو۔'' لیڈی ایلون کا چہرہ سرخ ہوا تھا تاہم وہ بولی کچھ نہیں۔

''اور مشکلات مجھے پہلے پیش آئی ہیں ان سے بڑھ کر کیا مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔''

''تم عمر بھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑتی رہو گی اقدام قتل کے جرم میں۔''

''تم شاید بھول گئیں میں کس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں، میرے والدین کی کیا پوزیشن ہے، میری طرف کوئی ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھے تو اس کی آنکھ نکال دی جائے گی۔''

''اپنے پاگل پن کے جنون میں تم یہ بھول چکی ہو کہ تمہارے والدین آج سے تین چار سال پہلے تم سے لاتعلقی اختیار کر چکے ہیں، اس وقت معاشرے میں نہ کوئی حیثیت ہے تمہاری نہ

اہمیت۔'' لیڈی ایلون نے جیسے اسے بہت کچھ جتا دیا تھا۔

''تمہیں خود کو بچانے کے لئے باقاعدہ کسی سائیکاٹرسٹ کے زیر علاج رہنا پڑے گا، خوشی سے کرو یا مجبوری سے یہی ایک فیصلہ تمہیں بچا سکتا ہے۔''

''مجھے کسی صورت بھی خود کو کسی کے بھی زیر علاج نہیں رکھنا ہے اور تم میرے اوپر اپنے مشورے یا فیصلے صادر مت کرو میں خود جانتی ہوں میرے لئے کیا بہتر ہے۔''

''ماریا پاگل مت بنو، تمہیں میں نے بچپن سے پالا ہے تمہاری تربیت کی ہے اچھے برے حالات میں ساتھ رہی ہوں، لہٰذا میں تمہارا برا نہ سوچ سکتی ہوں نہ دیکھ سکتی ہوں، مجھے یہ کبھی اچھا نہیں لگے گا کہ تم کسی مشکل میں پڑو اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہو۔'' لیڈی ایلون حتی الامکان دھیمے لہجے اور سہولت کے ساتھ بات کر رہی تھی۔

''جب میں پہلے مشکلات میں گھری تھی اس وقت بھی میرا کوئی مددگار نہ تھا۔''

''لیکن خداوند کی رحمت کے سبب تم مشکلات سے نکل آئی تھیں، خدا ہی ہر ایک کا مددگار ہے مگر خدا کو بھی تم اپنے غلط فیصلوں اور ناعاقبت اندیشی کے باعث ناراض کر چکی ہو ایسے میں جبکہ تم نے یسوع مسیح کے دین کو بھی چھوڑ دیا ہے کیا تمہیں لگتا ہے تم کہیں اور سے مدد پاؤ گی۔'' لیڈی ایلون اس وقت بھی بڑے سکون سے نپے تلے انداز میں بولی۔

''یہ جو مذہبی عقیدے ہیں نا سارے جھوٹے ہیں ساری عبادات سوائے ڈھکوسلہ بازی کے کچھ نہیں، غلط روایات، فرسودہ رسومات کا پلندہ اک وقتی شعبدہ بازی اور کیا ہے ان مذاہب میں، میں پرکھ چکی ہوں سب مذاہب کو بھی اور ان مذاہب کے پیروؤں کو بھی مجھے جھوٹ لگا سب جھوٹ، بیزاری محسوس ہوئی، سچائی کہیں نظر نہیں آئی، سکون کہیں نہیں ملا، جب انسان دنیا سے تنگ آ کر مذہب کا سرا پکڑتا ہے تو جانتی ہو کس لئے، صرف اور صرف سکون کے لئے ذہنی و روحانی طمانیت کے لئے، مذہب بھی بیزاری دے تو ان غلط عقیدوں سے لپٹتے رہنے کے بجائے الگ ہو جانا بہتر ہے۔''

''گویا تم آج اس وقت بھی اپنے عیسائیت چھوڑنے کے فیصلے کو درست قرار دیتی ہو۔'' لیڈی ایلون کی آواز میں تیزی اور جذباتیت آئی تھی۔

''عیسائیت چھوڑنے کا فیصلہ میں نے جس وقت کیا تھا نہ اس وقت مجھے افسوس نہ تھا نہ اس وقت میرے دل میں کوئی پچھتاوا ہے۔'' وہ بڑے آرام سے بولی۔

''اب نہ سہی کچھ دنوں بعد تمہیں اپنے اس فیصلے پر پچھتاوا ضرور ہو گا۔''

''نو نیور، میں نے اپنے فیصلوں پر پچھتانا نہیں سیکھا۔'' وہ مسکرائی۔

''تمہاری یہی ہٹ دھرمی تمہیں اتنے نقصانات سے دوچار کر گئی اور تمہیں ذرا احساس نہیں ہے صرف اور صرف اپنی خودسری کی وجہ سے تم نے اپنے ماں باپ کھوئے، اپنے فرینڈز کھو دیے، معاشرے میں اپنا ناطہ توڑا، بہت سے دشمن پیدا کر لئے اپنے گئے دنیا کھوئی، دین بھی کھو دیا نہ زندگی میں سکون چھوڑا نہ آخرت کی بخشش کے قابل رہیں۔'' لیڈی ایلون ناگواری سے بولی۔

''میں نے جو کھویا، جو پایا یہ سب میرا ہیڈک ہے میں بے سکون رہوں یا گناہ گار تمہیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے سروکار نہیں ہونا چاہیے میں جو تمہیں بچپن سے لے کر جوانی تک سنبھالتی رہی، میں جس نے بنا کسی صلے اور لالچ کے تمہیں اس وقت بھی سنبھالا جب تمہیں پیدا کرنے والے والدین بھی چھوڑ کر جا چکے تھے، میں جو تمہاری زندگی اور خوشیوں کے لئے دعائیں کرتی رہی، میں ہی تمہیں موت کے منہ سے چھڑا کر زندگی کی طرف واپس لائی تھی میں ہی اس وقت تمہارے دماغی خلل کو دور کرنے کے لئے مختلف ڈاکٹرز سائیکاٹرسٹ سے ملتی فیسیں بھرتی پھر رہی ہوں اور تم مجھے کہہ رہی ہو کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" دکھ سا دکھ تھا لیڈی ایلون کے لہجے میں اور وہ سپاٹ چہرہ لئے بنا کچھ کہے بس دیکھ رہی تھی۔

"دنیا نے جو تمہیں دیا قسمت نے جو تمہارے ساتھ کیا وہ سب تم مجھے لوٹا رہی ہو میرے ساتھ ایسا کرتے ہوئے تمہیں میری کوئی اچھائی یاد نہیں، آئی کوئی نیکی دکھائی نہیں دی۔" صدمے اور دکھ سے لیڈی ایلون کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"یہ جو نیکی اور اچھائی کے الفاظ ہیں یہ صرف کتابوں میں لکھے اچھے لگتے ہیں زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں اگر تعلق ہوتا ناں تو بقول تمہارے یہ جو خدا ہے یا خداوند خدا، یسوع کچھ اور جو بھی ہے وہ مجھے اذیتوں کے حوالے کرتے ہوئے میری بھی کوئی نیکی یاد رکھتا اس نے جب خدا ہوتے ہوئے میری کوئی اچھائی کوئی نیکی یاد نہیں رکھی تو میں تو پھر انسان ہوں میری اوقات ہی کیا ہے اور تم نے ویسے بھی میرے ساتھ جو کچھ کیا تو اپنے طور پر کیا میں نے تو تمہاری منت سماجت نہ کی تھی، تمہیں آزادی تھی بلکہ تم آزاد ہو یہاں چاہو جا سکتی ہو اور جتنا عرصہ تم نے میرا خیال رکھا اس کے لئے میں شکریہ ادا نہیں کروں گی کیونکہ میری پرورش اور دیکھ بھال کے بہانے تم اچھے خاصے روپے سہہ چکی ہو میرے والدین سے، میں نے غلط تو نہیں کہا ناں، بلکہ میرا جیب خرچ بھی اکثر تم اڑا لیتی رہی ہو۔" وہ جس انداز میں مسکراتے ہوئے بولی تھی لیڈی ایلون کا خون کھول اٹھا تھا اسے صبر و تحمل کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"ڈاکٹرز بالکل درست کہتے ہیں تم واقعی پاگل ہو چکی ہو، ایسی پاگل جس کا علاج سوائے الیکٹرک شاک کے سوا کچھ نہیں تمہیں اچھے برے کی تمیز رہی ہے نہ تم یہ سمجھتی ہو کہ کس کو منہ پر برے کلمات کہنا، توہین آمیز رویہ اختیار کرنا نہ تو صرف گوئی ہے نہ اخلاقی طور پر درست اور ایسا لوگ اسی وقت کرتے ہیں جب وہ اندر سے احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ اپنی ناکامیوں کا جواز دوسروں کو قرار دیتے ہیں، تم اسی قابل ہو کہ تمہیں زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا جائے اور جب تمہارے سر پہ ہر طرف سے جوتے پڑیں تو تمہیں یاد آئے کس کی تمہاری زندگی میں کیا حیثیت تھی اور اس وقت تم چاہو مگر تمہیں کوئی ہمدرد ملے نہ رہنما۔" بولتے ہوئے لیڈی ایلون کا لہجہ بھرا گیا تھا اور وہ اس سے لاتعلقی کا اظہار کر کے تھانے کی حدود سے باہر نکل چکی تھی۔

لوہے کی سلاخوں کے پیچھے کھڑی ماریا کولمحہ کے ہزارویں حصہ میں احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے اسٹریس، ڈپریشن، اعصابی و دماغی خلل کے باعث اپنے حصہ میں ایک اور نقصان لکھ چکی ہے، اپنی آخری اور واحد ہمدرد سے ہاتھ دھو بیٹھی ہوں اور آنے والا وقت یقیناً اسے مسکرا کر ملنے والا نہ تھا،

اس کے لئے کچھ اور کٹھن سفر تھا جو بڑھ چکا تھا اور اسے کیسے طے کرنا تھا، وہ نہیں جانتی تھی اس کی آنکھوں میں یک لخت آنسو بھر آئے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھتی چلی گئی اور گہری ہوتی سرمئی شام کا اندھیرا کچھ اور بڑھ گیا تھا، بالکل اس کی قسمت کے اندھیرے کی طرح۔

☆☆☆

"یہ کیا سن رہی ہوں میں، تم سے مجھے ایسی بیوقوفی کی امید نہ تھی۔" صبا دھاڑ سے اس کے آفس کا دروازہ کھول کر آندھی طوفان کی مانند داخل ہوئی۔

"آرام سے بھئی نہ سلام نہ دعا اور آتے ہی چڑھائی، کیا تم ملاقات کے آداب نہیں جانتی۔"

"تم سلام دعا کے قابل ہی نہیں ہو، تمہیں تو بندہ سو جوتے مارے گنے ایک۔"

"بائے داوے پوچھ سکتی ہوں مزاج اتنا آتش فشاں کس بات پر ہو رہا ہے۔" وہ ریوالونگ چیئر کی بیک سے ٹیک لگائے اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور اس کا یہ ریلیکس انداز صبا کو مزید تپا گیا تھا۔

"ایک اچھے بھلے جینیس اور شریف بندے کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے تم نے، اس کے سر پر اپنے غرور کا تاج چھوڑ کے دکھوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا تم نے اور یہاں اس فرنشڈ آفس کے شاندار عہدے پہ بیٹھی اے سی کے خنک مزے لیتی تم خود کتنی ریلیکس ہو اور وہ شریف بندہ کتنا دکھی ہے تم نے اتنے اچھے شخص کو اتنے سخت الفاظ کہے جواب بھی صرف اور صرف تمہیں خوش اور مسکراتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے تف ہے تم پہ تم نے ذرا بھی خیال نہیں کیا اس کا۔" سعدیہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا اس کے الفاظ پہ اور اس نے لب بھینچ لئے تھے۔

"کیا چاہتی ہو تم، شہریار سے الگ ڈیفرنٹ کیا تلاشنا چاہتی ہو اور یاد رکھو کوئی شخص جتنا بھی اچھا ہو وہ شہریار نہیں ہو سکتا جو تم سے اتنی محبت کرتا ہے اور اسی محبت کی حرمت و عزت کا اسے اتنا پاس ہے وہ تمہیں کچھ کہتے بھی ڈرتا ہے کیا اتنی محبت کرنے والے شخص کو رد کے تم کوئی بہت اچھا کا کر رہی ہو۔" صبا نے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"محبت، محبت، محبت اس ایک لفظ کی رٹ لگائی ہوئی ہے سب نے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ زندگی کیا صرف محبت کے سہارے گزاری جا سکتی ہے؟"

"گزاری جا سکتی ہے اگر محبت پہ یقین ہو تو انسان خالی محبت کے سہارے بھی جی سکتا ہے۔"

"نہیں صبا محبت کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن پہ میرا اس سے اختلاف ہے، ایسی بہت سی باتیں جن پر میں کمپرومائز نہیں کر سکتی۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔

"برائے کرم، تم وہ باتیں بتانا پسند کرو گی کیونکہ میرے خیال میں اچھا عہدہ، دولت، اسٹیٹس، کوالیفکیشن، سمارٹ نیس جس کی ایک لڑکی صرف خواہش کرتی ہے وہ سب خوبیاں انہیں حاصل ہیں اور رویہ و مزاج کے بھی اتنے صلح جو ہیں کہ کوئی اکھڑ سے اکھڑ، مغرور سے مغرور لڑکی بھی بخوشی ان کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے پھر تم اتنی بیزار کیوں ہو؟"

"بیزاری نہیں نفرت کہو اور میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا آج بھی کہہ رہی ہوں میں شہریار کو اپنی زندگی کا ساتھی کبھی نہیں مان سکتی، بھلے وہ اس دنیا کا آخری شخص کیوں نہ ہو۔" اس نے اٹل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انداز میں کہا۔

صبا یکدم چکرا اٹھی اتنے مصالحانہ مزاج کی مالک اتنے دھیمے تیوروں والی سنعیہ کو آخر ہوا کیا تھا، اگر واقعی اس قدر شدید انکار کے تعاقب میں کسی اور ہی ''حقیقت کا قصہ'' ہوا تو شہریار تو جیتے جی مر جائیں گے۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم، اتنی بیزاری اور نفرت بنا کسی محرک، بغیر کسی وجہ کے۔'' صبا دکھ سے بولی۔

''ضروری نہیں کہ نفرت کا کوئی جواز ہو بعض اوقات حد سے بڑھی چڑ ہی نفرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔'' وہ اتنے آرام سے بولی کہ صبا کو پھر غصہ آ گیا۔

''بیوقوف مت بنو سنعیہ، خوامخواہ کی ٹینشن سے نہ اپنی زندگی خراب کرو نہ اس کی۔''

''اس کی زندگی خراب ہونے سے بچانے کو تو کہہ رہی ہوں مجھے اس شخص سے شادی نہیں کرنی۔''

''باوجود اس کے کہ تم اس کی منکوحہ ہو۔'' صبا نے قدرے جتانے والے انداز میں دیکھا۔

''آئی بارا تیں واپس ہو جاتی ہیں، یہ تو نکاح ہے صرف نکاح، تین الفاظ کی مار، اور کھیل ختم۔'' وہ اسے چڑانے کو مسکرائی۔

''اللہ سے ڈرو، تمہیں بالکل خوف نہیں آتا، یوں بے دھڑک بولتے ہوئے، ایسی بدتمیزی اور نفرتیں کہاں سے آئیں تمہارے اندر، اتنی محبتوں میں پروان چڑھتے ہوئے کیسے غلط طور سیکھ لئے تم نے۔'' صبا تاسف سے بولی۔

''میرا خیال ہے ہم مزید اس موضوع پر بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے اتنے دنوں کے بعد ملنے پر ہم کچھ ڈسکس بھی کر رہے ہیں تو ایک تھرڈ پرسن کو جس کا ہم دونوں سے کوئی تعلق نہیں، ہمیں بجائے اس کے اپنی باتیں کرنی چاہئیں۔'' وہ مصالحانہ انداز میں بولی تو صبا کا بس نہ چلا تھا اس کا کیا کر ڈالے۔

''کم از کم ایسا اجنبی تلفظ تو مت استعمال کرو، وہ بھی اس شخص کے لئے جو تمہاری آئندہ زندگی کا مالک ہے۔''

''میں کوئی زمین کے بے جان ٹکڑا، یا بازار سے لی گئی شے نہیں جس کا وہ مالک ہے، ایک انسان ہوں میں، جیتی جاگتی سانس لیتی اور ہر انسان کا اپنی زندگی پہ جتنا حق ہوتا ہے میرا بھی ہے۔''

''تمہارے سارے اختیار شہریار خان کو تفویض ہو چکے ہیں۔'' صبا نے باور کروایا۔

''اچھا، اطلاع کا شکریہ، اب دیکھیں گے اختیار کی یہ جنگ کون جیتتا ہے۔'' وہ بڑے سکون سے مسکرائی اور اس کی یہ پرسکون مسکراہٹ صبا کو ہر بار تاؤ دلا دیتی تھی۔

''کیوں زندگی اجیرن کر رہی ہو، ذرا ذرا سی باتوں کو سوچ کر اتنے خوبصورت، رشتے کو خراب کر رہی ہو بلکہ اتنے پیارے شخص کو بھی دکھ پہنچا رہی ہو تو تمہاری ذات سے ہٹ کر کچھ سوچتا ہی نہیں۔''

''شٹ اپ سنعیہ، تمہیں ان سے شادی نہیں کرنی یہ اور بات ہے مگر اس کے لئے تم ان کے کیریکٹر کو زیر بحث لاؤ اس کا تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا، وہ جتنے برے ہیں اور جتنے اچھے یہ تم بھی جانتی ہو اور تمہارے گھر والے بھی آئندہ ان پہ کیرکٹر وائز کوئی بھی فضول گوئی مت کرنا۔'' صبا نے تنبیہی انداز میں کہا۔

''اوکے، مگر یہ بات تو طے ہے کہ میرے اور ان کے درمیان بہت سے نکتے مختلف ہیں، بہت سے معاملات اختلاف کا باعث ہیں۔'' صبا کے غصہ سے خائف ہو کے اب کی بار وہ بولی تو لہجہ بڑا سیدھا تھا۔

''نہ کوئی نفرت ہے نہ اختلافی معاملہ، تمہیں صرف غلط فہمی ہے اسی کو لے کر خود بھی پریشان ہو رہی ہو، اسے بھی کر رہی ہو کیونکہ شہریار جیسے شخص سے نہ تو کوئی بلاوجہ اختلاف کر سکتا ہے نہ نفرت رکھ سکتا ہے۔''

''چلو غلط فہمی سہی، تم ہی بتاؤ اگر غلط فہمی ہی ہو تو کیا صرف اسی کی بنیاد پر میاں بیوی کا رشتہ پنپ سکتا ہے، غلط فہمی اگر کسی جذبے کو ابھرنے ہی نہ دے تو وہ رشتہ کیسے قائم رہے گا۔''

اس نے کمال ہوشیاری سے گفتگو کا سلسلہ اس رخ پہ پلٹا تھا اور اتنے بے بس اختیار خاموش ہو گئی تھی اور سنعیہ علی خان فاتحانہ انداز میں خفیف سا مسکرائی، انٹر کام پہ دو اچھی سی چائے بھجوانے کا کہنے لگی۔

ہجر کے ماہتاب سن!
ہم بھی ہیں تیرے ہم سفر
ہم سے بھی کوئی بات کر
ہم تو تیرے رفیق ہیں
ہم سے نہ اجتناب کر
دشت فراق یار میں
اذلوں کے ہم رکاب سن!
کبھی ہمارے ساتھ چل
ہم سے کبھی حساب سن!

☆☆☆

صبح کا نرم اور ٹھنڈا، اجلا آغاز تھا اور شاید اس کی زندگی کا بھی کہ وہ بہت عرصہ بعد ایک نارمل روٹین کے مطابق اٹھ کر نماز و تلاوت قرآن سے فیضیاب ہوئی تھی۔

پھر جویریہ اور ربیعہ کو نماز کے لئے اٹھا کر خود کچن میں چلی آئی پہلے آٹا گوندھا بعد میں رات کے پڑے برتن دھوئے پھر روٹیاں پکانے کا ارادہ کر کے چولہا جلایا کوکنگ رینج کے آگے کھڑی وہ پراٹھے بناتے ہوئے چائے کے لئے بھی کیتلی چڑھا چکی تھی جب شہباز نے کچن میں جھانکا اور اسے مصروف دیکھ کر اک خوشگوار حیرت سے بولا۔

''مجھے پہلے سے پتا تھا کہ آج اتنے دنوں بعد جو پراٹھوں کی سوندھی سی خوشبو اڑ رہی ہے ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپی کچن میں ہیں۔"

"بس دل چاہ رہا تھا آج تم لوگوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے مولی والے پراٹھے بناؤں۔"

"اچھا کیا، میرا بھی بہت دل چاہ رہا تھا، ویسے آپ جویریہ یا ربیعہ سے کچھ ہیلپ لے لیتیں تو کام آسان ہو جاتا۔"

"ارے نہیں کام ہے کتنا، وہ ویسے بھی رات کو امی کی وجہ سے جاگتی رہی ہیں، سو نماز پڑھ کر دوبارہ سو گئیں اب ناشتہ تقریباً تیار ہے میں انہیں جگاتی ہوں۔" وہ چائے تھرمس میں ڈال کر پودینے کی چٹنی دہی میں مکس کرنے لگی اور شہباز ہاتھ دھونے لگا، اتنے میں جویریہ بھی آنکھیں مسلتی آ پہنچی۔

"آپی آپ اکیلی لگی رہیں مجھے اٹھا دیتیں۔"

"تمہاری آپی پہلے بھی اکیلے ہی یہ سب کرتی رہی ہے اسے آرام طلب نہ بناؤ اور یہ ربیعہ ابھی سو رہی ہے جگاؤ اسے اور دونوں بہنیں مل کر دستر خوان لگاؤ۔"

"اٹھ چکی ہے وہ بھی ہاتھ منہ دھو رہی ہے۔"

"معاذ کو کتنے پسند تھے مولی کے پراٹھے اور دہی پودینے کی چٹنی، کتنے شوق سے بنوایا کرتا تھا وہ اور ابو بھی تو ہمیشہ ناشتہ گھر سے کر کے ہی جایا کرتے تھے کیفے پہ۔" ربیعہ نے دستر خوان پہ بیٹھتے ہوئے کہا تو سب چونک کر پہلے اسے پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جبکہ اریبہ کی آنکھیں یک لخت بھر آئی تھیں، جنہیں جھپکتے ہوئے آنسو چپائی وہ سر جھکا گئی۔

"شہباز کھاؤ نا، تم کیوں نہیں کھا رہے۔" جویریہ نے پراٹھوں کو گھورتے بھائی سے کہا۔

"بس یونہی، ابھی دل نہیں چاہ رہا، میں ٹھہر کے کھا لوں گا۔" وہ یکدم اٹھا اور باہر نکل گیا، اریبہ کے وجود میں اک بے چینی اور پریشانی کی لہر اٹھی وہ تاسف سے بولی۔

"کیا ضرورت تھی اس وقت ابو یا معاذ کا ذکر چھیڑنے کی، کتنے شوق سے وہ آ کے بیٹھا تھا پراٹھے دیکھ کر اور اب بھوکا ہی گھر سے نکل گیا جانے کب واپس آئے، پھر کتنا اپ سیٹ ہو گا۔"

"سوری آپی میں نے تو یونہی اک بات کی تھی، مجھے کیا پتا تھا وہ اتنا محسوس کرے گا۔" جویریہ خائف سی بولی۔

"چلیں چھوڑیں اب کھانا تو کھائیں، آ جائے گا وہ بھی اس نے جانا کہاں ہے، یہیں گلی کی نکڑ پہ کھڑا ہو گا۔" ربیعہ نے کہا تو وہ دونوں کھانے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ویسے آپی امی کا صرف ماہانہ چیک اپ کروانے کی بجائے آپ مستقبل انہیں دکھائیں کیونکہ انہیں پراپر ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے، بہت تنگ کرنے لگی ہیں وہ۔" چائے ناشتے سے فارغ ہو کے وہ تینوں بیٹھیں تو ربیعہ نے ذکر چھیڑا۔

"تو اور کیا، اوپر سے ایگزامز ہو رہے ہیں ہمارے، پورے سال کی محنت ہے اس پہ روز روز امی کی ٹینشن، ساری رات انہیں دیکھتے سنبھالتے گزر جاتی ہے اور صبح پرچہ میں دماغ نیند، پریشانی سے بوجھل ہوتا ہے ذہن کسی بھی سوال کا جواب دیکھتے ہوئے حاضر نہیں رہتا۔" جویریہ نے بھی کہا۔

"سچ پوچھیں تو میں نے ایک نظر کتاب کھول کر بھی نہیں دیکھا، آج پیپر بھی ایجوکیشن کا ہے جانے کیسا ہو؟" ربیعہ بولی۔

"اب کیا کروں میں اکیلی، تم جانتی ہو باقاعدہ علاج، بہتر ڈاکٹر اچھی فیس مہنگی دوائیں، کسی مشہور سائیکاٹرسٹ سے مشورہ، اس سب کے لئے بہت رقم چاہیے اور اتنی رقم کہاں سے لائیں، ہمارے حالات ابھی اتنی فضول خرچی افورڈ نہیں کر سکتے، وہاج پہ پہلے اتنا بوجھ ڈالا ہوا ہے ہم نے۔" اریبہ دھیرے سے بولی تو کچھ دیر کو دونوں بہنیں چھپ رہ گئیں پھر جویریہ بولی۔

"لیکن اس طرح تو امی ٹھیک بھی نہیں ہوں گی آخر ہم کب تک انہیں نیند یا بے ہوشی کے انجکشن لگوا لگوا کے سلاتے اور علاج سے چشم پوشی کرتے رہیں گے ہماری یہ کوتاہی امی کے لئے ان کی صحت، ذہن و دماغ کے لئے مزید خطرناک بن جائے گی اور مشکل تو یہ ہے اب ٹیوشن بھی نہیں ہے ہمارے پاس، کوئی اور وسیلہ بھی نہیں ہے آخر کریں تو کیا کریں۔" جویریہ نے متاسف لہجہ میں کہا۔

"کبھی نہیں سوچا تھا میں نے کہ حالات ہمارے لئے کبھی اتنے پریشان کن اور خوفناک ہو جائیں گے، ہم نے صرف محروم ہونگے، یتیم و بیسر ہونگے بلکہ دکھی، ڈیریسڈ اور خالی بھی، اب پتا نہیں یہ ہماری آزمائش ہے یا ہمارے اعمال کی جزا، ہمارے کسی بول کسی عمل کی سزا، جانے ہم کسی ناکردہ گناہ کی پکڑ میں آ گئے یا کسی امتحان سے گزر رہے ہیں، یہ ہماری حالت شکستہ، تکالیف جسمانی اور دماغی افکار و پریشانی کس باعث بڑھ رہے ہیں، کیسے ختم ہونگے، جب میں یہ سوچتی ہوں تو میرا دماغ ٹینشن سے پھٹنے لگتا ہے اور کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے میں بھی امی کی طرح اپنے حواس کھو بیٹھوں گی۔" اریبہ بھرائے لہجے میں بولی۔

"آپی ایسا نہ کہیں اب ہم اکیلی ہیں بالکل اکیلی اور ہمی کو ایک دوسرے کا آسرا بننا ہے، آپ تو ہمارے لئے حوصلے کا اک نشان ہیں اگر آپ نے ہی حوصلہ چھوڑ دیا تو ہم تو بالکل ڈھے جائیں گے۔" ربیعہ نے کہا تو وہ اک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"پتا ہے آپی میرا تو ایمان ہے دکھ کی رات خواہ کتنی گہری اور طویل ہو گزر رہی جاتی ہے۔" ربیعہ نے اس کے ہاتھ تھامے تھے۔

"اور نہ گزرے تو دکھ سہنے والے خود ہی گزر جاتے ہیں۔" جویریہ نے کہا تو بہت ٹینشن ماحول کے باوجود اریبہ کے چہرے پر بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"آپی بہت اچھی لگتی ہیں ہنستے ہوئے، ایسے خوش باش رہا کریں نہ۔"

"خوشیاں منہ موڑ لیں تو ہنسی اکثر روٹھ جایا کرتی ہے۔"

"واقعی آپ ٹھیک کہتی ہیں اگر آج یہاں ابو، معاذ ہوتے، امی تندرست ہوتیں تو ہمارا یہ تنہائی میں ڈوبا، سوگوار ماحول کیسا چہک رہا ہوتا۔"

"پھر تو یہ اداسی، سناٹا اسے جگہ ملتی یہاں بھلا، مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا کہ ہم خوشیوں کو پاتے رہیں، آنسو بھی تو تقدیر کی میراث ہیں یہ بھی تو ملنے تھے مگر کچھ زیادہ اور کچھ جلد مل گئے۔" اریبہ کی آنکھوں کے آگے نمی کا غلاف سا تن گیا۔

"آپی پھر ہم کیا کریں گے امی کے لئے، کچھ سوچا۔" جویریہ نے سوالیہ نگاہ سے دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھی ہوں لیا ہوتا ہے، میں تو کس میں ہوں کہ کوئی جاب مل جائے۔"

"اور آپ کا ماسٹرز، یونیورسٹی میں اتنی فیس ادا کر کے ایڈمیشن لیا تھا، پھر اب تو دوبارہ سے آپ کی کلاسز سٹارٹ ہیں۔"

"یونیورسٹی نہیں چھوڑونگی کلاسز اٹینڈ کرتی رہونگی کیونکہ اچھی جاب بہتر سیلری کے لئے ماسٹرز کا کمپلیٹ ہونا ضروری ہے اور جاب اتنی آسانی سے تو ملتی بھی نہیں آج کا دور سافٹ ویئر انٹرنیٹ کا دور ہے کمپیوٹر یہ ہو رہا ہے ہر کا اور کام بھی تجربہ مانگتا ہے۔"

"یہ تو ٹھیک کہا آپ نے بغیر تجربہ، سفارش، رشوت کے محض خالی گریجویشن پر تو جاب نہیں ملے گی، آپ وہاج بھائی سے بات کر کے دیکھتیں۔"

"کی تھی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تو کہا کچھ نہوں نے، ان کے تو اپنے آفس میں جگہ بن سکتی ہے آپ کی اگر چاہیں۔"

"جویریہ وہ میرے جاب کرنے کے حق میں نہیں ہے، بہت مشتعل ہوا تھا وہ میرے منہ سے جاب کا سن کر اور اس نے بہت سختی سے مجھے منع کر دیا تھا یہ سب سوچنے اور کرنے سے۔"

"مگر کیوں، محض جو امداد وہ کرتے ہیں اسی پہ تو ہمارے گھر کا سرکٹ نہیں چل سکتا، امی کا علاج، ہماری فیسیں، گھر کا خرچہ۔"

"مجھے معلوم ہے یہ سب اور میں نے اس سے بہت تفصیلی بات بھی کی ہے اس موضوع پر، وہ سوچ کر بتانے کا کہہ رہا تھا، کل ہاف ڈے ہے یونیورسٹی سے واپسی پہ مل کر پوچھوں گی کیا کہنا ہے۔" اریبہ پرسوچ انداز میں بولی۔

☆☆☆

انسان کا سب سے بڑا دشمن خود انسان ہی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر ہم خود سے دوستی کر لیں تو اس سے بہترین دوستی کوئی اور ہو سکتی نہیں لیکن اس تبدیلی کے لئے بھی اپنے آپ سے مخلص ہونا پڑتا ہے اور وہ شاید اپنے آپ سے بھی مخلص نہ تھی معاشرے سے نالاں، مذہب سے باغی، قدرت سے شاکی اور آپ اپنی دشمن، اس نے اپنے غلط فیصلوں کے باعث بہت کچھ کھویا تھا بہت سے رشتے اور تعلقات گنوائے تھے سب سے بڑھ کر اس کے اچھے دوست اس کے ضرور اور خودسر طبیعت کے باعث دور ہو چکے تھے، اس کی بے چینی، کرب، مصیبت اور بیماری و ڈپریشن کے دنوں میں اس کا ساتھ دینے، خیال رکھنے، اس کے لئے دعا کرنے، خیریت چاہنے والی واحد ہمدرد و مخلص لیڈی ایلون بھی چلی گئی، اپنی دل آزار طرز گفتگو سے، اپنے غیر مہذب الفاظ سے اس نے یہ کام خود سر انجام دیا تھا۔

"کتنی مجبور ہوں میں اپنے اندرونی خوف کے ہاتھوں اپنی زندگی کے رویوں کو حقیقی انداز میں دیکھ ہی نہیں سکتی، اپنی زندگی سے بے زار ہوں اور دوسروں کی آسودگی سے خفا میری ناکام زندگی کے اثرات میری موجودہ اور آنے والی زندگی کے اوپر یونہی برے اثرات مرتب کرتا رہے گا، یہ ناکامیاں میرے ذہن پر سوار ہو کر یونہی مجھے نفسیاتی دباؤ میں مبتلا کرتی رہیں گی، کیا خفگی، طیش، بے چینی غیر اطمینانی یونہی میرے مزاج کا حصہ بنی رہیں گی میرے دل سے کبھی غم، خوف نہ جائے

گا اور کیا میں ایک اچھی زندگی گزارنے کے قابل کبھی نہیں ہو سکتی۔"

اس کی نیلگوں آنکھیں آنسوؤں سے بھری سوالیہ انداز میں خلا میں جانے کیا تلاش رہی تھیں وہ ننگے، ٹھنڈے فرش پر بیٹھی اپنے اردگرد سے بے خبر اپنے الجھے ذہن الجھی زندگی، الجھی تقدیر کے معاملات سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں مسٹر جان پیٹر یہ لڑکی ٹھیک ہو سکتی ہے۔" پولیس آفیسر نے سلاخوں کے پیچھے گم صم بیٹھی ماریا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یقیناً مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے پریشان کن لمحات سے چھٹکارا دلایا جائے، مطلب طویل المعیاد پریشانی سے تحفظ کا احساس دلایا جائے۔"

"مگر یہ سب ہو گا کیسے، جبکہ وہ نہ تو کسی سے دوستی کرنے پر تیار ہے نہ اعتبار کرنے پہ۔" پولیس آفیسر نے کچھ اچنبھے سے پوچھا۔

"یاد رکھیے کوئی بھی صورت حال آپ کی دسترس سے باہر ہے تو پریشان ہونا اک بے کار عمل ہے ہمیں عملیت پسندی اور صحت مندانہ زاویہ نظر سے اس کے ذہنی مسائل کا بہ غور جائزہ لے کر انہیں حل کرنے کی کوشش کرنی ہے اور ہمارے لئے یہی مرحلہ سب سے اہم ہے اگر ہم اسی مرحلے پر پریشان ہونا شروع کر دیں تو اس کے اندر سے خوف کا دشمن جائے گا نہ اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لینے کی ترغیب پیدا ہو گی بلکہ اس کے اندر اگر کہیں زندہ رہنے، خود کو کارآمد بنانے کی لگن ہوئی بھی تو وہ دم توڑتی چلی جائے گی۔"

ڈاکٹر جان پیٹر اتنا بولا تھا کہ کیتھرین ڈیوڈ چلی آئی تھی یہ بھی ایک معروف سائیکاٹرسٹ اور فیورولوجسٹ تھی اور ڈاکٹر جان پیٹر نے اس سے ماریا کی کیس ہسٹری ڈسکس کرنے کو بلایا تھا۔

"بڑے اچھے وقت پر آئی ہیں آپ، میں ابھی آپ کو کال کرنے والا تھا، ماریا جوزف کی کیس ہسٹری تو پڑھ لی ہے آپ نے اب بتائیں کیا کہیں گی۔"

"دیکھیں مسٹر جان اس لڑکی ماریا کو ابھی میں نے آتے ہوئے دیکھا ہے اور محض دیکھ کر ہی میں جو اندازہ لگا سکی ہوں وہی اس کی کیس ہسٹری پڑھ کر بھی ہوتا ہے جو ہے فطری "گرمی" جس کی وجہ سے کئی معاملات بگڑ جاتے ہیں، جب تک وہ "غصے" کے عفریت کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہونگی کامیاب نہیں ہو سکتی اور اس میں ہم جیسے لوگوں کا بھی تھوڑا رول بنتا ہے اور وہ ہے "حقیقت پسند بنیئے" یعنی ہر مشتعل کرنے والی چیز کے پیچھے چھپی حقیقت کو سمجھنا اور اسے تسلیم کرنا اگر ایک شخص بے جا غلط رویے کا مظاہرہ کر رہا ہے تو اسے اس کی فطری کمزوری مانتے ہوئے درگزر کیجئے کیونکہ آپ ہر ایک سے اپنی مرضی و منشاء کے مطابق سوچنے یا عمل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے ہاں اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے تحمل مزاجی اور سمجھ داری کی ضرورت پڑتی ہے یا رکھیئے پرسکون طبیعت اور سوچ سمجھ کر اظہار خیال کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ ہمہ وقت خود کو ایک بردبار اینگلو چو ئل اور بے وقوفی کی حد تک جامد اور قابل ہدف بنا لیں، بس جو کچھ کہیں اس انداز سے کہیے کہ آپ کے الفاظ یا آپ کا لہجہ دوسرے کے ذہن میں کسی قسم کی بھی غلط فہمی یا منفی خیالات پیدا کرنے کا باعث نہ بنے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حتی الامکان دھیمے لہجے اور سہولت کے ساتھ بات کرنی ہے، الفاظ کم سے کم اور سوچ سمجھ کر استعمال کرنے ہیں کیونکہ کسی سنجیدہ اور نازک موقع پر اگر آپ کی بات طول پکڑ گئی اور لہجہ مشتعل ہونے لگا تو اس کے جذباتی اور بے قابو ہونے کا امکان بھی اتنا زیادہ ہے، جو بعد میں آپ کی آواز اور لہجے کو بھی غیر موزوں بنا سکتا ہے۔''

''بالکل میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں اور یہی بات میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔'' ڈاکٹر جان پیٹر بولا تھا۔

''آپ دونوں کی گفتگو سے جو اندازہ میں لگا پایا ہوں وہ یہی ہے کہ ہمارے مائنڈ باڈی سسٹم کی بہت اہمیت ہے اور ہم اپنے الفاظ سے اس کے لئے خوشی اور صحت تخلیق کر سکتے ہیں۔'' پولیس آفیسر نے استفسارانہ نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے دونوں افراد کو دیکھا۔

''Its all right کیونکہ یہ ایک Positiv thinking ہے، جس طرح منفی احساسات آپ کے جسم کے لئے برا کردار ادا کرتے ہیں اور بیماری کو دعوت دیتے ہیں اسی طرح مثبت احساسات اور سوچیں آپ کو خوش کرتی ہیں، آپ کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہیں اور دیکھیئے گا جب ماریا جوزف کو اپنے ساتھ کسی کے مخلص ہونے کا یقین ہوگا تو اس کی منفی سوچ میں بھی کچھ نہ کچھ فرق آئے گا اور اس کا ذہنی تاثر بھی صحت مندی کی طرف مائل ہوگا، کیونکہ ناخوشگوار لمحات کے دوران اس کے جسم نے جو تکلیف جھیلی ہوگی اور اس کے ذہن نے جو اذیت محسوس کی ہوگی اس صورت میں جسم میں موجود زندگی کے لئے ضروری ہارمون کارٹی سول دباؤ کا شکار ہوتا رہا ہے اور یہ اداسی کی بری کیفیت ہے، جو مہینوں یا سالوں برقرار رہتی ہے اور ظالمانہ انداز سے عضلات کے ٹشوز برباد ہونے کے ساتھ قوت مدافعت میں بھی کمی ہو جاتی ہے جو عدم برداشت کو رجحان دیتی ہے، اس موقع پر جب ہم اس کی صحت و علاج کے لئے سنجیدگی سے کچھ کر رہے ہیں تو ہمارے لئے سب سے اہم بات یہی ہے کہ منفی باتوں کو اس کی میموری سے نکال دیں تاکہ وہ خود کو مزید ہرٹ مضطرب اور ڈپریس محسوس نہ کرے۔'' ڈاکٹر جان پیٹر نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

''اور اس کے لئے بھی ضروری ہے اسے ایک ڈاکٹر یا سائیکاٹرسٹ بن کر نہیں بلکہ عام انسان بن کر ملا کرے اس کے ساتھ دوستی، میل جول بڑھایا جائے بذریعہ گفتگو اس کی باڈی لینگویج دیکھی جائے پھر بہت آہستگی سے نرم سبھاؤ، اچھے برتاؤ سے اس پہ گزری تمام بپتا اس کی اپنی زبان جانی جائے، بعد میں بہت ہمدردانہ، مخلصانہ طریقہ سے زندگی کی خوبصورتی اس پہ واضح کرنی ہے، اس کے منفی ردعمل کا تدارک مثبت طریقہ سے کر کے نارمل اور ہشاش بشاش زندگی کا رخ واضح کرنا ہے اور سب سے ضروری بات وہی کہ اسے اول تا آخر ہمارے طریقہ علاج یا منصوبے کی خبر نہ ہوتا کہ نہ اس کی دل شکنی ہو، نہ وہ علاج سے بھاگے۔'' کیتھرین ڈیوڈ رسان سے بولی تو ڈاکٹر جان پیٹر اور پولیس آفیسر متفق انداز میں سر ہلانے لگے۔

(باقی آئندہ ماہ)

مکافات عمل

سائرہ غفار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شگفتہ یار جلدی کرو مجھے دیر ہو جائے گی۔'' ایاز نے کوئی چوتھی بار شگفتہ کو آواز دی تھی، شگفتہ دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو ایاز ایک موزہ ہاتھ میں پکڑے دوسرے کو ڈھونڈنے میں بری طرح مصروف تھا، شگفتہ نے جلدی جلدی دوسرا موزہ ڈھونڈ کر ایاز کو پکڑایا اور تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی، اتنے میں بچوں کی اسکول وین کا ہارن بجنا شروع ہو گیا، بچوں نے آدھا ناشتہ چھوڑا اور باہر کو لپکے، شگفتہ نے سب کو لنچ باکس پکڑائے اور ایاز کو لئے ناشتہ تیار کرنے لگی، ایاز تیار ہو کر کمرے سے نکلا تو تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھنے لگا، شگفتہ نے پیچھے سے آواز دی۔

''سنیے، ناشتہ تو کرتے جایئے۔'' ایاز نے پل بھر رک کر قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی بہت دیر ہو جائے گی۔'' شگفتہ نے جلدی سے جوس کا گلاس تھماتے ہوئے کہا۔

''اچھا جوس تو پی لیں، آپ جب تک جوس پئیں میں آپ کا لنچ باکس تیار کر دیتی ہوں۔'' ایاز منع کرتے ہوئے بولا۔

''ارے نہیں آج میٹنگ ہے کھانا بھی وہیں ہے ایم ڈی کے ساتھ۔'' شگفتہ کو اس نے خالی گلاس تھمایا اور ''خدا حافظ'' کہتا ہوا باہر نکل گیا، پورا گھر گھر بری طرح سے پھیلا ہوا تھا، شگفتہ نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کیا، دوپہر تک اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔

حتیٰ کہ ظہر کی اذان کے ساتھ بھوک کا احساس جاگا تو اسے خیال آیا کہ اس نے تو ناشتہ بھی نہیں کیا، پھر ایک کپ چائے کے ساتھ پراٹھا کھانے کے بعد اس کی طبیعت ذرا بحال ہوئی تو بچوں کی اودھم مچ گئی، وہ لوگ اسکول سے واپس آ گئے تھے، ان کو کھانا کھلا کر کپڑے بدلوا کر بڑی مشکلوں سے تھوڑی دیر کے لئے سونے کے لئے راضی کیا تو کچھ دیر سکون محسوس ہوا، بچوں کے ساتھ لیٹے لیٹے شگفتہ بھی نیند کی وادی میں کھو گئی، چھ بجے اس کی آنکھ کھلی تو ایاز کھڑا اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''یار کیا مسئلہ ہے آخر؟ میں تھکا ہارا گھر واپس آتا ہوں تو جناب خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوتی ہیں ایک کپ چائے تک پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔'' شگفتہ نے ہڑبڑا کر گھڑی دیکھی اور جلدی سے منہ پر پانی کے دو چار چھپا کے مارتی کچن کی طرف دوڑی، ایاز کو چائے بنا کر دی تو وہ مزے سے پاؤں پھیلا کر ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گیا، شگفتہ نے رات کے کھانے کی تیاری کے ساتھ ساتھ بچوں کی کتابیں بھی کھلوالیں، کھانا کھانے کے بعد جب تک وہ برتن دھو کر انہیں ان کی جگہ رکھ کر کچن صاف کر کے کمرے میں پہنچی، ایاز اور بچے سب سو چکے تھے، وہ بھی تھکن کی شکنیں اوڑھ کر چپ چاپ سو گئی، اگلے دن پھر وہ سب سے پہلے اٹھی تھی اور ہر طرف ''شگفتہ..... مما..... مما..... شگفتہ'' کی پکار کر ''جی..... آئی..... ہاں..... اچھا..... ایک منٹ'' کہتی بھاگتی دوڑتی رہی، زندگی یونہی گزر رہی تھی کہ ایاز کی بہن نادیہ کی شادی کا شور مچ گیا، بچوں کی اسکول سے چھٹیاں ہو گئیں تھیں، ساری تیاریاں کی گئیں اور نادیہ کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے گاؤں کی جانب رخت سفر باندھا گیا، دونوں بچوں کی خوشی دیدنی تھی سارا راستہ دونوں پھپھو کی شادی کے گیت گاتے رہے، آخر کار منزل تک پہنچے تو ایاز کا استقبال پرتپاک انداز میں کیا گیا، جبکہ شگفتہ سے رسمی سلام دعا کر کے اس کونے میں بٹھا دیا گیا، بچے

ددھیال والوں کی سرد مہری سے بے خبر دیگر بچوں سے کھیل کود میں مصروف ہو گئے، شگفتہ حیران تھی کہ اماں اور ابا کے رویئے اتنے بدلے ہوئے کیوں ہیں آخر؟ یہاں تک کہ اس کی بڑی جٹھانی سعدیہ اور دوسری جٹھانی لیلیٰ بھی اسے تمسخرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں، وہ حیران تھی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے، شگفتہ وہاں سے اٹھ کر اندر کی طرف چل پڑی، وسیع و عریض حویلی کے کئی کمرے عبور کرنے پر آخر وہ نادیہ کے کمرے تک پہنچ ہی گئی، مگر اس کے قدم باہر ہی رک گئے، نادیہ اماں سے کہہ رہی تھی۔

''اماں پلیز یہ شادی مت کروائیں آپ کو خدا کا واسطہ ہے اماں یہ ظلم مت کریں اماں مان جائیں پلیز۔'' اماں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''ہم لوگ زبان دے چکے ہیں اور ہم کبھی اپنی زبان سے نہیں پھرا کرتے۔'' نادیہ سسکنے لگی تھی۔

''اماں..... پلیز..... اماں۔'' شگفتہ حیران تھی کہ آخر یہ کیا ماجرہ ہے، قدموں کی چاپ ابھری تو وہ تجسس کے مارے اور سچ جاننے کی خواہش کی بدولت دیوار کی آڑ میں چھپ گئی، اماں تیز تیز قدم اٹھاتی، حویلی کے مرکزی طرف چل دیں، شگفتہ دھیرے سے دروازہ کھولتی نادیہ کے کمرے میں آ گئی، نادیہ اوندھے منہ اپنے تکیے میں منہ چھپائے رو رہی تھی، شگفتہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے نادیہ؟ تم رو کیوں رہی ہو؟''

نادیہ نے بھیگا چہرہ اٹھا کر شگفتہ کی طرف دیکھا اور اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، شگفتہ نے اسے بڑی مشکلوں سے خاموش کروایا تو اس نے جو انکشاف کیا وہ شگفتہ کے وجود میں زلزلے لے آیا، نادیہ نے اسے بتایا۔

''میری شادی ایک زمیندار سے ہو رہی ہے مگر اس کی ایک ہی شرط ہے۔'' شگفتہ نے پیار سے اس کا سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''کیسی شرط؟'' نادیہ نے نظریں جھکا لیں وہ دھیرے دھیرے بولنے لگی۔

''میری عمر چونکہ چالیس سال ہو چکی ہے تو کوئی بھی مجھ سے شادی کرنے کے لئے راضی نہیں ہو رہا تھا، مگر پھر ابا کو احمد پور کے زمیندار مراد کے متعلق پتہ چلا، ابا نے ساری چھان بین کرالی اور رشتہ پکا کر دیا، مگر آج صبح ہی مجھے پتہ چلا کہ مراد.....'' شگفتہ کا دل ڈوبنے لگا۔

''کیا پتہ چلا؟'' نادیہ روتے ہوئے بولی۔

''مراد پچیس سال کا ہے۔'' شگفتہ نے نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''تو کیا ہوا نادیہ، وہ تو جانتا ہے ناں کہ تم اس سے عمر میں بڑی ہو اور اس میں کوئی برائی بھی تو نہیں۔'' نادیہ زار و قطار روتے ہوئے بولنے لگی۔

''برائی اس کی عمر میں نہیں برائی تو میری عمر میں ہے، میری وجہ سے تمہاری زندگی خراب ہونے جا رہی ہے۔'' شگفتہ نے حیرت سے نادیہ کو دیکھا۔

''میری زندگی۔''

''کیا مطلب نادیہ میں سمجھی نہیں۔'' نادیہ بولنے لگی۔

''مراد کی ایک بڑی بہن ہے جو شادی کے دن ہی بیوہ ہو گئی تھی پھر اس کی شادی نہیں ہوئی، مراد نے شرط رکھی تھی کہ وہ اسی لڑکی سے شادی کرے گا جس کا بھائی وٹے سٹے کی بنیاد پر اس کی بہن کو اپنا لے اور وحید بھائی اور جمال بھائی اس سے شادی کے لئے ہرگز تیار نہ تھے مگر اماں اور ابا کے قسم دینے پر ایاز بھائی راضی ہو گئے، کل نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف میری شادی ہے بلکہ آپ کے تمام ارمانوں کا خون بھی ہے۔'' نادیہ دوبارہ رونے لگی تھی، شگفتہ حیران تھی کہ اتنی بڑی بات ہوگئی اور ایاز نے اسے بتایا بھی نہیں، وہ فوراً اٹھ کر نیچے آئی، جہاں ایاز کو دلہا بنا کر اسٹیج پر بٹھایا گیا تھا اور اسے ابٹن لگایا جا رہا تھا، ایاز نے شگفتہ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور اپنے کزنز کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوگیا، شگفتہ کو حیرت ہوئی کہ وہ ایاز تو نہیں جس سے اس کی شادی ہوئی تھی یہ تو کوئی اجنبی سا بندہ ہے، وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں چلی آئی، تھوڑی دیر بعد اس کے دونوں بچے یوسف اور آمنہ بھی دوڑتے چلے آئے یوسف اسے جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

''مما..... مما سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاپا کی شادی ہو رہی ہے، کیا یہ سچ ہے مما؟'' آمنہ کہنے لگی۔

''مما وہ ندا اور ردا ہیں ناں؟ وہ دونوں ہمیں چڑا رہی تھیں کہ ہمارے پاپا کی شادی ہو رہی ہے، ندا نے مجھے تھپڑ بھی مارا۔'' شگفتہ نے روتے روتے دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

شگفتہ خاموشی سے اپنا سامان سمیٹا اور اگلی صبح سب کے بیدار ہونے سے پہلے پہلے اپنے دونوں بچوں کا ہاتھ تھام کر واپس گھر کو لوٹ گئی۔

شگفتہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ گھر پہنچی تو آدھے گھنٹے بعد ہی ایاز کا فون آ گیا۔

''کہاں ہو تم لوگ؟'' شگفتہ نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

''اپنے گھر میں۔'' ایاز نے غصے سے کہا۔

''وہاں کیوں گئے تم لوگ؟ کس سے پوچھ کر گئیں تم وہاں؟'' شگفتہ نے اسی کے لہجے میں کہا۔

''جو مجھ سے کچھ نہیں پوچھتا میں اس سے کچھ نہیں پوچھتی۔'' ایاز ذرا دیر کو خاموش رہا پھر بولا۔

''دیکھو شگفتہ یہ نادیہ کی زندگی کا معاملہ ہے اور ویسے بھی میں حرا سے صرف نکاح ہی پڑھواؤں گا، اس کے بعد وہ یہیں گاؤں میں رہے گی بس۔'' شگفتہ خاموش رہی تو ایاز پھر سے بولا۔

''دیکھو شگفتہ یہاں تمہاری ضرورت ہے، وہ مراد بہت چالاک اور ہوشیار ہے وہ میری پہلی بیوی کی رضا مندی جاننا چاہتا ہے اگر تم یہاں نہیں آئیں تو نادیہ کی شادی رک جائے گی اور تم جانتی ہو کہ میری بہن میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہے۔'' شگفتہ نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں پوچھا۔

''اگر میں نہ آؤں تو؟'' ایاز کا لہجہ سفاک ہوگیا۔

''تو پھر تم خود سمجھدار ہو۔'' شگفتہ نے غصے کے مارے کھٹاک سے فون بند کر دیا، شام کو اسے اماں اور ابا نے بھی بات کی، اماں نے تو دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا۔

''اگر تیری وجہ سے میری بچی کی زندگی پر کوئی بھی برا اثر پڑا یا اس کی شادی میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو یاد رکھنا میں تجھے بھی نہیں بسنے دوں گی۔'' شگفتہ نے بہت آرام سے کہا۔

''جو آپ کا دل چاہے وہ کریں، اب تک کون سا مجھ سے پوچھ کر آپ نے کوئی کام کیا ہے۔'' اماں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''میں طلاق دلوا دوں گی تجھے۔'' شگفتہ آرام سے بولی۔

''شوق سے..... مجھے بھی کسی کٹھ پتلی کے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں مگر میں اپنے بچے کسی طور اور کسی قیمت پر بھی آپ لوگوں کے حوالے

نہیں کروں گی۔'' شگفتہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس نے کھٹاک سے فون بند کیا اور رونا شروع کر دیا، یوسف اور آمنہ بھی اس سے لپٹ کر رونے لگے، تھوڑی دیر بعد ہی ایاز نے اسے فون پر طلاق دے دی۔

رات گئے وہ اپنی زندگی پر اکیلی بیٹھی غور کر رہی تھی جبھی اس کی بڑی جیٹھانی نے اسے فون کر کے تازہ صورتحال سے آگاہ کیا۔

''پتہ ہے نادیہ نے زہریلی دوا پی کر خودکشی کر لی اور مراد پیچھے پڑ گیا کہ میری بہن کی شادی تو لازمی ہوگی لہٰذا ایاز کو شادی کرنا پڑی، یہاں ایک جنازہ اٹھا اور ایک دلہن بھی گھر آئی، رشتے داروں نے ایاز کو خوب لعن طعن کی شگفتہ اماں تو جھولیاں بھر بھر کر تمہیں بد دعائیں دے رہی ہیں اور ابا بھی بالکل چپ ہیں۔'' شگفتہ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی پھر چپ چاپ سے فون بند کر دیا گھر اس کے نام تھا اس لئے وہ بالکل بے خوف تھی، عدت کے دنوں کے بعد اس نے ملازمت اختیار کر لی، یوں زندگی ایک ڈگر پر چلنے لگی۔

☆☆☆

آٹھ سال کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا، شگفتہ نے اپنے بچوں پر بہت زیادہ محنت کی تھی اور اسے امید تھی کہ یہ کھیتی بہت ہری بھری ہوگی، اس کے سسرال والوں نے اس سے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا، اس کا کوئی میکہ نہیں تھا وہ یتیم تھی اس لئے اسے کسی سے امید نہیں تھی، وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے بچے بڑے ہو گئے اور ان کے اصرار پر شگفتہ نے گھر سنبھال لیا اور ملازمت چھوڑ دی، یوسف ڈاکٹر بن گیا تھا، جبکہ آمنہ فیشن ڈیزائنر بن گئی تھی، آمنہ کا ایک بہت اچھے گھر میں رشتہ طے کر کے شادی بھی کر دی گئی، شگفتہ اب یوسف کے لئے کوئی چاند سی دلہن لانے کے متعلق سوچ رہی تھی، انہی دنوں یوسف کی پوسٹنگ ایک دور پرے کے ہسپتال میں کر دی گئی، ہفتے بھر بعد ہی یوسف کے پوسٹنگ واپس شہر میں کروالی، شگفتہ حیران تھی کیونکہ یوسف بہت ہمدردانہ طبیعت کا مالک تھا، ضرور کوئی بات تھی جو وہ وہاں سے بھاگ آیا تھا، شگفتہ کے کریدنے پر اس نے بتایا کہ ''مما اس ہسپتال میں تین مریض ایسے تھے جن کو دیکھ کر مجھے افسوس بھی ہوا مگر دکھ اور غصہ میری ہمدردی اور افسوس کے جذبے پر غالب آ گیا وہ تین مریض دادا، دادی اور پاپا تھے۔'' شگفتہ سکتے سی کیفیت میں آ گئی، یوسف نے کہا۔

''مما سب لوگ ان تینوں کو طعنے دیتے تھے کہ نادیہ پھپھو کے وہی قاتل ہیں اس وجہ سے وہ تینوں ذہنی مریض بن گئے، مما لوگ سچ کہتے ہیں دنیا مکافات عمل ہے، جو ہم بوئیں گے وہی ہم کاٹیں گے۔'' شگفتہ نے صدق دل سے دعا کی۔

''اے اللہ! ہماری آزمائشیں دور فرما اور میں نے ایاز، اماں اور ابا کو معاف کر دیا ہے تو بھی ان کو معاف کر دے۔'' شگفتہ کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا اور اس کی گود میں لیٹے یوسف کے گھنے بالوں میں جذب ہوگیا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

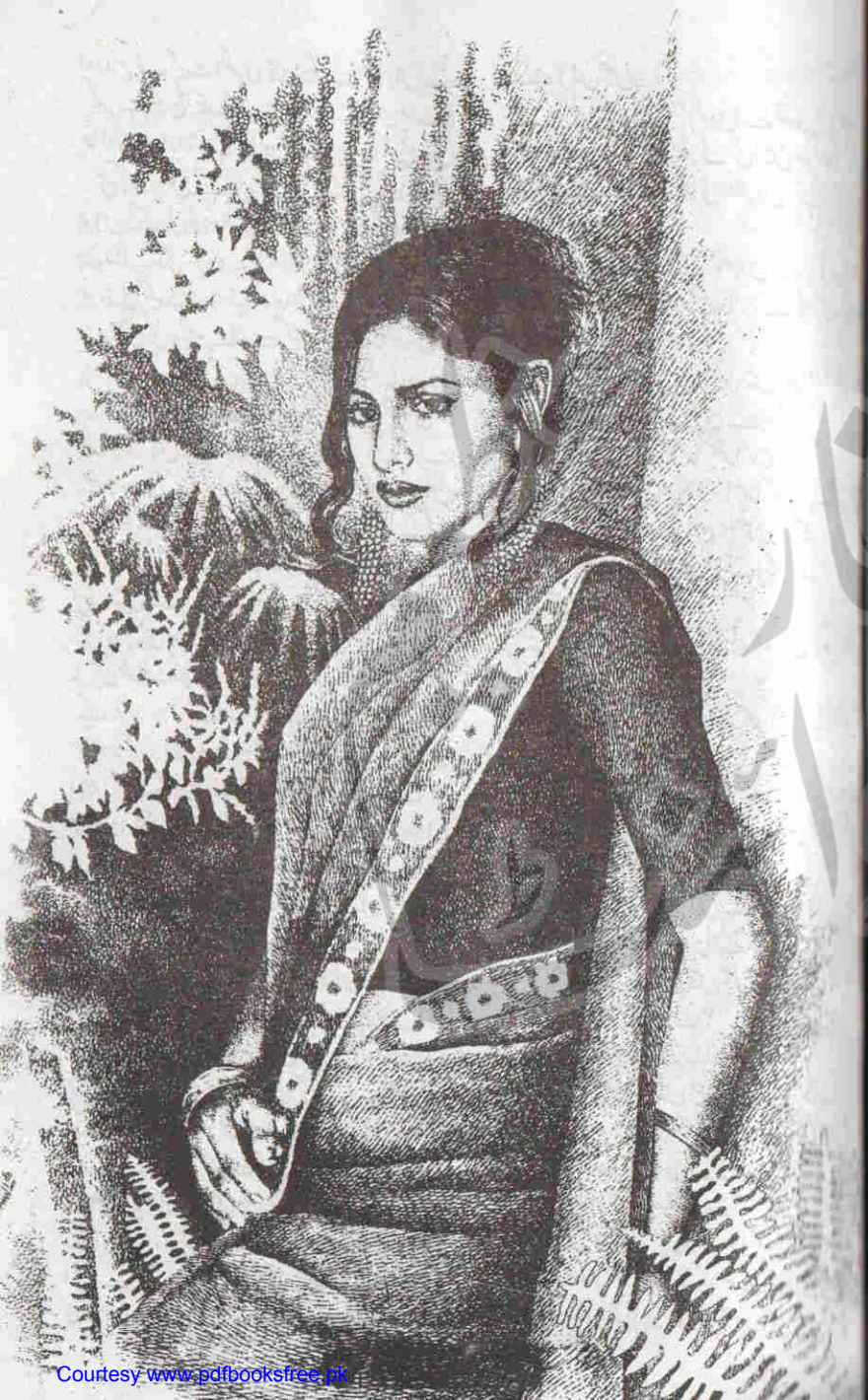

یہ دوستی تیرے دم سے

سندس جبیں

یکم اکتوبر کا ایک نیم خوشگوار دن تھا، وہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی، سینڈل باندھنے کے بعد اس نے ہاتھ دھوئے اور برش لے کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی، تیز تیز ہاتھ چلاتے اس نے بالوں کو جو کہ بمشکل کندھوں سے ذرا سا ہی نیچے آ رہے تھے، پونی ٹیل کی شکل میں باندھ لیا، کیونکہ کھلے وہ چھوڑ سکتی نہیں تھی اور سٹائل اس کے علاوہ اور کوئی بنتا نہیں تھا، اس کے بعد اس نے آئینہ میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا، سوئس کے بلیک اوپن شرٹ اور ٹراؤزر میں ٹھیک ہی لگ رہی تھی۔

''ناشتہ کرو گی ایمی؟'' رابی نے اندر آ کر پوچھا۔

''نہیں، آ کر دیکھوں گی۔'' اس نے دوپٹہ بیگ میں ٹھونسا اور چادر اوڑھنے لگی، اسی وقت باہر گلی میں رکشے والے کی تیز گھنٹی سنائی دی اور اس رکشے کی گھنٹی بھی بس عجیب ہی تھی، جیسے چھوٹے بچے پسٹل چلاتے ہیں جن میں ڈھیر ساری آوازیں ریکارڈ ہوتی ہیں، پہلے عام سی گھنٹی کی آواز آئی، پھر ایمبولینس کی کریہہ آواز گونجی اور پھر یکلخت ڈھیروں ڈھیر فائرنگ ہونے لگی اور آخر میں یوں جیسے بجلیاں کڑک رہی ہوں اور بادل گرج رہے ہوں، اب بھی وہ دروازہ بجانے کی بجائے اپنے رکشے کی بیل دیئے جا رہا تھا اور یہ بیل ہمیشہ اسے افراتفری میں ڈال دیتی اب بھی اس نے نقاب کیا اور باہر بھاگی، مگر دروازے کی سمت جاتے وہ آواز لگانا نہیں بھولی تھی۔

''امی، ابو اللہ حافظ۔'' پیچھے سے امی کی آواز ''فی امان اللہ'' بھی اسے سنائی دی تھی۔

رکشہ میں بیٹھ کر اس نے بیگ گود میں رکھا

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور زیرلب آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی، ان کے گھر سے کالج تک کا رستہ سات سے دس منٹ کا تھا اور یہ سارا رستہ وہ یا تو ٹریفک پر غور کرتی رہی کبھی کبھار اس بے پناہ خوشی کو بھی محسوس کرتی رہی جو اس کے دل کو ہوا میں اڑائے جا رہی تھی، رکشہ نے سٹاپ لگایا تو وہ بے اختیار چونکی۔

فیروزی گیٹ اور سفید دیواریں، وہ دیکھتی ہوئی اندر چلی گئی، چھوٹے سے گیراج کے ساتھ ہی یہ بڑا سا پرنسپل کا آفس تھا، خوب چم چم کرتا اور ذرا سا ٹرن لے کر اندر داخل ہوئی تو خود کو صحن نما گراؤنڈ میں پایا، جہاں چاروں طرف کمرے تھے، سب سے پہلے اسے کیفے ٹیریا نظر آیا جہاں ماربل کی بہت وسیع وعریض میز تھی اور اس کے گرد کم وبیش سو کے قریب گول چیئرز دھری تھی وہ انہی میں سے ایک پر بیٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگی، دائیں طرف فزکس اور کیمسٹری لیب تھیں اور بائیں طرف لمبی سی لائبریری، سامنے کے رخ پر کیفے ٹیریا روم تھا اور اس کے ساتھ کمپیوٹر لیب موجود تھی، وہ دوپٹہ اوڑھ کر خاموشی سے بیٹھی اِدھر اُدھر پھرتی طالبات کا جائزہ لینے لگی وہ میرون پیٹوں والے سفید یونیفارم اور میرون دوپٹوں میں ملبوس تھیں، کچھ نے سفید دوپٹے بھی شولڈرز میں اٹکائے ہوئے تھے، وہ ہنستی کھلکھلاتی اوپر نیچے آ جا رہی تھی، کچھ نے اپنے بیگز اور چادریں بمعہ عبائے اتار کر ٹیبل جہاں وہ بیٹھی تھی کے اوپر دھر دیئے تھے، دو چار نے اسے نوٹس بھی کیا مگر مخاطب کیئے بغیر چلی گئیں، وہ اب اس پوزیشن میں بیٹھی بور ہو رہی تھی مگر اسے عطرت کے آنے کا انتظار تھا اور اگر وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی تو عطرت اسے ڈھونڈتی رہتی اور نامعلوم یہ عمارت کتنی بڑی تھی، اسی لئے وہ بیٹھی رہی جب دو لڑکیاں جو غالباً فرسٹ ائیر سے تھیں اس کے قریب آ گئیں، ہلکے ہلکے ہنستی وہ لڑکیاں غالباً اسے کنفیوژ کرنا چاہتی تھیں، یا کسی شرارت کے موڈ میں تھیں۔

''فرسٹ ائیر؟'' انہوں نے تصدیقی ا... میں پوچھا، اس نے صرف نفی میں سر ہلا... لڑکیوں نے الجھن بھری نظروں سے ا... دیکھا۔

''بی کام؟ بی اے؟'' انہوں نے باقی ما... آپشن اس کے سامنے رکھے، اس نے پھر نفی ... سر ہلا دیا۔

''تو پھر کون سے ائیر میں ہو؟'' لڑ... قدرے جھنجھلا گئی تھی، بدتمیزی سے بولی۔

''ماسٹرز۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

اس کے جواب پر سکتہ سا چھا گیا، ایک لڑ... نے دوسری کی طرف زبان دانتوں تلے دبا... دیکھا اور دوسری نے اس کی طرف، پھر یک زبا... ہو کر بولیں۔

''سوری آپی۔'' کھلکھلاتی ہوئیں وہ ب... بھاگ گئیں۔

اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی، اب ا... کو یہاں بیٹھے پچیس منٹ گزر چکے تھے مگر عطرت... کا ہنوز کچھ پتا نہیں تھا، اس نے کوفت سے سر جھ... جب اسے آفس سے ایک ٹیچر باہر آتی دکھا... دیں، وہ فوراً اٹھ کر ان کی طرف آ گئی۔

''السلام وعلیکم میم۔'' اس نے کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''میم! مجھے روم کا پتا نہیں چل رہا؟''

''روم؟ ائیر کون سا ہے؟''

''ماسٹرز۔'' اس نے بتایا۔

ان کی آنکھوں میں حیرت لہرائی، انہوں نے بغور اسے سر سے پیر تک دیکھا، غالباً انہیں یقین نہیں آیا تھا، تاہم انہوں نے اسے بتا دیا۔

''تھرڈ فلور، روم نمبر سکس۔''

''تھینک یو میم۔'' وہ واپس مڑ گئی، بیگ اور چادر اٹھائی اور سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی... سیڑھیاں تھیں کہ ختم ہی نہ ہو رہی تھیں اس کا ذہن

...ف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا پتا نہیں کتنی ...یاں ہوں گی اور پتا نہیں کیسی ہوں گی؟ اللہ ...میں تو دوستوں کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی، اللہ ...ے وہ سب بہت اچھی ہوں اور میری سب ...دوستی ہو جائے۔

گورنمنٹ کالج سے گریجویشن کرنے کے ...اس نے ملت کالج میں ماسٹرز میں ایڈمیشن لیا ...کالج میں آج اس کا پہلا دن تھا، جبھی وہ مختلف ...ہام کا شکار ہو رہی تھی، گریجویشن میں ان کا پانچ ...یوں کا گروپ تھا اور یہ دوستی اتنی مضبوط تھی کہ ...ی چھٹے کی مداخلت کی ضرورت ہی نہ تھی، مگر ...وائے قسمت وہ سب اس سے جدا ہو چکی ...سوائے عطرت کے، یہی سوچتے سوچتے وہ ...فلور پر پہنچ چکی تھی، سانس درست کرتے ...ے اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی، سب سے ...ٹ کارنر میں اسے روم نمبر سکس نظر آ گیا، اس ...تیز قدموں سے اس طرف پیش قدمی کی ...وازے پر رک کر سانس لیا اور اندر داخل ہو ...ل۔

...کمرے میں گونجتی ہلچل یکدم تھم گئی، ...مگر یہ کیا اندر صرف دو لڑکیاں تھیں، اس ...لام لیا اور فرنٹ میں دھری کرسیوں میں ...ایک پہ ٹک گئی۔

''آپ کا نام کیا ہے بہنا؟'' ان میں سے ...نے پوچھا۔

''اُم ایمان۔'' اس نے چادر کرسی کی بیک ...تے ہوئے مختصراً کہا، اسی وقت دروازے ...ہل سی ہوئی اور دو تین لڑکیاں اندر داخل ...، وہ بری طرح اچھل پڑی۔

''عطرت۔'' وہ چیختی ہوئی اس کے گلے ...گی، زور و شور سے ملنے کے بعد وہ الگ ...تو اس کی نظر دوسری پر پڑی۔

''مقدس تم!'' وہ حیرت وخوشی سے چلائی ...ے ملنے ملانے کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہ بھی اس کی کالج فیلو تھی۔

اب کلاس روم میں کل چھ لڑکیاں موجود تھیں، انہیں انتظار تھا کہ کچھ مزید بھی آئیں گی مگر انتظار، انتظار ہی رہا، یہاں تک کے فرسٹ پیریڈ کی بیل بج گئی، اب وہ سب نہایت خاموشی سے فرسٹ رو پہ موجود چیئرز پر بیٹھ کر متوقع ٹیچر کا انتظار کر رہی تھیں، جب ایک بار پھر پردہ ہٹا اور سر اندر داخل ہوئے، ساری کلاس کھڑی ہو گئی۔

''گڈ مارننگ ماسٹرز۔'' انہوں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا اور روسٹرم کی طرف بڑھ گئے۔

''گڈ مارننگ سر!'' سب نے کورس میں کہا۔

ایم اے انگلش کی تعارفی کلاس شروع ہو گئی، سب سے پہلے نمبر پر موجود لڑکی ''فوزیہ امجد بٹ'' نے اپنا تعارف کروایا، وہ ایک صحت مند، سرخ وسفید اور چائنیز آنکھوں والی خوش مزاج لڑکی تھی، جس کی حیرت انگیز حد تک شاندار حس مزاح دیکھ کر لگتا ہی نہ تھا کہ وہ بی ایس سی کر کے آئی تھی، جب وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی تو باقی لڑکیوں کی آنکھوں میں اس کے لئے واضح پسندیدگی نظر آتی تھی۔

دوسرے نمبر پر ''مقدس النساء عائشہ یعقوب'' تھی، جس کا وسیع وعریض نام آنے والے دنوں میں سب کے لئے ایک سورس آف انجوائے منٹ بن گیا تھا، وہ سمارٹ سی لڑکی تھی جس کے کمر سے نیچے آتے بال سلکی سیاہ اور خوبصورت تھے، وہ خوش شکل تھی اور چہرے پہ موجود ڈھیر ساری معصومیت دیکھ کر وہ ماسٹرز کی بجائے میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی تھی، اس کا لہجہ بہت مؤدب اور دھیما سا تھا۔

تیسرے نمبر پر ''عطرت مشتاق احمد'' تھی وہ سب سے زیادہ دراز قد تھی، اس کے چہرے پر ایک دو نہیں تین ڈمپل تھے، دونوں گالوں کے ساتھ ساتھ اس کی پیاری سی ٹھوڑی بھی ڈمپل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بجی تھی، اس کے چہرے پہ معصومیت کی اتنی فراوانی تھی کہ اسے بڑے سکون سے میٹرک کی اسٹوڈنٹ سمجھا جا سکتا تھا، وہ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے سمارٹ سی لڑکی تھی جو اپنا تعارف کرواتے ہوئے سرخ ہوئے جا رہی تھی۔

چوتھے نمبر پر "ام ایمان احمد" تھی، گندمی رنگت پر کالی آنکھیں اور دائیں گال پر پڑنے والے ڈمپل کے ساتھ اس کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جو چونکا دیتا تھا، وہ بہت پر اعتماد انداز میں اپنا تعارف کروا رہی تھی، بی اے فرام گورنمنٹ کالج۔

سر اقبال نے بغور اس کے انداز کو دیکھتے ہوئے اس سے ایم اے انگلش میں داخلے کا محرک پوچھا تھا۔

"سر! ان فیکٹ میں اردو فکشن رائٹر ہوں، مجھے لگتا ہے لٹریچر میری فیلڈ کے لئے ہیلپ فل ہو گا۔" وہ بڑے ہموار انداز میں بنا کنفیوژ ہوئے بولی تھی۔

جس پہ عطرت اور مقدس کے سوا ساری کلاس کی گردنیں اس کی طرف مڑ گئیں، سر اقبال بھی چند لمحے بے یقینی اور حیرانی سے اسے دیکھتے رہے پھر ان کے چہرے پہ ایک گہری مسکراہٹ آ گئی۔

"ماسٹرز! پلیز کلیپ فار دس ینگ گرل۔" انہوں نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

یکدم ساری کلاس تالیوں سے گونج اٹھی، ام ایمان کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"تھینکس سر!"

"منیشن ناٹ، کیا آپ بتا سکتی ہیں آپ کب سے لکھ رہی ہیں؟" انہوں نے دلچسپی سے پوچھا، موضوع یکدم توجہ اختیار کر گیا تھا۔

"سر! میں تھرڈ ائیر سے لکھ رہی ہوں تو اس حساب سے لکھتے ہوئے مجھے قریباً ڈیڑھ سال ہو چکا ہے۔"

"ویری گڈ، کیا آپ اس فیلڈ میں آ... جانے کا ارادہ رکھتی ہیں آئی مین کوئی بکس وغیر... بھی لکھیں گی؟"

"بالکل سر! ان فیکٹ میری ایک کتا... تیاری کے مراحل میں داخل ہو چکی ہے، ان ا... اللہ جلد مارکیٹ میں آئے گی۔" وہ نیا انکشاف... رہی تھی، سر ایک دم پر جوش نظر آنے لگے تھے۔

"...ell, we have a ...alent and genius like you, we are lucky۔" اس کی ڈمپل وا... مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

اب وہ اس سے مزید چھوٹی چھوٹی باتیں... بڑی تفصیل سے پوچھ رہے تھے جن کے وہ بڑ... تسلی بخش جواب پوری جزیات کے ساتھ د... رہی تھی، ام ایمان یکدم ہی سب سے زیادہ اہمیت... اختیار کر گئی تھی، اس کے بعد "عائشہ عبدالرزاق" تھی، وہ بھی بڑی پیاری لڑکی تھی، اس کے چہر... سب سے زیادہ خاص چیز اس کی موٹی موٹی... آنکھیں تھیں جن میں باریک کاجل کی لکیر غضب... ڈھا رہی تھی، وہ ماڈل ٹاؤن کالج سے بی ا... کر کے آئی تھی۔

آخری سٹوڈنٹ "وردہ فضل محمود" تھی، سانولی رنگت والی باقیوں کی نسبت (اس لسٹ... میں فوزیہ امجد بٹ کو شامل نہ کیا جائے) قدر... کیلی سی تھی، وہ ذرا ٹھہر کے بات کرنے کی عاد... تھی، اس کی خصوصیت اس کی موٹی سی لٹیں تھی... جو اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں بالکل کسی روا... ہیروئن کی طرح، وہ انہیں بات کرنے کے دورا... بار بار کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی اور یوں ا... اے انگلش کی تعارفی کلاس اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆

ایک نیا روشن دن اس کے استقبال... لئے تیار تھا، وہ مسکراتی ہوئی تیز تیز سیڑھی... چڑھتی گئی، اف یہ تھرڈ فلور، فورتھ نائن سیڑھی...

...ں کی ٹانگیں جواب دینے لگیں تھیں، روم نمبر ... کے سامنے رک کر اس نے ایک طویل ...انس لی اور اندر داخل ہو گئی۔

گلابی سی صبح، شرابی سی ہوا اندر سے اٹھتی ...گنگناہٹ بڑی بلند تھی، وہ زیر لب مسکرا دی۔

"اوہ...... ہماری کلاس میں سنگر بھی موجود ...۔" اس نے صرف سوچا تھا کہا نہیں، گنگنانے ...الی "فوزیہ امجد بٹ" تھی، اس نے سب سے ...سلام لی اور اپنی نشست پہ بیٹھ گئی۔

"تمہاری آواز اچھی ہے فوزیہ! بس ذرا ...ہے۔" اس نے بے تکلفی سے مسکراتے ...ے کہا۔

"کیا کروں یار؟ میرے ساؤنڈ بکس میں ...م کا بٹن ہے ہی نہیں۔" وہ بے چارگی سے کہہ ...ی، وہ کھلکھلا دی۔

"اتنی حقیقت پسندی؟"

"ہاں۔" وہ زور سے ہنس پڑی۔

"ویسے ام ایمان تمہارا نام کافی لمبا ہے اگر ...کچھ مختصر کر دوں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہو ...؟"

"تم مجھے ایمی کہہ سکتی ہو۔" وہ مسکرا رہی ...

"ویری گڈ، بہت پیارا نام ہے۔"

"شکریہ ویسے فوزیہ! میں ایک بات ...وں، تم سب سے۔" اس نے ڈائس کے ...کھڑے ہو کر سب کو مخاطب کیا، سب نے ...میں سر ہلا دیا تھا۔

"سب سے پہلے تم فوزیہ! آخر کیا سوچ کر تم ...ایم اے انگلش میں ایڈمیشن لیا؟ یار دیکھو تم ...بی ایس سی کی ہوئی ہے آخر تم اسی فیلڈ میں ...کیوں نہیں گئیں؟"

"اس کی وجہ میرے والد صاحب ہے یار! ...الٹر نائپ ہیں، ان کا کہنا تھا کہ کو ایجوکیشن ...جانا نہیں۔" فوزیہ نے صاف گوئی سے کہا۔

"تمہیں لگتا ہے تم ایڈجسٹ کر لو گی؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"کرنا پڑے گا یار! آخر اتنے چارجز بھر ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ویری گڈ، دیٹس دا سپرٹ۔" اس نے ڈائس پہ ہاتھ مارا تھا۔

"تھینکس۔"

"عطرت کا تو مجھے پتا ہے اسے خبط تھا ایم اے انگلش کا۔" وہ اب مسکراتے ہوئے عطرت کی طرف رخ کیئے ہوئے تھی، جس نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے خیر مقدمی انداز میں ہاں کی تھی۔

"ویسے "مقدس النساء عائشہ یعقوب قاری" آپ کا اس طرف آنے کا کیسے پروگرام بن گیا؟" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

اس کے والد "قاری" تھے، اب ایمی کے یوں اس کا پورا نام لینے پر کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی تھی۔

"مقدس النساء عائشہ یعقوب قاری" اف خدا کا خوف کرو کہاں یہ نازک سی گڑیا اور نام اتنا بھاری بھرکم، یوں لگتا ہے اکھٹے پانچ چھ لوگوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔" فوزیہ نے دہائی دی تھی، جبکہ مقدس بس ہنسے جا رہی تھی۔

"میرے ابو جی کا کہنا تھا کہ مجھے انگلش میں ہی ماسٹرز کرنا ہے پھر وہ مجھے اپنے پاس سعودیہ بلا لیں گے، وہاں بہت ڈیمانڈ ہے یار انگلش کے ٹیچرز کی۔" مقدس نے اپنے ارادے بتائے۔

"ویری گڈ، یعنی تم تو ہمیں داغ مفارقت دے جاؤ گی۔" ایمان نے کہا۔

"یہ تو بس ارادے ہیں یار! آگے دیکھو جو رب کو منظور۔"

"پھر ٹھیک ہے اور یاد رکھنا بندے کے ارادے کچھ اور ہوتے ہیں اور رب کے کچھ اور۔" ایمی نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں یہ تو ہے۔'' مقدس نے کہا۔

''اور تم وردہ! تم بھی کچھ بول دو۔'' اس نے اپنی لٹ سنوارتی وردہ کو مخاطب کیا۔

''مجھے ایم ایس سی میں ایڈمیشن نہیں ملا! اسی لئے مجھے یہ سمجھوتہ کرنا پڑا۔'' وہ افسردگی سے بولی تھی۔

''ایم ایس سی؟ کس میں؟'' وہ چونکی۔

''سائیکالوجی میں۔''

''اوہ اچھا کوئی بات نہیں بھئی، ہمیں یوں ہی ملنا تھا۔'' امی نے تسلی دی۔

''اور یہ آپ محترمہ عائشہ عبدالرازق یہ کجراری اور غزالی آنکھوں کے سارے استعارے اور تشبیہیں آپ کی آنکھوں کے لئے ہی بنے ہیں یقیناً، آپ بھی اپنے بارے میں کچھ فرما دیجئے۔'' وہ شرارت سے کہہ رہی تھی، عائشہ کے گالوں پہ سرخی دوڑ گئی۔

''میرا تو کچھ بھی کرنے کا موڈ نہیں مگر امی نے کہا تمہیں کم از کم ایک ماسٹرز کو کرنا ہی پڑیگا۔'' وہ بے نیازی سے بولی، ایک قہقہہ پڑا تھا۔

''واہ...... واہ...... کیا بات ہے؟'' فوزیہ نے سر دھنا۔

''یار! واقعی؟'' مقدس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ارے نہیں بھئی، میرا تو پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کا خواب تھا مگر وہی یونیورسٹی، وہی کو ایجوکیشن، بس پھر وردہ کی طرح سمجھوتہ کرنا پڑا۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی تھی۔

''حوصلہ...... حوصلہ یار!'' فوزیہ نے اس کی کمر تھپتھپائی۔

''یہ سب چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ تم لوگ جس طرح آئی ہو بلکہ بھیجی گئی ہو، کچھ کرنے کا موڈ بھی ہے یا Just for killing time۔'' اس نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

جواباً احتجاجی آوازیں ابھری تھیں۔

''نہیں، کرنا ہے، کیوں نہیں، کرنا پڑ[illegible] گا۔'' وغیرہ وغیرہ۔

اسی شور و غوغا میں سر اقبال نے اندر ق[illegible] رکھا، ساری کلاس الرٹ ہو گئی جبکہ امی بھی ا[illegible] نشست پہ جم گئی تھی، انہوں نے رسماً سب [illegible] حال چال پوچھا اور لیکچر کا آغاز کر دیا، وہ ا[illegible] Classical poetry اور prose پڑ[illegible] رہے تھے، انہوں نے پڑھانے کے لئے س[illegible] سے پہلے پوئٹری میں Chaucer کو چوز کیا [illegible] وہ بکس اور نوٹ بکس پھیلائے ہاتھوں میں [illegible] پوائنٹ تھامے دم بخود حیرت سے گنگ [illegible] دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ کیا ہو رہا تھا؟ اور اگر کچھ ہو رہا تھا تو [illegible] کیا تھا؟'' یہ اگر لیکچر تھا تو ان کا رونے کا دل [illegible] رہا تھا وہ بات کر رہے تھے کلاسیکل رائٹرز کی [illegible] مثالیں دے رہے تھے پنجابی گانوں کی، [illegible] ڈسکس کر رہے تھے Chaucer کا انٹروڈ[illegible] اور مثالیں دے رہے تھے پیروڈی اشعار کی۔ پینتالیس منٹ کا لیکچر جیسے پینتالیس گھنٹو[illegible] پہ محیط ہو گیا تھا، وہ پیریڈ ختم ہونے کے [illegible] بیا کتے سی اپنے سامنے پڑی خالی نوٹ بکس دیکھتی رہ گئیں۔

''کس کو کچھ سمجھ آئی؟'' عطرت نے [illegible] روکتے ہوئے سب کی شکلیں دیکھیں جو سو[illegible] نشان بنی ہوئی تھیں۔

''یہ لیکچر تھا؟'' فوزیہ نے لب بھینچ کر [illegible] ضبط کرتے ہوئے نجانے کس سے سوال کیا تھا۔

''پتا نہیں کون سی خلائی زبان میں سر کچھ [illegible] کر گئے ہیں، مجھے تو کچھ پلے نہیں پڑا۔'' یہ ا[illegible] تھی، سخت صدمے کے زیر اثر۔

''یار! وہ جو Chaucer کا انٹروڈ[illegible] شعر پڑھا تھا سر نے، وہ کسی نے نوٹ کیا ہو تو [illegible] بھی لکھوا دے۔'' وردہ نے سادگی سے کہا [illegible] امی کو وہ پیروڈی شعر یاد آ گیا جسے سن کر اس [illegible]

ادبی ذوق رکھنے والی لڑکی کا دل چاہا تھا وہ دیوار سے سر پھوڑ لے۔

''وردہ!'' امی نے اسے گھورا۔

فوزیہ نے محظوظ ہونے والی نظروں سے اسے دیکھا پھر شرارتی انداز میں مسکرائی۔

''وردہ! مجھے وہ شعر یاد ہے جو انہوں نے Chaucer کی ڈیتھ پر تبصرہ کرتے ہوئے پڑھا تھا، لکھو۔'' فوزیہ تن کر کھڑی ہو گئی۔

دل سے نکال دیجئے احساس آرزو
مر جایئے کسی کی تمنا نہ کیجئے

''فوزیہ!'' امی چلائی تھی، پوری کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی تھی جبکہ وردہ حیرت سے سوچ رہی تھی آخر Chaucer کو کس کی تمنا تھی؟

☆☆☆

''ملت سائنس کالج'' کا شمار شہر کے چند بہترین اداروں میں ہوتا تھا، ان کا ایم اے انگلش کا یہ پہلا بیچ تھا اور وہ اسے لے کر اتنے ہی کانشس تھے جتنا کہ ہونا چاہیے تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی بھرپور کوشش کر رہے تھے کہ طالبات کو اچھے ماحول، سہولیات کے ساتھ ساتھ اچھے اور بہترین استاد بھی فراہم کیئے جائیں، اسی جدوجہد کے سلسلے کی دو کڑیاں سر راحت بٹ اور مسز عظمٰی فرہاد تھیں۔

دونوں اساتذہ کو خاص طور پر ماسٹرز کے لئے اپائنٹ کیا گیا تھا، سر راحت بٹ انہیں American literature پڑھا رہے تھے، انہوں نے چار ماسٹرز کیئے ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ ٹیچنگ کے کئی ڈپلومے کیئے ہوئے تھے، ان کی قابلیت میں کوئی شبہ نہیں تھا، وہ ایک نرم دل اور نرم مزاج انسان تھے، وہ سختی کے قائل نہ تھے مگر ان کے اندر کوئی ایسا شیر بیٹھا تھا جو بڑے پیار سے طالب علموں کو راہ راست پہ لے آتا تھا، وہ سٹوڈنٹس کی خالی کھوپڑیاں کھولنا جانتے تھے اور ان میں سے بھوسہ نکال کر اپنے ویو پوائنٹ کو ڈالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، مشکل سے مشکل لیکچر بھی اتنی دلچسپی اور چابکدستی سے ڈیلیور کرتے کہ وہ حیران رہ جاتیں۔

دوسرے نمبر پہ مسز عظمٰی فرہاد تھیں، بہت خوبصورت لب و لہجے کی مالک ینگ ٹیچر تھیں، وہ بالکل فریش ماسٹرز کر کے آئیں تھیں اور ان کی استاد سے زیادہ دوست لگتی تھیں، وہ ہر چیز کو اتنی تفصیل سے ڈسکس کرتیں کہ کسی قسم کی کمی باقی نہ رہتی، وہ انہیں ڈرامہ اور ناول کے سبجیکٹ پڑھا رہی تھیں۔

یوں تین ٹیچرز اور چھ سٹوڈنٹس کے اشتراک سے ''ملت سائنس کالج'' کا پہلا بیچ سٹارٹ ہو گیا، باقی رہ گئیں وہ چھ، مختلف سمتوں کی جاتی، مزاجوں میں تضاد اور دلچسپوں کے فرق کے باوجود وہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہوتی گئیں اور جوں جوں وہ قریب آتی گئیں، مزاجوں سے ساری پرتیں کھلتی گئیں، فوزیہ امجد بٹ پکی کشمیرن اور خالص بٹ فیملی سے تعلق رکھنے والی فوزیہ جو کھانے پینے کے از حد شوقین تھی، جس کے دو ہی شوق تھے، کارٹونز دیکھنا اور ٹافیاں کھانا۔

عطرت مشتاق احمد، ایک کم گو اور مخلص لڑکی جو امی کو کسی سے زیادہ دیر بات کرتا دیکھ لیتی تو افسردہ ہو جاتی، حد سے زیادہ پوزیسو اور معصوم، جس کا صرف ایک ہی شوق تھا، ''پڑھنا'' اس کے بعد ''مقدس النساء عائشہ'' تھی، بظاہر معصوم اور دھیما سا لب و لہجہ رکھنے والی مگر درحقیقت حد سے زیادہ صاف گو، خطرناک حد تک طنزیہ انداز گفتگو کرتی وہ کسی کے بھی چھکے چھڑا سکتی تھی، بس اسے چھیڑنے کی دیر ہوتی تھیں اور پھر چھیڑنے والی بھگتتا رہ جاتا، مگر حد سے زیادہ مخلص اور پیار کرنے والی، جو دوستی میں جان بھی دے سکتی تھی، مگر جب خطرناک موڈ میں ہوتی تو اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

Satirical attakes (تنقیدی حملے) سے کوئی نہیں بچ سکتا تھا، اس کے بعد "وردہ فضل محمود" تھی، وہ خاموش طبع اور الگ تھلگ رہنے والی لڑکی تھی، جس کی عادتوں اور مزاج کے بارمیں واضح طور پر کچھ کہنا مشکل تھا، دوسری طرف "عائشہ عبدالرازق" بھی کسی حد وردہ کے قبیل سے ہی تعلق رکھتی تھی، وہ دونوں درحقیقت ان کے گروپ کے سائلنٹ ممبرز تھیں۔

اور سب سے آخر میں "ام ایمان احمد" جس کی انفارمیشن اور نالج سب کے لئے حیران کن تھے، ایسے ہر لیکچر میں اپنے کمنٹس دینے کی عادت تھی اور اس کا حیران کن حد تک بڑھا ہوا اعتماد اس کا سب سے بڑا ہتھیار تھا، وہ بھی ایک خوش مزاج، باتونی، صلح جو اور کسی حد تک قناعت پسند لڑکی تھی۔

اور یہی "ایمی" جو ایڈمیشن کے وقت سوچتی تھی کہ خدا معلوم کیسی لڑکیاں ہوں گی؟ اب خدا کا شکر ادا کرتی تھی کہ اتنی اچھی سہیلیوں کے ساتھ میسر آیا تھا جو حقیقتاً چاہے جانے کے قابل تھیں، وہ ہر ایک سے ایک سا سلوک کرتی تھی مگر عطرت ان سب سے ایک تھی، وہ دونوں گزشتہ چھ سالوں سے ساتھ تھیں، اب تو وہ درحقیقت ایک دوسرے کی آنکھ کا اشارہ سمجھنے لگی تھیں، اس کے لئے عطرت سب سے خاص تھی، سب سے اہم تھی، عطرت بھی اس پہ جان چھڑکتی تھی۔

الغرض قافلہ چل پڑا تھا اور لیڈر مقرر ہوئی تھی ام ایمان وہ ان لوگوں میں سے تھی جو پیدائشی قائدانہ صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ سے کلاس کی مانیٹر، ہیڈ گرل اور سی آر چنی جاتی رہی تھی اور اب اس لیول پر آکر تو اسے اس پروٹوکول کی عادت ہو چکی تھی، اس کے لئے کچھ نیا نہ تھا وہ اس سب کی عادی تھی اس کے لئے یہ سب معمول کا حصہ تھا، تاہم ماسٹرز میں آکر بھی اسے سی آر چنا گیا تو وہ قدرے جھنجلا سی گئی، بار بار ایک ہی عہدے پر تو وزراء بھی اکتا جاتے ہیں وہ تو پھر نازک سی لڑکی تھی، تاہم انکار کا سوال ہی نہ تھا اسے مسز عظمیٰ فرہاد نے "سی آر" چنا تھا۔

اسے لگتا تھا کہ وہ باتونی تھی مگر فوزیہ تو اس سے دس ہاتھ آگے تھی، فوزیہ صرف شاندار حس مزاح ہی نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ مذاق اڑانا اور نقل اتارنا میں بھی مہارت رکھتی تھی، "نقل بمطابق اصل" اس کی گارنٹی تھی اور وہ اتنی پرفیکٹ نقل اتارتی کہ حقیقت کا گمان ہوتا وہ ہنس ہنس کر پاگل ہو جاتیں جبکہ وہ سنجیدگی سے "سراقبال" بنی انہیں پنجابی گانے سنا رہی ہوتی۔

ایمی کو لگتا تھا کہ وہ صاف گو ہے مگر مقدیس کی صاف گوئی کے آگے وہ خود بھی گڑبڑا جاتی، وہ بات کو منہ پہ مارنے کی عادی تھی خواہ اگلا کتنا بھی مائنڈ کرتا، بعض اوقات تو ٹیچرز بھی اس کے ہتھے چڑھ جاتے۔

ایمی کو لگتا تھا وہ مخلص ہے مگر عطرت کو دیکھ کر اسے رونا سا آجاتا وہ اتنی پیاری اتنی خاص تھی کہ ایمی کو اپنی قسمت پہ رشک آتا اسے اتنے چاہنے والے پرخلوص اور سچے دوست ملتے تھے۔

وردہ یوں تو کم گو تھی اور کسی حد تک الگ تھلگ بھی مگر اس میں اس کی شخصیت کا سارا حسن تھا، ایمی کو وہ بھی بڑی عزیز تھی، رہ گئی عائشہ تو اسے دیکھ کر تو اس کی جھیل سی آنکھوں میں ڈوبنے کا دل کرتا تھا، باتیں کرنا کس کم بخت کو یاد رہتا تھا، اس کی تو آنکھیں باتیں کرتی تھیں وہ بھی کم گو تھی مگر اتنی نہیں کہ کسی بات میں حصہ ہی نہ لے، ایمی سے اس کو بھی خصوصی الفت تھی، چاہتوں اور محبتوں سے سجا یہ سفر بخیر و عافیت شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سراقبال کا پیریڈ چل رہا تھا اور وہ سب یوں بیٹھی تھیں گویا شیر پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو، چہروں پہ ایسی مظلومیت جیسے ایتھوپیا کے قحط زدہ

مہاجرین میں سے ہوں، آنکھیں نیند سے بے حال اور جمائیوں پہ جمائیاں، سونے پہ سہاگہ یہ کہ سر کی ڈیمانڈ تھی کہ ان کے لیکچر کے اہم پوائنٹس نوٹ کیے جائیں اور دوران لیکچر سے کسی قسم کا سوال نہ کیا جائے نہ انہیں کچھ بتانے کی جرأت کی جائے، مگر ایمی کا کیا کیا جائے جو خود کو مجبور پاتی تھی، اسے تو سب ٹیچرز کے لیکچرز کے دوران ڈسکشن کی عادت تھی مگر سر کا حکم، اس کا کیا کیا جائے؟ مستزاد ان کی ڈیمانڈ تھی کہ دوران لیکچر صرف انہی کی طرف متوجہ رہا جائے، اکثر یوں ہوتا کہ وہ وردہ کو ڈانٹتے۔

"وردہ! آپ ذہنی طور پہ حاضر نہیں ہیں خیریت؟" اور فوزیہ سے تو انہیں خدا واسطے کا بیر تھا۔

"فوزیہ! لک ایٹ می۔" بے چاری فوزیہ تلملا کر رہ جاتی مگر کیا کرتی، البتہ ایمی سے وہ بھی نہیں الجھتے تھے، ایک تو وہ سارا وقت ان کی طرف متوجہ رہتی تھی دوسرے خاموش رہ رہ کر اس کے جبڑے بھی دکھنے لگتے تھے، اس لئے وہ دانت بھینچ کر صرف انہیں ہی دیکھا کرتی، اس بات سے قطع نظر کہ ان کا لیکچر اپر چیمبر میں جا رہا تھا، دو فٹ اوپر سے ہی فلائی کر رہا تھا۔

ایک بار یوں ہوا کہ لیکچر ختم ہونے کے بعد سدا کی خاموش طبع عائشہ نے سر سے کسی ورڈ کا معنی پوچھ لیا اور فوزیہ جو Meanings کے پیچھے پاگل تھی، ایسا ممکن ہی نہ تھا کہ اسے کسی ورڈ کے معنی نہ آتا ہو، اگر کبھی غلطی سے ایسا ہو بھی جاتا تو وہ اپنے بال نوچنے پہ آجاتی، خیر بے چاری فوزیہ جھٹ سے اپنی علمیت جھاڑنے کے چکر میں معنی بتانے لگی تھی جب سر نے سختی سے اسے ٹوک دیا۔

"Fozia! let me speak."

فوزیہ اس قدر شرمندہ کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، اس نے سرخ چہرے کے ساتھ خود پہ قابو پا کے بس اتنا ہی کہا کہ "جی سر" اور سر جھکا لیا۔

سب نے اپنی ہنسی دبالی تھی اور اس دن وہ سارا وقت فوزیہ کا مذاق بناتی رہیں، وہ کچھ بولنے کی کوشش کرتی تو جھٹ سے کوئی نہ کوئی دخل دے دیتی۔

"لٹ می سپیک فوزیہ۔"

(مجھے بولنے دو فوزیہ) اور وہ دھاڑ اٹھتی۔

آج بھی ایسا ہی بور دن تھا، Prose کا پیریڈ تھا، سراقبال نے انہیں سب سے پہلے فرانسس بیکن شروع کروایا تھا، اب خدا معلوم وہ رائٹر ہی خشک تھا یا سر کا پڑھانے کا طریقہ کہ بیکن سے وہ سب ہی بھاگنے لگیں، ان کا موڈ ہوتا کہ یہ پیریڈ آئے ہی نہ، مگر ادھر بیل بجتی ادھر سے سر حاضر اور ان سب کی جان شکنجے میں آجاتی سب کی کلائیوں میں ریسٹ واچز ہوتی تھیں مگر سامنے دیوار پہ ٹنگی گھڑی کو بار بار دیکھ کر تسلی کی جاتی کہ آخر کار تو پیریڈ ختم ہو ہی جائے گا۔

آج بھی ایمی نے چپکے چپکے دس مرتبہ گھڑی دیکھی اور آخر کار ضبط نہ کرتے ہوئے دیوار پر موجود کلاک پر نظر دوڑانے کی جرأت کر لی اور یہیں سے سر نے اسے دیکھ لیا۔

"کیا بات ہے ایمان! بور ہو رہی ہیں۔" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"نو سر!" اس نے گڑبڑا کر کہا، لیکچر دوبارہ سے سٹارٹ ہو گیا۔

وہ پھر سے سر کی طرف متوجہ ہو گئی، مگر دس منٹ تھے کہ گزر ہی نہ رہے تھے اس نے جھنجلا کر ریسٹ واچ سے ٹائم دیکھا۔

"دلی ہنوز دوراست۔" سر نے اسے دیکھ کر بڑے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

کلاس میں دبی دبی کھلکھلاہٹیں گونج اٹھیں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمی نے جھلا کر سر جھکا لیا تھا اور جیسے ہی پیریڈ ختم ہوا سر باہر گئے، ایمان کا وہ مذاق اڑایا گیا کہ حد نہیں وہ پھولے منہ کے ساتھ سب کو گھورتی رہی۔

''شرم کرو، بدتمیزو! مروتم، بے وفا، بے مروت، غدار اور......'' اسے جلدی میں اور کوئی لقب یاد نہ آیا، سب کے قہقہے اسے خفیف سا کر گئے۔

''یار! میرا تو خیال تھا کہ تم فارسی میں کوئی پھڑکتا ہوا جواب دو گی، آخر تم نے بی اے میں آپشنل فارسی کا سبجیکٹ رکھا تھا۔'' مقدس نے اپنی طنزیہ ٹون میں کہا۔

''جواب تو مجھے ایسا آتا تھا کہ سر سنتے تو تڑپ اٹھتے۔'' وہ دانت بھینچ کر بولی۔

''تو پھر دیا کیوں نہیں؟'' وہ سب چلا ہی تو پڑیں تھیں۔

''بس یار وہ کچھ زیادہ ہی ہو جاتا۔'' وہ قدرے ہچکچا گئی۔

''اچھا، ایسا کون سا جواب تھا؟'' فوزیہ نے دلچسپی سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

باشد خاموشی جاہلاں جواب

اس کے کہنے پر چند سیکنڈز کے لئے تو سکتہ چھا گیا پھر وہ ہاہا کار مچی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، سر راحت کی کلاس سے پہلے تک وہ اسی موضوع میں مصروف رہیں، ایک بات پر تو وہ سب متفق تھیں، سر کی سمجھ کسی کو بھی نہیں آتی تھی، اپنا یہ دکھ وہ بیسیوں بار اپنے باقی دونوں پروفیسرز سے شیئر کر چکی تھیں اب تو وہ عادی ہو گئے تھے، البتہ وہ انہیں سمجھاتے ضرور تھے کہ وہ سر اقبال کے ساتھ اپنی کیمسٹری میچ کرنے کی کوشش کریں اور کچھ محنت خود سے بھی شروع کر دیں خصوصاً ان دو سبجیکٹس پہ جو سر اقبال پڑھا رہے تھے، مگر یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہیں آتا تھا۔

جونہی سر کی کلاس شروع ہوئی وہ جو دائرے کی شکل میں کھڑیں بری طرح مصروف گفتگو تھیں واپس اپنی نشستوں پر بیٹھ گئیں، سر آ گئے حال چال پوچھا، ایمی کا بگڑا موڈ دیکھا اور فوزیہ کی دبی دبی ہنسی۔

''یہ آج فنکاروں کو کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا، وہ ایمی کو اکثر فنکار کہا کرتے تھے لکھاری ہونے کی وجہ سے جواباً فوزیہ کا زور دار قہقہہ اور باقی سب کی دبی دبی ہنسی ابھری۔

''سر!'' اس نے گھڑی دیکھنے کی ہمت کر لی، سر نے فوراً کہا۔

''دلی ہنوز دور است۔'' فوزیہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی، ایمی نے اسے گھورا۔

''ہوں، تو بھئی آپ نے کہنا تھا کہ سر جائیے دلی کو نزدیک لے آئیے۔'' سر کی برجستہ بات پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

''سر! ابھی تو اس سے بھی آگے کی بات کر رہی تھی۔'' فوزیہ کے کہنے پر ایمی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا جواباً فوزیہ سرخ چہرے کے ساتھ ہنسی ضبط کرتے ہوئے سر جھکا گئی۔

''چھوڑیں سر! فضول باتوں کو، آپ یہ بتائیں کہ آج ہم نے کون سی نظم پڑھنی ہے؟'' عطرت نے مداخلت کی۔

''دیکھا، پڑھنے والے بچے۔'' سر نے مسکرا کر کہتے ہوئے سامنے پڑی بک کھول لی، آج کا لیکچر Sylvia plath کی نظم Bee Meeting پہ تھا، نظم بہت مشکل اور پیچیدہ تھی مگر سر کا وہی ٹھنڈا میٹھا، کھوپڑیاں کھولنے والا انداز انہیں پتا بھی نہ چلا اور نظم ان کے دماغوں کے بھوسے کو صاف کر کے اپنی جگہ بنا کر بیٹھ گئی، کلاس روم میں مکمل خاموشی تھی وہ سب اپنی بکس پہ جھکی تیزی سے نوٹس لینے میں مصروف تھیں، یہ ممکن ہی نہ تھا کہ سر کے پیریڈ میں کسی قسم کی اکتاہٹ یا جگت بازی کی جاتی، سر کا لیکچر اتنا پرفیکٹ اور ہوتا تھا کہ فوزیہ جیسا شخص بھی سنجیدہ رہنے پہ مجبور ہو جاتا تھا، اس وقت بھی نہایت سنجیدگی سے مفکروں جیسی شکل بنائے تیزی سے پنسل چلا رہی تھی، سر کی کلاس ختم ہوئی تو وہ بھوک بھوک چلاتیں کیفے ٹیریا کی سمت بھاگیں تھیں، سب اپنے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر ماربل کی ٹیبل کے گرد آ بیٹھیں۔

''یہ کیا ہے؟'' عطرت نے دہی بھلے کی پلیٹ پہ ڈھیر سارے سلاد کے نام پر ڈھیر سارے گھاس پھوس کو دیکھا۔

''یہ سیلاد ہے۔'' فوزیہ نے جیسے بہت اہم اطلاع دی تھی اور اپنی پلیٹ میں سے سلاد کے نام پر موجود پتے اٹھا کر کھانے لگی، اب خدا معلوم وہ پالک کے پتے تھے یا سلاد کے؟

''یار! یہ دہی بڑے کیسے ہیں؟ نہ اس میں دہی ہے نہ بڑے، بس یہ جڑی بوٹیاں نما گھاس پھوس ہے۔'' ایمی نے تجزیاتی رپورٹ پیش کی، سب ہنسی تھیں۔

وہ سب کی سب آپس میں نوک جھوک میں مصروف تھیں، جب کیفے ٹیریا میں بی اے نے ہلہ بولا، فوزیہ کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے، وجہ؟ ہاہا! وجہ بھی بڑی عجیب تھی، فوزیہ کو یلو اور اورنج کلر سے سخت نفرت تھی اور بی اے کا رنگ یلو تھا، اس وقت بھی فوزیہ نے ڈیو کے سپ لیتے ہوئے بڑے ترنم اور سر میں اپنا بی ایس سی کا سلوگن گنگنانا شروع کر دیا۔

Yellow yellow dirty fellow
White white orbit white

وہ یوں گنگنا رہی تھی جیسے دانت کچکچا رہی ہو۔

''اوں ہوں فوزیہ۔'' ایمی نے تنبیہی انداز میں اسے گھرکا تھا، مقصد اسے خاموش کرانا تھا۔

''اب کیا فائدہ؟ وہ ادھر ہی آ رہی ہیں۔'' عطرت نے کنکھیوں سے بی اے کی مجمع کو ادھر آتے دیکھ کر کہا۔

''ہیلو۔'' پیلے دوپٹوں سے بھرا گروپ ان سے کہہ رہا تھا، اتنا سارا پیلا رنگ دیکھ کر فوزیہ کو خلجان ہونے لگا تھا۔

''ویسے یار! تم لوگوں کو کوئی اور رنگ پسند نہیں آیا تھا یہ ''پیلا'' رنگ آخر کس کی چوائس تھا؟'' فوزیہ نے ''پیلے'' کو چبا کر کہا۔

''میڈم ثمن کی۔'' ایک نے پرنسپل کا نام لے کر کہا۔

''اوہ! اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔'' دوسری نے بتایا۔

''آپ کو یلو کلر پسند نہیں ہے؟'' فوزیہ کی ہی قبیل کی ایک لڑکی بلکہ اس سے کہیں زیادہ صحت مند اس سے پوچھ رہی تھی۔

''ارے نہیں بھئی، یلو اور اورنج تو فوزیہ کے فیورٹ کلرز ہیں تم لوگ یوں کرنا نیکسٹ ائیر اورنج کلر لے لینا۔'' ایمی نے صبح کا بدلہ نکال لیا تھا، فوزیہ نے کھا جانے والی نظر سے اسے گھور کر ایک دھموکہ جڑا تھا جواباً وہ آہ کر کے رہ گئی، وہ سب ہنس دی تھیں۔

''ویسے آپ نے نوٹس بورڈ دیکھا؟ کالج میں ''نعت کمپٹیشن'' ہو رہا ہے۔'' ایک لڑکی نے بتایا۔

''اوہ اچھا، ویری گڈ۔'' فوزیہ نے کہا۔

''آپ میں سے کوئی حصہ لے گا؟''

''پتا نہیں دیکھو۔'' ایمی نے شانے اچکائے۔

کچھ دیر بعد وہ کھا پی کر اٹھ گئیں، عطرت نے ٹائم دیکھا، مس عظمٰی کی کلاس سٹارٹ ہو چکی تھی، اس نے سب کو متوجہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جلدی چلو، کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی، باقی سب نے بھی اس کی تقلید کی جبکہ فوزیہ کیفے ٹیریا کی سمت بڑھ گئی، ایمی نے اس کا بازو کھینچا۔

''اب کدھر جا رہی ہو؟ چلو اوپر۔''

''اوہ فو، ایمی! رکو تو، مجھے ٹافیاں لینے دو۔'' فوزیہ نے والٹ سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔

''توبہ فوزیہ! اور کتنا ٹھونسو گی؟'' مقدس نے مذاق اڑایا۔

''مروتم، میں جا رہی ہوں۔'' ایمی نے کہا اور سیڑھیاں چڑھ گئی، کالج بنیادی طور پر تین فلورز میں منقسم تھا۔

فرسٹ فلور پر لیبز کیمسٹری، بائیو، فزکس اور کمپیوٹر لیب میں شامل تھی، لائبریری، آفسز اور کیفے ٹیریا تھا، سیکنڈ فلور پر فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر جن میں ایف اے آئی سی ایس اور آئی کام شامل تھے کی کلاسز تھیں اور اسٹاف روم تھا جبکہ تھرڈ فلور پر بی اے، بی کام اور ماسٹرز کے کلاس رومز تھے۔

وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی تھرڈ فلور کی طرف جا رہی تھی، عقب سے اسے فوزیہ کی آواز بھی آ رہی تھی جو مسلسل اسے رکنے کا کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

''جی ماسٹرز!'' مس عظمیٰ نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے ان سب کو مخاطب کیا۔

وہ سب جی جان اسے متوجہ ہو گئیں، ان کا نرم لہجہ اور سریلی آواز دل میں ویسے ہی ٹھنڈک سی ڈال دیتی تھی اور وہ سب تو ویسے ہی ان پر عاشق تھیں۔

''جی کون کون شامل ہو رہا ہے نعت، کمپیٹیشن میں؟'' ان کے پیارے لہجے نے سب کے رنگ اڑا دیئے، سب نے پھٹی آنکھوں سے کھلے منہ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہم..... ہم..... نہیں ہم نہیں۔'' دبی دبی ہلکا ہٹیں گونجی تھیں۔

''جی نہیں، آپ ہی۔'' انہوں نے زور دیا۔

''ٹھیک ہے میم، میں اور ایمان حصہ لیں گے۔'' یکدم ہی عطرت نے کہا، ایمی نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ویری گڈ، یہ ہوئی نہ بات۔'' انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

''آپ اپنے نام لکھوا آیئے گا نیچے سٹاف روم میں، بزم ادب سوسائٹی کے ممبرز ہوں گے وہاں۔'' انہوں نے مزید بتایا، ایمی کو سر ہلانا پڑا تھا، عطرت سے بعد میں نمٹنے کا سوچا تھا۔

''لایئے بکس نکالیے۔''

وہ سب PNP کی بکس کھولنے لگیں، ایمی کا موڈ مزید خراب ہو رہا تھا اسے یہ ناول سخت ناپسند تھا، جین آسٹن نامی اس ناول نگار کو اس نے پہلی بار میں ہی فیل قرار دے دیا تھا، یہ ناول تھا؟ جس میں سوائے شادیوں کے دوسری کوئی بات ہی نہ تھی، اس سے اچھے تو اس کے اپنے ناولز تھے جس کا اظہار وہ بارہا سب کے سامنے کر چکی تھی فوزیہ تو مذاق میں کتنی بار اس سے کہہ چکی تھی کہ اس کے ناولز ہی شامل ہونے چاہیے تھے ایم اے کے سلیبس میں۔

جبکہ مس عظمیٰ بھی کسی حد تک اس سے متفق تھیں وہ اردو لٹریچر کی دلدادہ تھیں بلکہ ان کا تو کہنا تھا کہ:

''وہ فیض کے ایک شعر سے سارا انگلش لٹریچر وار کے پھینک دیں۔'' اب بھی ناول کی کلاس ختم ہوئی تو وہ سب اکٹھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

''ایمی! تم نعت پڑھ لو گی؟'' عائشہ نے پوچھا۔

''ہاں یار! ایک دو آتی ہیں مجھے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا بات ہے ایمی! اتنی سنجیدہ سی کیوں ہو؟'' عطرت نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''مجھے پھنسا کر تمہیں تو خوش ہونا ہی چاہیے۔'' اس نے طنز کیا۔

''ارے نہیں بھی، وہ خود بھی تو حصہ لے رہی ہے۔'' مقدس نے اس کی فیور کی تھی۔

''ہاں، یہ تو ہے مگر میں کچھ اور سوچ رہی تھی، عائشہ پلیز! پانی تو پلا دو یار۔'' ایمی کے کہنے پہ عائشہ فوراً فوزیہ سے کلاس لے کر چلی گئی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' فوزیہ نے کریدا تھا۔

''یار پرسوں کی بھائی کی فلائٹ ہے۔'' اس نے دھماکہ کیا تھا، اس کی بڑی بہن ایمن کی سال بھر پہلے ہی شادی ہوئی تھی اور اس کے شوہر امریکہ سے آ رہے تھے اس بار ان کا ارادہ ایمن کو بھی ساتھ لے جانے کا تھا، گھر میں تیاریاں زوروں پہ تھیں، ایمن تتلی کی مانند اڑی پھرتی تھی، اس کے گالوں کی سرخیاں اور کھنکھناتی ہنسی جیسے سارے راز عیاں کر رہی تھی، اب بھی ایمی کے تصور میں اس کا چہرہ آیا تو لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ! علی بھائی آ رہے ہیں؟'' عطرت نے بے یقینی سے کہا، ایمی نے سر ہلایا، عطرت نے ایمن اور علی کی شادی اٹینڈ کی ہوئی تھی۔

''ماشا اللہ، ایمن کیسی ہے؟ خوش ہو گی بہت؟ تیاری کیسی جا رہی ہے؟'' عطرت نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

''ہاں، خوش ہے بہت، تیاری بھی فٹ جا رہی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

''یہ زیادتی ہے ایمی، تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' فوزیہ نے منہ پھلایا۔

''اب تو بتا دیا ہے، مجھے یہ بتاؤ ''Bee Meeting'' کی اسائنمنٹ پر کون کون کام کر رہا ہے؟'' اس نے کہا۔

عطرت اور فوزیہ کے سوا باقی سب معمول کے مطابق سپاٹ چہروں سے اسے دیکھتی رہیں، اس نے طویل سانس لیا۔

''مجھے یہی امید تھی، ویسے میں تو خود نہیں کر رہی۔'' وہ خود ہی ہنسی۔

''نہیں یار مجھے تو سر کی نرمی سے بھی ڈر لگتا ہے اب وہ ہمارے ساتھ سر اقبال کی جیسی سختی نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم ان کی نرمی اور شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔'' فوزیہ کے فکرمندانہ انداز اور سنجیدہ ٹون سے اس کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا۔

''او میرے شیرو بٹ! اتنا کانشس ہونا بھی ٹھیک نہیں۔'' اس کے منہ سے اپنے خالصتاً ذاتی نک نیم کو سن کر فوزیہ کو کرنٹ لگا تھا۔

''یہ ''شیرو'' کون ہے؟'' سب چلا پڑیں تھیں، جواباً ایمی نے فخریہ انداز میں اپنا کارنامہ سنایا کہ یہ اس کا ''کمال'' تھا کہ اس نے فوزیہ کا یہ راز ڈھونڈ لیا تھا۔

''ایمی! بتاؤ تمہیں کیسے پتا چلا؟'' فوزیہ نے بچوں کی طرح پیر زمین پہ مارے۔

''تم معلوم کر کے دکھاؤ؟'' ایمی نے چیلنجنگ انداز میں کہا۔

''ایمی..... ایمی..... مجھے بتا دو..... ورنہ۔'' فوزیہ نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے دھمکانا چاہا مگر شاید کوئی مناسب سی دھمکی نہیں سوجھی تھی۔

''ورنہ کیا کرو گی؟'' ایمی نے اسے مزید اشتعال دلایا۔

''میں تمہارے اوپر بیٹھ جاؤں گی اور میرا گارنٹی ہے کہ جتنا میرا ویٹ ہے، تم دوسرا سانس بھی نہیں لے سکو گی۔'' فوزیہ نے بالکل شیطانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا، ایمی نے صدمے سے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ارے مجھے سنبھالو، یہ کون ہے؟ میر جعفر، میری جان کی گاہک، ارے کوئی تو مجھے پکڑو۔'' وہ عطرت کے اوپر ڈھے گئی۔

''جیو نیوز ہیڈ لائن فار ٹو مارو، نو آموز رائٹر کا قتل۔'' مقدس کے ڈرامائی انداز نے سب کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

حسب معمول اگلا دن نمودار ہوا، آج جمعہ تھا، کلاسز کا ٹائم شارٹ تھا مگر اس کے باوجود بھی سر اقبال کا دو کلاسز ایک گھنٹے پر مشتمل تھیں اور مزید ستم یہ کہ آج وہ ایک گھنٹہ میں صرف بیکن پڑھا رہے تھے، ان سب کی حالت غیر ہو رہی تھی، ایمی نے عطرت کو دیکھا جو حسب معمول سر کتاب میں گھسیڑے گہری سوچ میں غرق تھی، پھر اس نے فوزیہ کا جائزہ لیا، وہ بس گرنے کو ہی تھی، نیند سے بے حال، اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے، ایمی کو ہنسی آنے لگی، وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کی دلی کیفیت اس وقت کیا رہی ہو گی، اس نے سر کی طرف دوبارہ دھیان لگا دیا، وہ بیکن کا friendship مضمون پڑھا رہے تھے، وہ کچھ دیر تو ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر ضبط کرتی رہی پھر آخر کار بول پڑی یا شاید اس سے سر کی ''لاعلمی'' برداشت نہیں ہو رہی تھی جبھی پھٹ پڑی۔

''سر! ان فیکٹ ''جولیس سیزر ایک کنگ تھا اور قلوپطرہ اس کی وائف تھی، جبکہ بروٹس، سیزر کا بہت عزیز اور گہرا دوست تھا، جب سیزر کے خلاف سازش کی گئی تو بروٹس کو سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے سیزر کے دشمنوں نے سب سے پہلے بروٹس کی برین واشنگ کی اور اتنے اچھے طریقے سے کی کہ وہ جولیس سیزر پر خنجر سے حملہ آور ہونے والوں میں سب سے پہلا شخص تھا، اسے دیکھ کر ہی جولیس سیزر نے وہ تاریخی جملہ بولا تھا۔''

''یوٹو بروٹس۔''

''یعنی بروٹس تم بھی اور یہی سیزر ہے جس کے بارے میں وہ محاورہ مشہور ہے۔''

''He come,he saw, he conquer۔''

(وہ آیا، اس نے دیکھا، اس نے فتح کر لیا)، مگر اس بے چارے کی عظیم فتوحات اور احسن اقدامات بھی اس کو دوست نما دشمنوں کے چنگل سے بچا نہ سکے، سر! ریزن یہ تھی کہ قلوپطرہ بھی اس سازش میں شامل تھی جبھی تو وہ سب ممکن ہو سکا جس کا عام حالات میں تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔'' اس کا ہموار لہجہ پر اعتماد چہرہ اور پر سکون انداز، سر کی شکل دیکھنے والی تھی۔

''انفارمیشن کے لئے تھینکس، آپ سب اسے نوٹ کر لیجئے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے کتابیں سمیٹ دیں، ٹائم بھی تو پورا ہو چکا تھا، ادھر سر باہر نکلے، ادھر فوزیہ کا چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ گونجا۔

''واہ...... ایمی! میری جان...... واہ...... قسم سے آج تو دل خوش کر دیا تو نے۔'' فوزیہ نے اس کی طرف فلائنگ کس اچھالی، جواباً ایمی مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''سچ ایمی! آج تو پورا ایف سکس ٹین لگ رہیں تھیں۔'' مقدس نے اسے میزائل سے ہی تشبیہ دے دی، ایمی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''بڑے دنوں سے میں برداشت کر رہی تھی یار! ناؤ اٹس انف۔'' اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''دیٹس دا اسپرٹ۔'' فوزیہ نے اس کا شانہ تھپکا۔

''کمپٹیشن کی تیاری کیسی ہے؟'' اس نے عطرت کو دیکھا۔

''بس ٹھیک ہے۔''

''کل رات دو بجے کی فلائٹ ہے بھائی کی۔'' ایمی نے بتایا۔

''واؤ، ایمن جائے گی؟'' وردہ نے پوچھا۔

''نہیں یار! اسے وومیٹنگ ہونے لگتی ہے سفر میں اور کچھ رات کا سفر بھی ہے، بس ابو اور انکل جائیں گے لینے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، چلو کچھ کھانے کا موڈ ہے۔'' فوزیہ نے حسب توقع کہتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

جا میں ہواؤں میں بٹھا کے لے چلوں
ہی تو میری دوست ہے
آواز کا دریا ہوں بہتی ہوں میں
کی راتوں ، میں جاگتی رہتی ہوں
نیند بھری جھیل سی آنکھوں میں

بڑا خوبصورت ردھم، سر اور اتار چڑھاؤ تھا آواز میں، فوزیہ کے قدم دروازے میں ہی جامد ہو گئے وہ جھٹکے سے مڑی، ڈائس پہ دونوں کہنیاں ٹکائے، زیر لب گنگناتی وہ ام ایمان ہی تھی۔

''یہ تم ہو ایمی؟'' وہ بے یقینی سے بڑبڑائی اور اس کی طرف مڑ آئی۔

رات میں چاندنی کبھی ایسے گنگناتی ہے
جن ذرا لگتا ہے تم سے آواز ملاتی ہے

فوزیہ نے یکلخت اسے بازوؤں میں اٹھا کر گھما ڈالا، وہ کھلکھلا کر ہنستی رہی۔

''چھپی رستم...... جھوٹی...... سچ بتاؤ اور کتنے ٹیلنٹ ہیں تمہارے اندر؟'' فوزیہ نیچے اتارتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کچھ نہیں یار! بننا تھا میں نے سنگر، بن گئی ہوں لیکچرار یہ ہے لک۔'' اس نے غم زدہ انداز میں کہا۔

''دفع کرو سنگر بن کے کیا کرنا ہے تمہیں؟ ابھی ہو لال کو دیکھا ہے ناتم نے کتنی ''عزت'' ہے اس کی؟'' فوزیہ نے ''عزت'' پہ زور دیتے ہوئے مذاق اڑایا، سب کا قہقہہ گونجا، جبکہ ایمی اسے گھورنے لگی۔

''تمہیں لگتا ہے میں اس جیسی سنگر ہوں؟'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تھی، فوزیہ گڑبڑا سی گئی۔

''نن...... نہیں میرا مطلب ہے کہ......'' ایمی نے قہقہہ لگایا اور فوزیہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

''کوئی دیکھے شیر و بٹ کو کنفیوز......'' وہ پھر ہنسنے لگی، فوزیہ دونوں ہاتھ پھیلائے خطرناک تیوروں کے ساتھ اس کی طرف بڑھی تھی، ایمی نے جیسے خطرہ محسوس کرتے ہوئے باہر کی سمت دوڑ لگا دی، فوزیہ کی اسپیڈ کا مقابلہ تو ممکن ہی نہ تھا اس نے ایمی کو سیکنڈ فلور کی سیڑھیوں میں چھاپ لیا، وہ مسلسل ہنس رہی تھی جبکہ فوزیہ نے صحیح معنوں میں اس کی گردن ناپی تھی۔

''ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟'' اس نے خطرناک انداز میں کہتے ہوئے دونوں ہاتھ ایمی کی گردن پہ رکھ دیئے۔

''میں یہ کہہ رہی تھی۔'' وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے نڈھال ہو رہی تھی۔

''کہ...... اگر۔'' یکلخت اس کی نظر فوزیہ کے پیچھے پڑی، اس کی ہنسی یوں بند ہوئی جیسے چابی سے چلنے والی گڑیا کو یکلخت چابی گھما کر بند کر دیا گیا ہو، پیچھے سے ہلکی سی کھنکھنار کی آواز آئی۔

''فوزیہ! پیچھے دیکھو۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے ام ایمان احمد! تم مجھے کنفیوز کر لو گی؟'' فوزیہ نے بڑھک ماری، ایمی کی گھگھی بندھ گئی۔

''بس کرو فوزیہ، پلیز ایک بار۔'' اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''ماسٹرز! راستہ ملے گا۔'' وہ بھاری مردانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز سر رضا کی تھی، فوزیہ کے سر پہ آسمان ٹوٹا تھا، اس کے ہاتھ ایمی کی گردن سے پیچھے ہٹے اور اس کے پہلوؤں میں گر گئے، اس نے بجلی کی سی تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔

"السلام وعلیکم سر!" اس نے بوکھلاہٹ میں سلام جھاڑا، جواباً انہوں نے صرف سر ہلنے پہ اکتفا کیا اور آگے بڑھ گئے، پھر رکے۔

"اور بہتر ہو گا کہ آپ یہ دہشت گردانہ کاروائیاں اپنی کلاس میں انجام دیا کریں۔" دو ٹوک اور کسی حد تک تحکمانہ لہجہ تھا۔

دونوں نے فوراً ہاں میں سر ہلایا تھا، وہ آگے بڑھ گئے، وہ ساکت و سامت کھڑی تھیں جب سیڑھیوں کے اوپر سے زور دار ہلے کے ساتھ بلند قہقہوں کی کھنک لئے وہ سب نیچے کی طرف آئیں تھیں، فوزیہ نے سرخ چہرے کے ساتھ ایمی کو دیکھا اور دونوں کی آنکھوں نے ایک دوسرے کو سگنل دیا تھا۔

"بھاگو۔"

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے نیچے کی طرف بھاگ گئیں، بلند قہقہے لگاتا اور شور مچاتا باقی سارا ٹولہ بھی ان کے پیچھے تھا، جو بھی انہیں دیکھ رہا تھا مسکرا کر سر ہلا رہا تھا، آخر ماسٹرز سے ایسے بچگانہ رویے کی توقع کوئی بھی نہیں کرتا تھا، اس وقت کیفے ٹیریا کی ٹیبل پہ بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"یار! کیا پرسنالٹی ہے سر رضا کی؟" یہ عطرت کی سرگوشی تھی، کسی قدر فخر اور ستائش لئے ہوئے۔

"ہاں "کیا" پرسنالٹی ہے؟" ایمی نے "کیا" پہ زور دیا۔

"واقعی کیا پرسنالٹی ہے۔" مقدس نے تائید کی۔

"وہی تو کہہ رہی ہوں "کیا" پرسنالٹی ہے سر رضا کی؟" ایمی کی کیا پہ عطرت نے چونک اسے دیکھا اور پھر اس کی شرارت سمجھتے ہو اسے ایک دھپ رسید کی۔

"کیا غضب کی ہائٹ ہے یار۔" تو صی بھرا انداز لئے یہ عائشہ تھی۔

"حالانکہ Wishkers ہیں مگر گریس فل اور سوبر ہیں۔" فوزیہ نے بھی پیچھے رہنا مناسب خیال نہ کیا، ایمی نے طو سانس لے کر سب کو دیکھا۔

"لگتا ہے پورا ماسٹرز سر پہ مر گیا ہے مائنڈ اٹ فرینڈز، وہ لیکچرر ہیں۔" اس کا خبردار کرنے والا تھا۔

"اوئے ایمی! ہماری شرافت پہ شک مقدس نے اسے للکارا، وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"جہاں تک مجھے علم ہے سر میریڈ ہیں۔" وردہ تھی، سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھ پھر یوں طویل سانس لیا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔

"چھن سے جو ٹوٹے کوئی سپنا۔" ایمی کی دردناک آواز نے سب کو مزید مشتعل کیا تھ سب نے اسے گھورا۔

"ویسے وردہ! تم کبھی کوئی اچھی بات بھی کر لیا کرو۔" عطرت نے جل کر کہا۔

"لو، میں نے تو سچ کہا ہے۔" وہ بھی ہنسی۔

"ایک آپس کی بات بتاؤں؟" ایمی آگے کو جھکی، سب اس کی نزدیک ہو کر جھک گئیں۔

"کیا؟" تجسس چہروں سے پھوٹ ر تھا۔

"سر مجھے بھی بہت اچھے لگتے ہیں، کیا ہائٹ ہے، کیا گریس ہے کیا......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چیئر دھکیل کر اٹھی اور سیڑھیوں کی سمت بھاگی، وہ ان سب کے خوفناک تیور دیکھ چکی تھی اب وہ آگے آگے تھی اور باقی سب اس کے پیچھے پیچھے۔

☆☆☆

"کیا کر رہی ہو ایمی؟" یہ رابی تھی جو ابھی ابھی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تھی، وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"کچھ نہیں، یہ اسائمنٹ دیکھ رہی تھی، تم سناؤ اوپر سب تیاری ہو گئی؟" اس نے بکھرے ہوئے نوٹس اور کتابیں سمیٹ کر کہا۔

"ہاں، تقریباً، سب سیٹ ہو گیا، تم سناؤ کالج میں کیا رہا؟" وہ اس سے کالج کی بابت پوچھنے لگی، ایمی کے لبوں پہ گہری مسکراہٹ آ گئی، وہ اسے آج کی تفصیلات بتانے لگی۔

"یار! فوزیہ بہت حیران کن اور دلچسپ شخصیت ہے اور جتنی وہ خود مزے دار ہے اس سے زیادہ اس کی فیملی کے رولز، پتا ہے ان سب کے پاس گھر کی ڈپلیکیٹ چابی ہے اور جو بھی باہر جاتا ہے خود سے ڈور کھول کر واپس آتا ہے اور اس کے بابا قدرے سخت مزاج ہیں مگر میں اسے سمجھاتی رہتی ہوں، ممی پاپا ہونا کتنا لکی ہوتا ہے نا رابی! سب کے پاپا کچھ نہ کچھ حد تک تو سخت ہوتے ہیں وہ بھی اس حقیقت کو سمجھتی ہے مگر پھر بھی کبھی کبھار ہائپر ہو جاتی ہے، وہ ایمن کی شادی کا البم کدھر ہے؟ صبح مجھے نکال کر دینا، سب نے دیکھنی ہیں کب سے کہہ رہی ہیں، مجھے یاد ہی نہیں رہتا۔" اس نے تفصیل سے کہا، رابی سر ہلاتے ہوئے اس کے قریب دراز ہو گئی۔

"کافی بناؤں تمہارے لئے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔" ایمی خوشی سے بولی۔

"اور سناؤ تمہارے سر اقبال کا کیا حال ہے؟" رابی نے پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھو، حال کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے یار! He does not know any thing about teaching مجھے تو فکر کھائے جائے جاتی ہے کہ ہمارے جو دو سبجیکٹس ان کے ہتھے چڑھ گئے ہیں ان کا کیا ہو گا؟" وہ پریشان نظر آنے لگی۔

"تو تم لوگ کمپلین کیوں نہیں کرتے؟" اس نے ایمی کو نئی راہ سجھائی۔

"دیٹس دا آئیڈیا۔" وہ اچھل پڑی۔

"یہی کرو یار! ورنہ تم لوگ مروت میں مارے جاؤ گے، معاملہ انتہائی اہم ہے ایمی! ایسا نہ ہو تمہاری آج کی لاپرواہی کل کا پچھتاوا بن جائے۔" رابی نے مزید سمجھایا۔

ایمی سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتی رہی، رات میں کھانے کی تیاری بہت اسپیشل کرنے کا پلان تھا مگر بھائی کی فرمائش تھی کہ صرف دال چاول اور اچار گوشت بنا لیا جائے تو بہت ہے، صبح کی فلائٹ سے وہ آ رہے تھے، ائیر پورٹ جانے کے لئے انکل اور بابا تیار ہو رہے تھے، جب اس نے مذاقاً ایمن سے کہہ دیا کہ اسے بھی جانا چاہیے آخر بھائی پہلی دفعہ آ رہے ہیں سدا کی جذباتی ایمن جھٹ پٹ تیار ہونے چل دی، جب تک بابا تیار ہوئے ایمن بھی سرمئی اور آتشی گلابی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر پہنے گرم شال اوڑھے تیار تھی، وہ پہلے تو حیران ہوئے پھر ہنس دیئے، چونکہ بھائی کی فلائٹ لاہور ائیر پورٹ پر لینڈ کر رہی تھی، جبھی انہیں گوجرانوالہ سے لاہور جانا تھا، رات کا سفر تھا، احتیاطاً ایمن نے کچھ بھی کھانے سے گریز کیا تھا کہ کہیں اسے وومیٹنگ نہ شروع ہو جائے، انکل سدا کے کانشس انہوں نے ساتھ میڈیسن بھی لے لی تھیں، دعاؤں کے جلو میں قافلہ روانہ ہو گیا، رابی کچن میں مصروف ہو گئی، باقی سب سونے کی تیاری میں اور ایمی تنہا اپنی سوچوں کے ساتھ رہ گئی، عام حالات میں وہ دس بجے تک سو جایا کرتی تھی، بہت ضروری کام بھی کرنا ہوتا تو بمشکل گیارہ بجے تک جاگتی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد اسے سونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا مگر آج خوشی جوجوش اور فکر کی ملی جلی کیفیت نے اس کی نیندیں اڑا دیں تھیں، اسے جاگتے ہوئے ایک بج چکا تھا، اس نے لحاف میں پیر سمیٹے اور لحاف سر تک کھینچ لیا، اسے شروع سے ہی سر تک لحاف اوڑھ کر سونے کی عادت تھی، اسے آنکھ بند کیے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ فون کی رنگ ٹیون بج اٹھی، تکیے کے پاس دھرے فون نے اسے پٹ سے آنکھیں کھولنے پہ مجبور کر دیا، اس نے تیزی سے سیل کی چمکتی اسکرین دیکھی، ایمن کا نام بلنک کر رہا تھا، وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں بولو ایمن! کدھر ہو؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''ایمان! فلائٹ لینڈ کر گئی ہے، باہر آنے میں کچھ وقت لگے گا، تم لوگوں نے کھانے کا کیا کیا؟'' ایمن نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

''ڈونٹ وری ایمن! کھانا تیار ہے، رابی نے سب ریڈی کر لیا ہے۔'' اس نے تسلی دی۔

''ٹھیک ہے، آنے سے پہلے فون کر دوں گی۔'' ایمن نے کہتے ہوئے لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔

ایمی چند لمحے بیٹھی رہی پھر دوبارہ سے لیٹ گئی، کچھ دیر بعد وہ پھر سے نیند میں جا چکی تھی، دوبارہ اس کی آنکھ پھر فون کے بجنے سے ہی کھلی تھی اس نے ٹائم دیکھا، چار بج رہے تھے، اس نے فون اٹھایا تو پھر سے ایمن ہی بولی تھی۔

''ایمان! تم لوگ سب ریڈی کرو، ہم سب ایک گھنٹے تک پہنچ رہے ہیں۔'' اس نے کہہ کر ٹھک سے فون رکھا، مگر ایمی اس کے لہجے کی کھنک سے اس کی بے پایاں خوشی کا اندازہ کر لیا تھا۔

اس نے رابی کو جگا دیا، پانچ بجے کے قریب باہر جب گاڑی کا ہارن بجا تو ایمی جیسے اڑتی ہوئی دروازے تک پہنچی تھی اسے حیرت تھی وہ لوگ صرف ایک گھنٹے میں لاہور ایئر پورٹ سے گوجرانوالہ کے اندرون میں اتنی جلدی کیسے گئے؟ پھر اس نے سوچا کہ رات کے اس وقت یقینی طور پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہو گی دروازہ کھولتے ہوئے اس کا خوشی سے برا حال تھا، سب لوگ اندر آ گئے، ایمن سب سے آگے تھی ساتھ ہی بھائی اور پیچھے بابا، انکل شاید کار کے ڈرائیور کے ساتھ کچھ حساب کتاب کر رہے تھے، اپنی کار تو تھی نہیں جبھی کار رینٹ پہ لی گئی تھی۔

وہ سب سے مل کر تسلی سے بیٹھے تو رابی نے فوراً کھانا لگا دیا، بھائی کو کھانا بے حد پسند آیا تھا ایمی تو جلد ہی اٹھ گئی، بھائی اتنی لمبی فلائٹ سے آتے تھے، کہاں کیلیفورنیا سے سان فرانسسکو اور پھر وہاں سے دوبئی اور دوبئی سے آخر کار لاہور اور پھر گوجرانوالہ اندازاً بھی چھبیس سے ستائیس گھنٹوں کی فلائٹ بنتی تھی۔

ایمی کو خود بھی تھکن ہو رہی تھی ساری رات سوتی جاگتی کیفیت میں گزری تھی وہ اٹھی تو سیدھا نیچے آ گئی، اپنے بیڈ پہ گرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں اور لحاف سر تک اوڑھ لیا، دوبارہ آنکھ کھلی تو ساڑھے چھ ہو رہے تھے، اس نے خود کو پہلے سے قدرے بہتر محسوس کیا اور اٹھ کر وضو کرنے چلی گئی، جس وقت وہ تیار ہو کر گھر سے نکلی، آدھا گھر سو رہا تھا اور جو جاگ رہے تھے وہ اس قدر مصروف تھے کہ کسی کو اس کا ہوش نہ تھا، اس نے چائے پی اور ناشتہ بیگ میں ٹھونس کر تیزی سے چادر اوڑھتی باہر آ گئی جہاں حسب معمول رکشہ والا کی گھنٹی شروع ہو چکی تھی، اسی بھاگ دوڑ میں وہ ایمن کی شادی کا البم بھول چکی تھی جس کی وجہ سے آج لازماً اس کی کلاس لگنا تھی، مگر یہ سارے تو صرف اس کے خیالات تھے، وہاں کیا درپیش آنے والا تھا وہ اس سے بے خبر تھی۔

☆☆☆

مقدس غیر حاضر تھی، اسے کل سے بخار تھا، سب ہی پریشان تھیں، وہ سب ایمی سے بھائی کی آمد کا احوال جاننے کو بے تاب تھیں، ایمی انہیں تفصیل سے سب کچھ بتاتی گئی، کیسے اس نے ایمن کو اموشنل بلیک میل کیا اور ساتھ جانے پہ آمادہ کیا۔

''پتا ہے کیا ہوا؟ ایمن جاتی دفعہ خوب ''ویٹنگ'' کرتی گئی، انکل اور بابا جان کو مصیبت ڈالے رکھی اور واپسی پہ محترمہ کو پتا ہی نہیں کہ یہ ''ویٹنگ'' آخر کس بلا کا نام ہے، انکل تو صاف کہہ رہے تھے کہ بھئی ایمن! یہ تو زیادتی ہے نا جاتی دفعہ تم نے ہمیں ''وخت'' ڈالے رکھا اور اپنے میاں کو دیکھتے ہی سب کچھ غائب۔'' وہ مزے لے لے کر بتا رہی تھی۔

''چلو یار! اللہ پاک انہیں خوش رکھے اور آسانیاں عطا فرمائے۔'' عطرت نے کہا۔

''آمین۔'' سب نے کہا۔

''میں نے ایمن سے کہا کہ بھائی سے کیسے ملی؟ آگے سے آنکھیں نکالنے لگی، کہتی کیسے ملنا تھا؟ ہاتھ ملایا اور کیا......'' اس کی ادھوری بات کو سب نے ہی انجوائے کیا تھا۔

دن اور راتیں ایسی ہی خوشگوار ہو گئیں تھیں انہیں ایک دوسرے کی سنگت بہت اچھے سے راس آئی تھی، ایسا نہیں تھا کہ وہ سب پریشانیوں سے آزاد تھیں، زندگی تھی تو پریشانیاں بھی ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھیں، فوزیہ بھی کبھار اکتا جاتی اپنے ابو سے جو کہ بقول اس کے ''ہٹلر'' تھے اسے روز ایک گھنٹہ اپنے ابو کے ساتھ گزارنا ہوتا تھا جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ الجھن کا شکار رہتی، ایک گھنٹہ خاموش رہنا اس جیسوں کے لئے سزا ہی تو تھی، کیونکہ کچھ بولنے کی جرأت وہ کم از کم اپنے بابا کے سامنے تو کر نہیں سکتی تھی۔

مقدس بیمار تھی اور اس کا بخار کبھی شدت اختیار کرتا جاتا اور کبھی کم ہو جاتا، اسے لے کر وہ سب اور ٹیچرز بھی خاصی پریشان تھیں، ایمی تو گھر میں بھی اسی کے لئے سب کو اجتماعی دعا کرنے کا کہتی، عائشہ بھی کافی پریشان تھی اس کی بہن فاطمہ بو کان کا مسئلہ تھا اور یہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، اس کے امی ابو دن رات اسے لے کر ڈاکٹروں کے ہاں چکر لگاتے رہتے۔

عطرت کے بھائی کی شادی تھی اور ڈیٹ تھی کہ فکس ہو کے نہ دے رہی تھی، البتہ وردہ ہمیشہ کی طرح ''مست است'' دنیا سے بے خبر اور ان سے قدرے لاتعلق۔

باقی بچی ایمان! تو ان سب کے مطابق وہ اس کلاس کی واحد ہستی تھی جسے بقول ان کے کوئی ٹینشن نہ تھی بلکہ وہ ایک طرح سے سب سے زیادہ خوش و خرم اور بے فکری تھی۔

نعت کمپیٹیشن آیا تو اسٹیج پہ آئی کام اور بی اے کا قبضہ تھا، سر سلمان عظیم نے ڈائس پہ آ کر ماسٹرز کے وہ لتے لئے کہ وہ بے چاری ہکا بکا رہ گئیں، انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

''ہمارا ایم اے فوت ہو گیا ہے ہم ان کی تعزیت کرنے آئیں گے۔'' حالانکہ اس جم غفیر میں کہیں دو بے چاری سی ماسٹرز کی طالبات عطرت اور ام ایمان بھی شامل تھیں مگر وہ کسی گنتی میں ہی نہ گنی گئیں، سب سے زیادہ مزہ تو تب آیا جب ایمی کی نعت میں تھرڈ پوزیشن آئی، فوزیہ نے تو چیخ چیخ کر آسمان سر پہ اٹھا لیا، وہ اپنی اعزازی شیلڈ لے کر آئی تو فوزیہ نے اسے بانہوں میں جکڑ کر اچھا خاصا گھما ڈالا تھا۔

☆☆☆

تم ہوئے مہرباں تو ہے یہ داستاں
اب تمہارا میرا ایک ہے کارواں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم جہاں میں وہاں ....

امی کی سریلی آواز نے سب کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا جب دروازہ ہلکے سے ناک کر کے میم عظمٰی نے انٹری دی۔

سب اچھل پڑیں، امی نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دابا اور عطرت کو دیکھا جو ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ ہوئی جا رہی تھی، بڑے خوشگوار موڈ میں شروع ہونے والی کلاس کا اختتام خاصے دل دہلا دینے والے نوٹ پہ ہوا تھا۔

''ماسٹرز کا فرسٹ سمسٹر سٹارٹ ہو رہا تھا۔''

ان سب کے تو ہوش آڑ گئے تھے، دو مہینے کا پڑھا شدہ دماغ کے کونے کھدروں سے نکالا جانے لگا، کسی کو نوٹس یاد آنے لگے تو کسی کو اپنی اسائمنٹس میں خامیاں نظر آنے لگیں، غرض ہلہ گلہ میں مصروف خوش وخرم ماسٹرز کو صحیح معنوں میں اپنی پڑ گئی تھی اور تب انہیں احساس ہوا کہ انہیں سر اقبال کے سبجیکٹس بالکل نہیں آتے تھے، جیسے تیسے کر کے ایگزامز سے نمٹا گیا اور رزلٹ آنے میں کون سی دیر لگنا تھی اور آخر کار چھ لڑکیوں کا رزلٹ بناتے ٹائم کتنا لگ سکتا تھا؟

خیر رزلٹ آؤٹ ہوا اور کلاس کی سب سے غائب دماغ، لاتعلق اور ہر لیکچر کے بعد یہ پوچھنے والی کہ ''زلیخا مرد تھا یا عورت؟'' اور سب ٹیچرز کے مطابق لاپرواہ سی وردہ، فرسٹ پوزیشن پر تھی جی ہاں وہی وردہ فضل محمود جو سارا The crucible ڈراما پڑھنے کے بعد بڑی معصومیت سے یہ سوال کر بیٹھی تھی کہ Abigail (ڈراما کی ولن) کون تھی؟ اور تب امی اس کی غائب دماغی پر چیخ اٹھی تھی وہی وردہ آج سب سے آگے تھی اور ام ایمان کلاس کی موسٹ جینئس و فیورٹ اور کونفیڈنٹ اسٹوڈنٹ جس سے ٹیچرز امیدوں کے انبار لگائے بیٹھے تھے سر اقبال کے ایک سبجیکٹ میں فیل تھی۔

☆☆☆

سر اقبال سے ان کے تعلقات میں کسی ... کی بہتری نہ آئی، ان کی کیمسٹری نہ سر سے میچ ... تھی نہ ہوئی، دن گزرتے جا رہے تھے، عجیب سے گھٹے گھٹے اور بے زار دن، موسم بھی بہ... بدل گیا تھا، تھرڈ فلور چونکہ سارا کورڈ تھا جس... دھوپ کی کوئی کرن تک نظر نہ آتی تھی۔

ایسی ہی ایک گلابی جاڑوں کی صبح وہ سب... تھرڈ فلور کی سیڑھیوں پر براجمان تھیں، سیڑھیاں تھرڈ فلور کو چھت سے ملاتی تھیں، چھت کا دروازہ عموماً بند رہتا تھا اور طالبات کو او... جانے کی اجازت نہ تھی، مگر وہ چھت کا دروا... کھول کر سیڑھیوں پر بیٹھی دھوپ کے مزے ... رہی تھیں۔

سب سے اوپر والی سیڑھی پر امی اور عطرت بیٹھی تھیں، امی نے سر عطرت کے کاندھے پر دھ... ہوا تھا، اس سے ذرا نیچے عائشہ بیٹھی تھی، سیڑھیوں کے ٹرن پر جہاں چھوٹی سی گیلری ٹائپ جگہ ... وہاں فوزیہ اور مقدس کرسیاں ڈالے بیٹھی تھیں او... اس کے نیچے جاتی سیڑھیوں کے آخر پر وردہ بیٹھی تھی۔

موضوع گفتگو سر اقبال تھے، وہ سب ا... اس بات پہ متفق تھیں کہ سر کی کمپلین ہونی چاہیے ہاں مگر ہمیشہ کی طرح سب سے منفرد او... Individualism (انفرادیت) کا شکار ورد... اس بار بھی ان سے مختلف رائے رکھتی تھی، اس ... کہنا تھا کہ کسی ٹیچر کی شکایت کرنا بجا نہیں ہے... امی تو تڑپ ہی اٹھی تھی۔

''چہ بدی چہ بدی کا شوربا۔''

''دیکھو وردہ! جسٹ لسن ٹو می، ہم آج میم ثمن کے آفس جائیں گے اور انہیں پوری بات بتائیں گے اور اگر تمہیں ہمارا ساتھ نہیں دینا ...

...دو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ایک بات ...رکھنا اگر کوئی پھڈا ڈالنے کی کوشش کی نا تو......''

...نے دھمکی آمیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ ...ی۔

''امی! اچھا بھئی جانا تم لوگ، میں نہیں کچھ ...کہہ رہی۔'' وردہ ہنسنے لگی۔

''وردہ فضل محمود! تم کچھ کہہ کر تو دیکھو، میں ...تمہارا حشر کر دوں گی۔'' یہ فوزیہ تھی، ہمیشہ کی ...طرح فوزیہ اس سے خاصے جھگڑنے والے موڈ ...میں بات کر رہی تھی اور پتا نہیں مگر بڑی عجیب سی ...بات تھی کہ وردہ اور فوزیہ کی کبھی نہیں بنی تھی، وہ ...ہمیشہ جھگڑتی رہتی اور بعض دفعہ وہ بڑی معمولی ...باتوں پہ الجھ پڑتی تھیں، یہ امی ہی تھی جو ہمیشہ ان ...کے درمیان صلح صفائی کرواتی۔

اس وقت بھی فوزیہ کے انداز پر وردہ کے ...چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

''فوزیہ بھائی! آرام سے اچھا، میں نے کیا ...کہا ہے بھلا؟'' وہ ناراض سے بولی تھی اور لفظ ...''بھائی'' غالباً ''بھئی'' کی بگڑی شکل تھا، فوزیہ تو ...اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''فوزیہ بھائی؟ بھائی؟ یہ بھائی کس کو کہا تم ...نے؟'' وہ بلند آواز میں دھاڑی تھی، سب کی ہنسی ...چھوٹ گئی۔

''امی! دیکھ لو پھر نہ کہنا مجھے، اگر میں نے ...اس کا کچومر نکال دیا تو؟'' اس نے امی کو کہا ...لیکن ہمیشہ وہ ہی انہیں خاموش ہونے پہ مجبور کر ...رہی تھی۔

''کم آن فوزیہ! یہ اس کا سٹائل ہے۔'' امی ...نے اسے تسلی دی۔

''سٹائل؟ یہ میری نسوانیت مشکوک کر رہی ...ہے مجھے بھائی کہہ کر اور تمہیں اس کا سٹائل لگ رہا ...ہے؟'' فوزیہ صدمے سے گنگ رہ گئی، وردہ کی ...بے ہنسی نے اسے مزید طیش دلایا۔

''چلو ٹھیک ہے پھر میرا اسٹائل بھی دیکھ لو۔'' اس نے کہتے ہوئے دونوں ہاتھ وردہ کی طرف بڑھائے انداز گلا دبانے والا تھا۔

''بیٹھ جاؤ، لگتا ہے تمہیں اس دن کا سین بھول گیا ہے؟'' مقدس نے طنز کیا، وہ اسے سر رضا کی ڈانٹ یاد دلا رہی تھی، فوزیہ جھٹکے سے واپس مڑی، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

''یو ٹو بروٹس۔'' اس نے کہا، لہجہ رونے والا تھا، سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ہاں پھر ٹھیک ہے ویسے بھی میں کون ہوں؟'' وہ خفا ہو کر نیچے چلی گئی۔

''لو، چلی گئی، چلو یار مناؤ اسے۔'' امی سب سے پہلے نیچے اتری تھی، وہ کمرے میں جا چکی تھی، امی بھی اس کے تعاقب میں اندر آ گئی۔

''اوئے شیرو! بس کر جگر، تجھے پتا ہے نا کہ۔'' اس نے پیار سے کہتے ہوئے فوزیہ کے کندھے کے گرد بازو پھیلایا، حالانکہ یہ خاصا مشکل کام تھا اس کا کندھا بھی تو خاصا فراغ تھا، اسی وقت عطرت اندر آ گئی، دونوں کی پوزیشن دیکھ کر چونکی پھر مسکرائی۔

''ہو گیا اظہار محبت؟'' اس کا تیکھا لہجہ امی کو بڑا عجیب لگا۔

''نہیں، ہونے لگا تھا۔'' امی قصداً مسکرائی۔

''اوہ...... پوزیسولینس۔'' فوزیہ نے شرارت سے آنکھیں پھیلائیں پھر ایک دم امی کو سختی سے بھینچا اس کا گال چوما اور باہر بھاگ گئی، جاتے جاتے نعرہ لگا دیا تھا۔

''آئی لو یو امی!'' امی ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

سر اقبال کی کمپلین کر دی گئی، میم ثمن نے معاملے کو خاصی اہمیت دی تھی کچھ ریزن ایمان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تھی، وہ کلاس کی ''سی آر'' تھی اور اس نے خاصے پراعتماد مگر ٹھنڈے انداز میں سر کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی تھی، فوزیہ تو اسے بات کرتے دیکھ کر دل ہی دل میں اس کو داد دے رہی تھی، وہ حقیقتاً اس کی ہمت اور حوصلے پہ حیران تھی، اس کمپلین کے بعد بھی انہیں سر میں کسی قسم کی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی، ان کا انداز وہی تھا، اب تو ایمان اچھا خاصا جھلانے لگی تھی، کئی بار اس کی سر سے دو ٹوک بحث ہو چکی تھی اور آخر کا انہیں پتھر پا کر ایمی نے یکسر خاموشی اختیار کر لی تھی، وہ سارے لیکچر میں سر ہی اوپر نہ اٹھاتی، سر کو اس کا یہ انداز اور خاموشی کس قدر کھلتی تھی مگر وہ اسے بہت کم مخاطب کرتے تھے، کلاس میں اچھی خاصی ٹینشن پیدا ہو چکی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے تو وہ عجیب ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پہ اتر آئی تھی، سر کے پیریڈ میں یکسر خاموش، سر نیچے کیے، آنکھیں کتاب پر گاڑے اور چہرہ بالکل سپاٹ، یوں جیسے وہ ہر چیز سے لاتعلق ہو چکی ہو، سر کچھ پوچھتے تو بڑی لاپرواہی سے کندھے جھٹک دیتی اور بڑی روڈلی کہتی۔

''مجھے نہیں پتا سر۔''

کتنی ہی بار باقی سب دوستیں اسے سرزنش کی چکی تھیں کہ وہ غلط کر رہی ہے مگر اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

''I can not bear it more۔'' (میں یہ سب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔)

یہ چپقلش زیادہ دیر نہیں چل پائی تھی کیونکہ دسمبر کی چھٹیاں آ گئیں تھیں، چھٹیوں سے پہلے ایک حتمی فیصلے کے طور پر انہوں نے کالج انتظامیہ کو خبردار کیا تھا کہ ان کے لئے ہر صورت متبادل ٹیچر کا انتظام کیا جائے اور میڈم ثمن کی طرف انہیں مکمل یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہی ہوگا۔

سو ماسٹرز! اپنے الوداعی جدائی پر نم آنکھوں سمیت خود کو ایک دوسرے سے رابطے کی یقین دہانی کرواتے رخصت ہو گئیں۔

☆☆☆

سرد گلابی جاڑو!
اس بار چلے جاؤ
اگلی بار جو لوٹ کے آنا
ساتھ میں میرے یار بھی لانا
یار میرے کچے پکے
یار میرے سچے سچے
یار میری جند جان ہیں
یار میرا ایمان ہیں
سرد گلابی جاڑو!
اس بار جو آنا
ساتھ میں میرے یار بھی لانا

ہڈیوں میں لہو جما دینے والی کڑکڑاتی سردی نے فضاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، یکم جنوری کا خوبصورت اور خوشگوار دن بلکہ کسی حد تک ٹھٹھرا دینے والا سورج کے بغیر دن ایسے ہی تھا جیسے پھول کے بغیر شاخ اور اسی سردی بھرے دن ''ام ایمان احمد'' صاحب کتاب ہو گئیں، کانوں میں ایم پی تھری ٹھونسے لحاف میں گھسے وہ دنیا جہان سے قطعی بے خبر ہاتھ میں کافی کا مگ لئے سخت مصروف تھی یوں کہ کسی تیسرے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

جنموں کا وعدہ کوئی
یہ دن بڑے چھوٹے ہیں
لمبی سی اک رات ہو
لمبا سا اک دن ملے
بس اتنا سا جینا ہو
ملن کی گھڑی جب ملے

وہ دھیرے دھیرے گنگنا رہی تھی، ایک دم

سے دروازہ کھلا اور رابی کی صورت نظر آئی جو خوشی و جوش کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا، اس نے ایمی کے کانوں سے ہینڈ فری کھینچے اور زور زور سے ہنستی اس کے گلے لگ گئی۔

''مبارک ہو ایمی، مبارک ہو یار۔'' ایمی ہکا بکا سی تھی اسے اس درجہ التفات کی وجہ بالکل سمجھ نہ آئی تھی۔

''خیریت؟ ہوا کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تیری بک آ گئی ہے ایمی، تیری پہلی کتاب بابا پارسل وصول کر رہے ہیں۔'' وہ بلند آواز میں کھلکھلائی تھی، وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی حیرت سے منہ کھولے۔

اسی وقت بابا جان خالی کاغذ میں لپٹے پارسل کا اٹھائے اندر آ گئے اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر جھپٹا مارا۔

''میری کتاب...... میری؟'' وہ بے یقینی سے پرپل ٹائٹل والی کتاب پہ ہاتھ پھیرتی رہی پھر چیختے ہوئے بابا سے لپٹ گئی، پھر سب جمع ہو گئے وہ ہنگامہ مچا کہ الامان سب کی ایک ڈیمانڈ تھی۔

''ٹریٹ؟'' اسے مانتے ہی بنی۔

سوئے اتفاق اگلے ہی دن سے کالج ری شارٹ ہو رہا تھا، وہ خوشی سے بے حال ہوتی اپنی بک لے کر کالج گئی تھی، خوب بھینچ بھینچ کر سب سے گلے ملنے کے بعد اس نے سرپرائز کہہ کر سب کی آنکھیں بند کروائیں اور پھر جلدی جلدی بیگ سے کتاب نکال ہاتھ میں تھامی اور آنکھیں کھولنے کا کہا، سب نے آنکھیں کھول لیں اور پھر کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں۔

''ام ایمان احمد!'' مقدس نے بلند آواز میں ٹائٹل پیج پر موجود نام پڑھا اور پھر سب زور زور سے چیختی چلاتی اس سے لپٹ گئیں ان کی چیخیں اتنی بلند ضرور تھیں کہ ساتھ والے روم سے میڈم نگین کا میسج آ گیا کہ ''وہ لیکچر دے رہی ہیں آہستہ بولیں۔'' ان سب کے جذبات پہ اچھی خاصی اوس پڑی تھی۔

''لو جی...... اتنے چارجز بھرے ہیں کیا بندہ شور بھی نہ ڈالے؟'' فوزیہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہی تھی۔

''واہ فوزیہ واہ، تم نے اتنے چارجز کیا شور ڈالنے کے بھرے ہیں؟'' مقدس نے اتنے پہ زور دے کر کہا تھا، انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

''تو اور کیا۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

''یار! میری بات سنو، آفس چلیں میڈم ثمن کے پاس، انہیں ایمی کی بک دکھاتے ہیں۔'' عطرت نے صلاح دی۔

''ہاں بالکل چلو اور یہ سر سلمان عظیم کو بھی پتا چلنا چاہیے کہ ایم اے زندہ ہو گیا ہے اور اس کا کریڈٹ جاتا ہے ام ایمان کو۔'' فوزیہ نے فخر سے شیخی ماری۔

''چلو پھر، ہو جائے آج۔'' مقدس نے بھی حامی بھری اور سب تیزی باہر نکل گئیں، میڈم ثمن کا ریسپونس ان کی توقع سے بھی زیادہ حیران کن اور اچھا تھا، وہ بے انتہا خوش ہوئیں تھیں اسے بے حد مبارک باد دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی فیور دی تھی کہ وہ کل ہی کالج کانفرنس میں سب اسٹوڈنٹس کو اکٹھا کر کے انہیں یہ نیوز دیں گی۔

ماسٹرز اچھا خاصا کھلکھلاتا اور چہکتا ہوا وہاں سے نکلا تھا، اگلے روز ایمی کو ایمرجنسی میں اسلام آباد جانا پڑ گیا، ایمن کو امریکن ایمبیسی جانا تھا، بابا، ایمن، علی بھائی اور ایمان جا رہی تھی۔

خیر اگلے دن جیسے ہی وہ کالج آئی، اس کے لئے خوشخبری منتظر تھی، گراؤنڈ فلور پہ سارا کالج اکٹھا تھا، میڈم ثمن نے سب کے سامنے اسے ڈائس پہ بلایا اور بڑی خوبصورتی اور روانی سے بات شروع کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم سوچتے تھے کہ ام ایمان جانے کون ہیں کہاں رہتی ہیں مگر آج پتا چلا کہ یہ ادیبہ تو ہماری اپنی ہیں۔'' انہوں نے سب کو ایمی کی بک دکھائی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عنقریب ایمان کے اعزاز میں ایک فنکشن کیا جائے گا، اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ گویا ہواؤں میں تیر رہی ہو، جنوری اس کے لئے بڑی رحمت و کرم کے خزانے لایا تھا، سر اقبال کی جگہ نئی ٹیچر آ گئیں، ایمن کی ٹکٹ کنفرم ہو گئی، وہ علی بھائی کے ساتھ ہی امریکہ جا رہی تھی۔

دن اتنی تیزی سے گزرے کہ پتا ہی نہ چلا، اس نے سب فرینڈز کو ٹریٹ دی تھی اور انہوں نے ایمی کو گفٹس دیئے تھے، سب اساتذہ نے بھی اسے حصوی مبارکباد دی، میم عظمیٰ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ۔

''ماسٹرز! آپ ایمان کا آٹو گراف لے لیجئے کیونکہ بعد میں تو انہوں نے آپ کو پہچاننا بھی نہیں اور آپ نے ان کی گاڑی کے پیچھے بھاگ رہے ہونا ہے۔'' وہ مسکرا رہی تھیں، سب نے ان کی بات کو بہت انجوائے کیا تھا حالانکہ ایمی نے احتجاج بھی کیا تھا کہ۔

''فرینڈز کے ساتھ وہ کبھی ایسا نہیں کرے گی۔''

جنوری کے وسط میں کالج میں محفل مشاعرہ تھی، اس بار ایمان نے خود ہی اپنا نام دے دیا تھا۔

اس نے اس بار بھی میدان مار لیا تھا اور دوسری پوزیشن لی تھی سب کو اس پر رشک آتا تھا، کتنی خوبصورت اور مکمل زندگی تھی اس کی۔

ائٹر کی حیثیت سے اپنی ایک منفرد پہچان!
ہترین سنگر، بہت اچھی نعت خواں!
ش مزاج اور مطمئن!
اعت پسند اور کول مائنڈڈ!

گھر والوں کی حد درجہ لاڈلی!
اور!

ان سب کو بے حد عزیز اور جان سے پیاری ام ایمان، جس پر وہ سب رشک کرتی تھیں، ہر کوئی اسے چاہتا تھا، جو ملتا اسیر ہو جاتا، خود بخود دوسری بار ملنے کے لئے کھینچا چلا آتا، مگر وہ ایک پنجابی کی کہاوت ہے نا یعنی قبر کا حال صرف مردہ ہی جانتا ہے کہ مصداق وہ بھی اصل حقیقت سے بے خبر تھیں کہ بعض دفعہ مسکراتے چہروں کے پیچھے کیسا کرب و غم چھپا ہوتا ہے؟ ہر خوش مزاج انسان ''خوش'' نہیں ہوتا اور ہر کامیابی کے پیچھے دعائیں نہیں ''انتقام'' بھی ہوتا ہے۔

☆☆☆

میں لوگوں سے ملاقاتوں کے لمحے یاد رکھتا ہوں
میں باتیں بھول بھی جاؤں تو لہجے یاد رکھتا ہوں
سرِ محفل نگاہیں مجھ پہ جن لوگوں کی پڑتی ہیں
نگاہوں کے حوالے سے وہ چہرے یاد رکھتا ہوں
ذرا سا ہٹ کے چلتا ہوں زمانے کی روایت سے
کہ جن پہ بوجھ میں ڈالوں وہ کاندھے یاد رکھتا ہوں

24 جنوری کو ایمن بھائی کے امریکہ ساتھ چلی گئی، کچھ دن بعد اسے یہ خبر ملی کہ کالج میں اس کے لئے اعزازی فنکشن کیا جا رہا تھا، ظاہر ہے وہ بے انتہا خوش تھی، اس کی کتاب کی رونمائی کا فنکشن ہوا اور بڑے شاندار طریقے سے ہوا، سر سلمان عظیم بے حد خوش تھے، وہ حیران تھے کہ محض بیس سال کی عمر میں وہ صاحب کتاب بن گئی تھی، جنوری اپنی خوشگوار یادوں کے ساتھ اختتام کو پہنچا اور فروری انہیں جانے کیوں راس ہی نہ آیا تھا، دو فروری کو نوزیہ کالج کی سیڑھیوں سے پھسل گئی اس کے پیر پر خاصی چوٹ آئی تھی، وہ سب بے حد پریشان ہو گئیں تھیں مگر وہ نوزیہ ہی کیا جو چھٹی کر لیتی اسے گھر میں چین ہی نہ ملتا تھا بلکہ اصل بات تو یہ تھی کہ اسے ان کے بغیر چین

ہی نہ پڑتا تھا، وہ کالج آ رہی تھی جبھی ان کا روم فرسٹ فلور پر شفٹ کر دیا گیا، اس کے پیر پر مسلسل بینڈ یج ہوتی رہتی تھیں۔

دوسری طرف مقدس کا بخار بگڑ کر ٹی بی کی شکل اختیار کر گیا، اس کی سفید رنگت سنولا گئی، ایمی اپنی جان سے عزیز، سکھیوں کو یوں دیکھتی تو دل کرلا اٹھتا، بات یہاں تک نہ تھی عطرت کے پاپا بھی سعودیہ میں تھے، وہ بھی اچانک واپس آ گئے، وہ بیمار تھے اور وہاں کے ڈاکٹرز نے انہیں کینسر تشخیص کیا تھا اور اس دن وہ سب ایک دوسرے کے گلے لگ کر کتنا روئی تھیں اور نوزیہ وہی نوزیہ جو اپنے ابو کو ہٹلر کہا کرتی تھی کیسے روتے روتے کہے جا رہی تھی کہ۔

''یار! ابو لوگ اتنے پیارے کیوں ہوتے ہیں؟ کیوں بیٹیاں ان کی ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کر پاتیں، اللہ جی! ہمیں سب کے ابو بڑے عزیز ہیں، کسی کو کچھ نہ ہو۔'' وہ عطرت کو ساتھ لگائے رو رہی تھی۔

ایمی کا دماغ سن سا ہو رہا تھا، بعض چیزیں کتنی ناقابل یقین سی لگتی ہیں، جیسے اسے عطرت کے الفاظ نے اتنا شاکڈ کیا تھا کہ وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

''یہ..... بے وقوف ڈاکٹر..... انہیں کیا پتا؟ ادھر کے ڈاکٹر ہی صحیح بات بتائیں گے، عطرت تم پاگل ہو، کیوں روتی ہو یار! ادھر ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر بیٹھا ہے، جاؤ لاہور یا کراچی یا اسلام آباد، سب جگہ موجود ہیں ڈاکٹر۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولے گئی، وردہ اڑی رنگت کے ساتھ اور عائشہ نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

ضبط غم آسان نہیں عالی
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیئے جاتے ہیں

اسی دکھ سے افسردہ جاڑوں میں سیکنڈ سمسٹر آ گیا اور ویلنٹائن ڈے بھی اور اسی بدولت ان کا دھیان کچھ بٹ گیا تھا ورنہ سر راحت تو کہتے تھے کہ ہمارے ماسٹرز کو کسی کی نظر لگ گئی تھی، اس دن انہوں نے ایک دوسرے کو گفٹس دیئے تھے اور اسی دن کتنے ہی دنوں بعد گلاس میں ایمی کو گنگناہٹ گونجی تھی۔

لونگ دا لشکارا ، لونگ دا لشکارا
او بے بی تیرا جان سے پیارا

کافی دنوں بعد سب اس طرح خوشگوار موڈ میں تھیں، سیکنڈ سمسٹر شروع ہوا اور ختم بھی ہو گیا، اس کے بعد تو جیسے کسی کو کچھ ہوش نہ آیا، سسپنس خاصا لمبا چوڑا تھا اور ابھی اچھا خاصا رہتا بھی تھا، جبھی ان کی دوڑیں لگ گئیں، ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی نئی کتاب خریدنا ہوتی اور نوٹس کاپی کروانا پڑتے، خرچ کی سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی اور وہ سب مل کر مقدس کو دوڑاتی رہتیں اور یہ شاید مقدس کا ہی کمال تھا کہ وہ بے چاری مارکیٹ جاتی اور سب کی بکس لاتی یا پھر نوٹس کاپی کروالاتی اور یہ بھی اس کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ روپے بھی اپنے ہی خرچ کرتی اگرچہ بعد میں وہ سب اسے لوٹا دیتی تھیں، البتہ ایمی کے پیسے سب سے لیٹ آتے، مقدس نے کبھی پلٹ کر پوچھا نہیں تھا، ایسے ہی تو وہ سب کو عزیز نہیں تھی، حقیقتاً وہ دوستوں کے لئے اپنے منہ سے نوالہ نکال کر کھلا سکتی تھی۔

مارچ کا وسط چل رہا تھا اور وہ سب کینٹین سے کھانے پینے کی چیزیں لے کر اپنی کلاس میں ہی آ بیٹھی تھیں۔

''یار! ذرا دیکھو اس کینٹین والے کی حالت۔'' فوزیہ نے سب کو متوجہ کیا، سب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے اسے تھاؤزنڈ پکڑایا تو بقایا دینے کی بجائے آگے سے کہتا ہے، باجی رہنے دیں بقایا، آپ نے مجھے ہی دینے ہیں اس بار ایڈوانس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی جمع کروا دیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا، سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ارے اتنی بدتہذیبی، اس کی تو میں کمپلین کروں گی میڈم سے۔'' مقدس نے کہا۔

''جانے دو یار۔'' ایمی نے رفع دفع کرنا چاہا پھر شرارت سے فوزیہ کو دیکھا۔

''ویسے کہا تو اس نے غلط نہیں۔'' سب پھر سے ہنس پڑیں، کھانا پینا پورا کر کے وہ روم سے باہر نکلیں تو ایک نئی خبر ان کی منتظر تھی، کالج میں فنکشن ویک شارٹ ہو رہا تھا، جس میں فلاور ایگزیبیشن، مہندی کمپیٹشن، کوکنگ کمپیٹشن اور ہینڈ میڈ آرٹیکلز کے مقابلے شامل تھے، ایمان نے فنکشز کے نام سن کر سکون سے ہاتھ جھاڑے اور ایک طرف ہو گئی۔

''ان میں سے ایک کام بھی مجھے نہیں آتا، یہ خالصتاً خاتون خانہ کا شعبہ ہیں۔''

''ہیں، واقعی؟ تمہیں ان میں سے کوئی کام نہیں آتا؟'' عائشہ نے حیرانی سے پوچھا، کسی کو بھی یہاں تک کے ٹیچرز کو بھی یقین نہیں تھا کہ ایسا ہوگا، کہاں ہمہ صفت موصوف ٹائپ ام ایمان اور اتنے امپورٹنٹ فنکشن ویک سے صاف ہاتھ اٹھا کر انکاری تھیں، وہ سب کو یقین دلا دلا کے تھک گئی کہ اسے کوکنگ کے نام پہ آملیٹ تک بنانا نہیں آتا تو کہاں یہ مہندی اور فلاور میکنگ.....

مگر ماسٹرز اس بار بھی پیچھے نہیں رہے تھے، مقدس اور عطرت نے کوکنگ کمپیٹشن میں حصہ لیا تھا اور عطرت نے فلاور میکنگ اور مہندی کمپیٹشن میں بھی اور اس بار عطرت نے میدان مارا تھا، کوکنگ کمپیٹشن میں پہلا اور فلاور میکنگ میں تیسرا انعام لیا تھا اور اس پرائز ڈسٹریبوشن کے دوران ماسٹرز نے تالیاں پیٹ پیٹ کر آسمان سر پہ اٹھا لیا تھا، فنکشن چونکہ تھرڈ فلور پہ تھا جبھی وہ باتیں کرتی نیچے آ رہی تھیں موضوع گفتگو آج کا فنکشن ہی تھا،

سیکنڈ فلور کے ریلنگ کے پاس انہیں میڈم نگین مل گئیں۔

''کیسے ہیں ماسٹرز؟'' انہوں نے ریلنگ پہ ہاتھ دھرے ہوئے پوچھا۔

''ہم ٹھیک ہیں میم، آپ کیسی ہیں؟'' عطرت نے کہا۔

''فائن اور فوزیہ! آپ کے پیر کا کیا حال ہے؟'' انہوں نے کہا۔

''اب پہلے سے کافی بہتر ہے میم۔'' فوزیہ نے بتایا۔

''حالانکہ حال آپ کا نہیں ان سیڑھیوں کا پوچھنا چاہیے، جہاں سے آپ گری تھیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے طنز کیا، اشارہ اس کی صحت مندی کی طرف تھا، درحقیقت دیکھا جاتا تو وہ خود بھی خاصی صحت مند تھیں، فوزیہ آگے سے ہنس دی، مقدس نے دانت بھینچ کر انہیں گھورا۔

''پھر تو ہمیں بھی اس ریلنگ کا حال پوچھنا چاہیے۔'' مقدس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ Satire (تنقید) کی۔

ایمی کا رنگ اڑا گیا، اس نے ہاتھ دبا کر مقدس کو خاموش رہنے کو کہا، میڈم نگین آف موڈ کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔

''یہ تم نے کیا کیا مقدس؟'' عطرت نے پریشانی سے کہا۔

''ٹھیک کیا میں نے، یار فوزیہ کو ہم نے کبھی اس طرح ڈی گریڈ نہیں کیا تو وہ کیسے کر سکتی ہیں، خود کون سا سمارٹ ہیں جو فوزیہ پہ یوں طنز کر رہی تھیں۔'' مقدس مشتعل ہو گئی۔

''پھر بھی یار..... وہ ٹیچر ہیں۔'' عائشہ نے کہا۔

''اور سوچو اگر انہوں نے یہ سب میم عظمیٰ کو بتا دیا تو؟'' یہ وردہ تھی۔

''وہ ایسا کر نہیں سکتیں، اس میں ان کی

انسلٹ ہوگی اور عائشہ تم نے ٹھیک کہا یار وہ ٹیچر ہے اور انہیں اسی طرح بی ہیو بھی کرنا چاہیے ہماری میم عظمیٰ بھی تو ہیں کتنی نائس اور پولائٹ ہیں۔'' مقدس نے کہا۔

''میم عظمیٰ جیسا کون ہے یار! وہ تو ون اینڈ اونلی ہیں۔'' ایمی نے سر دھنا تھا۔

سب ہنستی ہوئی نیچے چلی آئیں، اسی خوشی میں وہ سب ایمی کے سر ہو گئیں کہ کوئی گیت سنائے، وہ پہلے تو نخرے کرتی رہی پھر مان گئی۔

جان میں جان سی آ جائے

ابھی اس نے ایک سطر ہی گائی تھی کہ سب نے شور مچا دیا۔

''اتنا سیڈ سونگ، کوئی خوشی بھرا گانا گاؤ یار۔'' سب کا ملا جلا احتجاج جاری تھا، وہ چند لمحے خاموش رہی۔

وہ میری زندگی میں یوں آیا
کوئی لمحہ گلاب سا ہو جیسے

''یہ کیا ہے؟ اتنا سلو میوزک، کوئی اور؟'' پھر سے آوازیں اٹھیں وہ پھر چپ ہو گئی۔

جندڑی عشق نے تاگے وچ
سوچ سمجھ کے پرویں
فیر نہ بیٹھ کے رویں
کلیاں بیٹھ نہ رویں

وہی اس کی سریلی آواز کا زیر و بم، اسی بار کسی نے احتجاج نہ کیا تھا۔

مکدی نہیں رات کدی ہوندا نہیں سویرا
عشق جدوں پا لیندا دل وچ گھیرا

☆☆☆

اگلے دن بھی ان کے لئے دو خبریں تھیں، سب سے بڑی اور خوشی کی خبر یہ تھی کہ عطرت کے پاپا کے رپورٹس کلیئر آئی تھیں، وہ بالکل ٹھیک تھے، اس خبر کو پا کر وہ سب بے انتہا خوش تھیں، باقاعدہ سلیبریٹ بھی کیا گیا اور دوسری خبر یہ تھی کہ فوزیہ کے پیر میں پھر سے سوجن ہو رہی تھی اور اسے اپنے پاپا پہ بہت سخت ڈانٹ پڑی تھی جس پر وہ کچھ اداس تھی، کلاس میں فوزیہ چپ ہو اور ٹیچرز محسوس نہ کریں یہ تو ممکن ہی نہ تھا، سر راحت کی کلاس کے بعد اچانک ہی بی اے کی کچھ لڑکیاں ان کے روم میں آ گئیں، وہ ایک خاص سوال لے کر آئی تھیں۔

''فوزیہ؟! آپ بھی بٹ فیملی سے ہیں اور سر راحت بھی، کیا آپ آپس میں ریلیٹوز بھی ہیں؟'' وہ جاننے کے لئے سخت مشتاق نظر آتی تھیں چونکہ سر راحت ان کی بھی انگلش کی کلاس لیتے تھے۔

''ارے..... آپ لوگوں کو نہیں پتا، سر راحت میرے چاچو ہیں۔'' فوزیہ نے دھڑلے سے جھوٹ بولا۔

''رئیلی!'' وہ بے یقینی سے چلا پڑیں تھیں۔

''ہاں بالکل، آپ سر سے پوچھ لینا۔'' فوزیہ نے نئی بڑھک ماری، ایمی نے اس کا ٹہوکا دیا۔

''بس کرو، اگر انہوں نے واقعی سر سے پوچھ لیا تو؟'' اس نے دھیمی سی سرگوشی کی۔

''تو ٹھیک ہے نا، پوچھنے دو نا۔'' فوزیہ نے مسکرا کر کہا۔

بی اے کی طالبات تو اس انکشاف کو لے کر نورا ہی باہر نکل گئیں۔

''اب دیکھنا سر کو بھی پھر آج ہی پتا چلے گا کہ وہ تمہارے چاچو ہیں۔'' مسکراتے ہوئے کہنے والی یہ مقدس تھی۔

''اچھا ہے، ایسی باتوں کا پتا ہونا چاہیے۔'' اس نے کہا، سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

اگلی کلاس ٹیچر عظمیٰ کی تھی، وہ سب بڑی مگن سی جارج ایلیٹ کا Adam bede پڑھ رہی تھیں، میڈم نگین آ گئیں، مقدس نے معنی خیز نظروں سے ایمی کی طرف دیکھا، دونوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنکھوں میں بڑی محظوظ ہونے والی کیفیت تھی، وہ میڈم عظمیٰ کے ساتھ گفتگو میں مگن تھیں پھر بات کرتے کرتے انہوں نے ان کی طرف رخ کر لیا، فوزیہ کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی ان کی شکایت لگا دیں گی۔

''مس عظمیٰ! ذرا دیکھیں اپنی سٹوڈنٹس کو، انہوں نے اتنے بڑے بڑے معرکے مارے ہیں، بھئی ان سے تو ٹریٹ لینی چاہیے۔'' انہوں نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

''لیکن مس ہم نے تو سنا ہے آپ ڈائٹ پہ ہیں۔'' مقدس کے برجستہ جواب نے سب کو قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''یہ ہوائی کس نے اڑائی ہے بھئی؟'' وہ بنا برا مانے قدرے حیرت سے پوچھ رہی تھیں، اب مقدس سے اپنی ہنسی دبانا دشوار ہو گیا۔

''کچھ نہیں میم، بس وہ ایسے ہی سنا تھا کسی لڑکی سے۔'' وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

''اچھا تم لوگ کچھ کھلاؤ گے تو ایک دن کے لئے ڈائٹ چھوڑی بھی جا سکتی ہے۔'' وہ بھی آخر ان کی ہی استاد تھیں۔

اسی طرح کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد وہ چلی گئیں، اس کلاس کے بعد وہ لائبریری آ گئیں، وہ بہت کم یہاں آتی تھیں، اب بھی نت نئے فیشن میگ ڈھونڈ ڈھانڈ کر کونوں کھدروں سے نکال کر وہ لے بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

اگلے دن سر راحت کی کلاس میں دھماکہ ہوا تھا، سر نے لیکچر دینے کے بعد بڑے معمول کے انداز میں پوچھا تھا۔

''بھئی وہ بی اے کی طالبات مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ سر! آپ فوزیہ کے چاچو ہیں؟'' ان کا اتنا کہنا تھا کہ سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''سر! میں نے اس کو منع کیا تھا۔'' ایمی نے فوزیہ کی طرف انگلی کر کے کہا۔

''یہ گپ اس نے ماری تھی۔''

''سر پھر کیا ہوا؟'' فوزیہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''میں نے کہا جی ہاں وہ میری بھتیجی ہے۔'' سر نے کہا۔

''واہ جینئس سر جی، دل خوش کر دیا۔'' فوزیہ تو جھوم اٹھی تھی۔

''پھر مجھ سے کہنے لگیں سر! آپ چھٹی ہی نہیں کرتے؟'' میں نے کہا۔

''مجھے فوزیہ کے ابو نہیں کرنے دیتے، وہ بڑے سخت ہیں۔'' سر ہنستے ہوئے بتا رہے تھے، سب کھلکھلا اٹھیں، بعض چھوٹی چھوٹی شرارتیں زندگی کا حسن کیسے دوبالا کر دیتی ہیں جیسے آج کا خوبصورت دن۔

☆☆☆

موسم ایک بار پھر گرم ہو چکا تھا اور لائٹ غائب گرمی سے بے حال ہوتے ہوئے وہ سب اب کتابوں کے پیچھے دوڑ رہی تھیں، تھرڈ سمسٹر شارٹ ہونے والا تھا، اب وہ اکٹھے بیٹھ کر ہنستی نہیں تھیں نہ کسی کو پکڑ کر اس کا مذاق بنانا شروع کر دیتی تھیں بلکہ اب صرف ''کورس'' ڈسکس ہوتا تھا، تھرڈ سمسٹر بالکل فائنل ایگزامز کے سٹائل میں ہو رہا تھا اور حیرت انگیز طور پر ملٹ کے دور سے کیمپس میں ہو رہا تھا۔

آج ان کا ملت سائنس کالج کے اس کیمپس میں آخری دن تھا، لائبریری میں بیٹھے خود کو ہزار باتوں میں مصروف کر کے اپنا دھیان اس کربناک حقیقت سے نظر چرانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ وہ آج بچھڑ رہی تھیں۔

''بہت مس کریں گی تم لوگوں کو یار۔'' بہت دیر بعد عائشہ بولی تھی۔

''پلیز..... عائشہ..... یار پلیز ایسی باتیں نہ کرو، میں رونے لگوں گی۔'' فوزیہ روہانسی ہو

کر بولی تھی، ایمی نے نم آنکھوں سے ان سب پہ نظر دوڑائی۔

''ہم کیسے رہیں گے ایک دوسرے کے بغیر؟'' اس کا لہجہ تھکا ہوا اور افسردہ تھا۔

سب کے چہرے افسردہ اور پریشان تھے اس حیران کن دنیا سے سمجھوتہ نہ کر پا رہی ہوں۔

''ایمی! تم ایگزامز کے بعد کیا کرو گی؟'' مقدس نے بڑی مہارت سے موضوع بدلا۔

''کچھ نہیں یار! کرنا کیا ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

''نہیں بھئی، یہ ایک اور کتاب لکھے گی۔'' وردہ نے مسکرا کر کہتے ماحول بدلنا چاہا۔

''ہاں، ایمی! تم ایک اور کتاب لکھنا۔'' عطرت بولی۔

''ایک بات پوچھوں ایمان؟'' فوزیہ کے طرز تخاطب نے اسے چونکا دیا۔

''کیا؟'' وہ بے ساختہ بولی۔

''ایمی کہتے ہیں کہ انسان میرا مطلب ہے تخلیق کار پاگل ہوتے ہیں، ان میں کچھ بھی عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا، وہ حساس ہوتے ہیں، وہ شدت پسند ہوتے ہیں اور ان کی قوت مشاہدہ بھی کمال ہوتی ہے تم میں یہ سب چیزیں ہیں ایمی، کیونکہ تم تخلیق کار ہو، مگر میرا سوال یہ ہے کہ آخر تمہارے پیچھے کیا محرک تھا؟'' فوزیہ کا تجزیہ شاندار تھا اور سوال مزے دار، ایمی خالی خالی نظروں سے کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''تم نے ٹھیک کہا فوزیہ! بس تم یہ نہیں جانتیں کہ اس کے پیچھے ایک ''جنون'' ہوتا ہے۔'' اس کی آنکھیں گزرے ماہ و سال میں کتنا پیچھے چلی گئیں تھیں۔

کئی سال پیچھے یادوں کے قبرستان میں جہاں پہلے چند جیتے جاگتے انسان تھے، پھر ان کے پت جھڑ سے ٹوٹ گئے اور رفتہ رفتہ وہ مکمل اور خوبصورت انسانوں کے بت قبروں میں جا پڑے اور اب ان قبروں پہ مجاور تھے، اس کی آنکھوں میں کرب کی سرخیاں اتر آئی تھیں۔

''کیسا جنون؟'' فوزیہ نے ٹھٹھک کر اس کے تاثرات کو دیکھا۔

''اپنا آپ منوانے کا جنون، میں ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی، میں بہت عام سی تھی، ذرا ذرا سی بات پہ گھنٹوں رونا اور ہر کسی سے دب جانے والی، اسٹیڈیز میں تو خیر شروع سے ہی اچھی تھی، مجھے یاد ہے کہ تب ہم نائنتھ میں تھے ہماری ایک استاد تھیں، بہت سخت اور کرخت مزاج اور مجھ سے تو انہیں خدا واسطے کا بیر تھا، ہر بات میں نکتہ چینی کرتیں، ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتیں، انسلٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے میں کچھ کر لوں گی، بالکل ایسا لگتا کہ کسی دن برداشت کرتے کرتے پاگل ہو جاؤں گی، جانتی ہو میں سر اقبال سے کیوں خار کھانے لگی تھی کیونکہ مجھے ان میں اپنی وہی فیچر نظر آنے لگیں تھیں، انہوں نے ایک دن موقع پا کر خوب بھڑاس نکالی اور پلس 150 کی کلاس کے آگے مجھے ذلیل کرتے ہوئے کہا کہ میں زندگی میں بھی کچھ نہیں کر سکتی، ہمیشہ ناکام ہی رہوں گی۔'' یہاں تک بتا کر ایمی چپ ہو گئی، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے۔

''کچے ذہن پہ انمٹ نقوش چھاپ گئے ان کے یہ الفاظ، بس وہی جنون مجھے یہاں تک لے آیا اور سنو، لوگ مجھ پہ رشک کرتے ہیں، اتنی کم عمری میں ایسی کامیابیاں قسمت والوں کو ملتی ہیں، مجھے سب لوگ چاہتے ہیں، ہر کوئی مجھ سے پیار کرتا ہے کتنی خوش قسمت ہوں میں؟'' اس کی آنکھوں میں ضبط کی نمی تھی۔

''ذرا سوچو تو سہی بے وقوفو، لوگ مجھ سے نہیں، میری خوبیوں سے پیار کرتے ہیں، اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھی عام سی لڑکی ہوتی، تم میں سے کوئی ایک گمنام، جسے کوئی جانتا نہ ہوتا تو کیا ہوتا، کیا تب بھی سب مجھے اسی طرح پیار کرتے نہیں فوزیہ، کبھی نہیں قطعی نہیں یہ سب ''ام ایمان احمد'' کے لئے ہے ایمی کے لئے نہیں۔'' اس کی آنکھوں سے دو موتی ٹپک پڑے۔

''ایمی!'' عطرت نے تڑپ کر اسے ساتھ لگالیا۔

''یہ ہی سچ ہے عطرت! کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا، میں ہمیشہ ہنستی رہتی ہوں مگر کوئی نہیں جانتا میرے اندر کیسے مدوجزر اٹھتے رہتے ہیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، سب کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''ایمی! ہم تم سے پیار کرتے ہیں، تم ہمیں عزیز ہو یار! تم ہماری جان ہو ایمی اور ہم سب ''ایمی'' کو بہت چاہتے ہیں۔'' مقدس نے کہتے ہوئے اسے ساتھ لگایا، فوزیہ نے اس کا گال چوما اور اپنی پانچ دوستوں کے حصار میں گھری ایمی پورے دل سے مسکرائی تھی۔

☆☆☆

فائنل ایگزامز آئے اور نمٹ گئے، وہ سب گھروں میں مقید ہو گئیں، مگر فون پر ایک دوسرے سے رابطے میں تھیں، رمضان شروع ہوا تو سب کے سجدے اور دعائیں طویل ہوتی گئیں، گرمی کے روزے اور لمبے دن، ایمی غنودگی میں جاتے جاتے بھی یہی دعا کرتی رہتی۔

''اللہ جی! سب کو پاس کر دینا۔''

عید پر سب کی ایمان کے گھر ٹریٹ تھی، جسے ایمی نے ''عید ملن پارٹی'' کا نام دیا تھا۔

رزق برق اور خوبصورت ملبوسات زیب تن کیے وہ سب اس وقت ایمی کے کمرے میں جمع تھیں، کوئی اس کے بیڈ پہ دراز تھی تو کوئی کشن دبوچے کارپٹ پہ اور باقی کرسیوں پہ براجمان تھیں، ایمی نے مضمحل اور آسودہ نظروں سے سب کو دیکھا۔

''آج میری زندگی کی سب سے پیاری اور خوبصورت اور اچھی عید ہے۔'' ایمی بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی، سب نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ہاں، ہم سب بھی بہت خوش ہیں ایمی اور ہم سب تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔'' مقدس نے کہا۔

''کیا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

مقدس نے سب کی نظروں کا اشارہ پا کر دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''جب ہم سب ایک ساتھ اکٹھے ہوئے تو یہ تم تھیں ایمی جس نے ہمارے درمیان دوستی جیسا مضبوط اور اٹوٹ بندھن استوار کیا، یہ تم تھیں جس نے ہمیں باہم یکجا کیا اور متحد کیا، یہ بھی تم ہی تھیں ایمی جس کے بل پہ ہم سب اکڑتے رہے، ہم سب کا فخر ہو تم، تم سے ہی سیکھا ہم نے کہ کیسے خود کو ضبط کے کڑے پہرے بٹھا کر دوسروں کو برداشت کیا جاتا ہے، کیسے دوسروں کو اپنا بنایا جاتا ہے، ام ایمان تم ہم سب کا فخر ہو۔'' وہ چپ ہو گئی، پھر آہستہ سے مسکرائی۔

''We love you۔'' ایمی کا چہرہ جوش و خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''ہمیشہ تم سے کچھ سنتے ہیں، آج میں تمہیں کچھ سناؤں گی۔'' فوزیہ نے کہا۔

یہ دوستی تیرے دم سے ہے
ساری خوشی تیرے دم سے ہے
تو زندگی کم سے ہے
یہ دوستی تیرے دم سے ہے

وہ سب کورس میں گنگنا رہی تھیں اور کمرہ ان کی کھنکتی ہنسی اور پرخلوص محبت سے مہک اٹھا تھا۔

☆☆☆

ادراک ہونا چاہیے

سعدیہ عابد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اماں! جانے دو نہ مجھے، ایک ہی تو میری سہیلی ہے۔" وہ چھوٹے سے صحن میں رکھی اکلوتی چارپائی پر بیٹھیں دال چن رہی تھیں جب ان کی اکلوتی بیٹی بڑے لاڈ سے بولی تھی۔

"نیلم! تجھے میری ایک دفعہ کی کہی بات سمجھ نہیں آتی۔" وہ اس کی ایک ہی تکرار سے بھڑک اٹھی تھیں۔

"اماں! تو میری بات مان لے نہ، میری اچھی اماں نہیں ہے۔" اس نے تسلہ ماں کے ہاتھ سے لے کر موڑھے پر رکھا تھا اور شگفتہ کے کاندھے سے لگ گئی تھی۔

"ارے پیچھے ہٹ، ہر وقت بچی بنی رہتی ہے اور جا کر یہ دال چڑھا تیرا ابا آتا ہی ہوگا۔" انہوں نے اسے بری طرح خود سے دور کیا تھا۔

"اماں! تو، تو مجھے اپنی سوتیلی ماں لگتی ہے، میں ابا سے ہی پوچھ لوں گی اور وہ مجھے منع بھی نہیں کریں گے۔" وہ ماں کے دور کرنے اور صاف انکار پر سخت بدمزہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

نیلم نے حال ہی میں بی اے کیا ہے، اس کی ایک دوست ناجیہ ہے جس کی دو دن بعد منگنی کی رسم ہے اور وہ اسی میں جانے کی اجازت مانگ رہی ہے، شگفتہ اسے منع نہ کرتیں اگر ناجیہ ان کے ہی محلے میں رہ رہی ہوتی کہ ناجیہ لوگ تین ماہ قبل ہی یہاں سے شفٹ ہوئے تھے اور شگفتہ میلاد میں گئی تھیں، گھر کافی بڑا ہے رہن سہن بھی بہت بدل گیا ہے کہ ناجیہ کا اکلوتا بھائی دوبئی میں ہوتا ہے، ماں تھی جبکہ والد کافی عرصے قبل وفات پا گئے تھے، ماں کو منانے میں ناکام ہو کر اس نے باپ سے بات کی تو رؤف صاحب نے نہ صرف اسے اجازت دی، دو ہزار کی کثیر رقم بھی دے دی، جس سے وہ اپنے لئے کپڑے اور اس کی میچنگ چیزوں کے ساتھ ناجیہ کو دینے کے لئے گفٹ بھی لے آئی، نیلما رؤف نے جانا ماں کے ہی ساتھ تھا لیکن عین منگنی کی دوپہر کو بخار ہو گیا اس لئے رؤف صاحب اسے شام سات بجے ناجیہ کے ہاں دس بجے آنے کا کہہ چھوڑ گئے، نیلما کنول، بے بی پنک لانگ شرٹ اور چھوڑی دار پاجامے میں لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائے، آنکھوں میں کاجل اور لبوں پر پنک ہی لپ اسٹک سجائے کافی اچھی لگ رہی ہے، فہد تو اسے دیکھتے ہی ہار بیٹھا کہ اسے تو وہ بچپن سے جانتا ہے ناجیہ سے زیادہ ڈانٹ کھائی ہے نیلم نے اس سے اور اب کافی عرصے بعد ایک نئے روپ میں دیکھا تو دل کی حالت ہی بدل گئی، منگنی کی رسم میں وہ پیش پیش رہی کہ ناجیہ کی کوئی بہن نہیں ہے اور وہی اکلوتی دوست ہے۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں، کیا ہم کبھی دوبارہ مل سکتے ہیں۔" آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا، اسے دیکھتے ہی وہ مسکرا دیا اور اسے گھبراہٹ ہونے لگی کہ اس سے گھبرا کر ہی تو وہ ایک جگہ آ بیٹھی تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ وہ دلہن کی مووی بنانے سے زیادہ اس کی مووی بنانے میں مگن ہے، اس طرح کی سچویشن سے پہلی دفعہ پالا پڑا ہے اور اس کی تعریف کے بعد چہرے پر جمی نگاہیں، اس کا سانولا تیکھے نین نقش والا چہرہ، یکدم دہکنے لگا اور وہ لب کچلتی اٹھی اور رئیس کے سمجھنے سے قبل ہی وہاں سے نکلتی واپس اسٹیج پر آ گئی کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ تقریباً سو لوگوں میں ناجیہ اور اس کی امی کو ہی تو جانتی ہے، فہد سے تقریباً دو سال قبل ہی ملاقات ہوئی تھی کہ وہ دو سال پہلے دوبئی چلا گیا تھا، اس کے آتے ہی وہ کیمرہ سنبھالے وہیں چلا آیا، کھانا کھل جانے کی وجہ سے صرف وہ دونوں ہی رہ گئی تھیں کہ ناجیہ کی امی کھانا یہیں لانے کا کہہ گئی تھیں، اس نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھائی اور اس نے کیمرہ

ے کی بائیں طرف لے جاتے ہوئے اسے اکر دیکھا اس نے گڑبڑا کر نگاہ جھکا لی اور کو اس کے بارے میں بتانے لگی ابھی ابھی سی کی مووی بنانے کے لئے مووی میکر کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

"یار سوچا جا سکتا ہے کہ ہے تو ہینڈسم......"

ساری بات سن کر ناجیہ شریر ہوئی، اس نے کچھ سلسلے پر مووی بناتے تئیس چوبیس سال کے کے دیکھا گوری رنگت، بھرا بھرا جسم، نا طیسی آنکھیں، یکدم اس کے گردن موڑ کے دیکھنے پر وہ کنفیوز ہوتی نگاہ چرا گئی۔

"او، کیا کرتی ہے اسمائیل پاس کر، وقت نہیں ہے کہ اتنا اچھا موقع تو نے گنوا دیا تو نقصان میں رہے گی۔" کہنی مارتے ہوئے ناجیہ سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

"نہیں یہ غلط ہے۔"

"آج کل کچھ غلط نہیں ہے، عارف نے مجھے ایک فنکشن میں دیکھا تھا، میری تعریف کی اور دوبارہ ملنے کی بات کی، میں نے اپنا سیل نمبر دے دیا، کچھ عرصے بات ہوئی ایک دو دفعہ ملے اور آج منگنی ہو گئی، تو صحیح غلط ہی سوچتی رہے گی نہ تو کنواری ہی رہ جائے گی۔" وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہی کہ وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں ہیں ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتیں مگر جو اس نے ابھی بتایا وہ نہ اس کے علم میں تھا اور نہ اس نے کبھی سوچا تھا کہ اس کے گھر بدلنے کی وجہ سے ان دونوں کی فون پر بات ہوتی تھی، اس نے منگنی کا بتایا مگر افیئر کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

"اب تو مجھے ہی حیرت سے منہ کھولے دیکھتی جا، وہ مووی والا اپنا سامان سمیٹ رہا ہے، ابھی جائے گا اگر تو نے اسے کوئی سگنل نہ دیا۔" ناجیہ نہایت تپے ہوئے لہجے میں بولی اور اس کے ہمت دلانے پر اس نے ناجیہ کے پرس سے آؤٹ لائن پنسل کے ذریعے ٹشو پیپر پر اپنا سیل فون نمبر لکھا سیل فون شگفتہ کے پاس ہی رہتا ہے ناجیہ کا فون آتا تو وہ اسے دے دیتی تھی اس کے علاوہ تو اسے کسی کا فون نہیں آتا۔

"ناجیہ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" ٹشو پیپر احتیاط سے لپیٹ کر آہستگی سے مٹھی میں دباتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا، میں نے عارف کو اپنا نمبر ڈائریکٹ لکھوا دیا تھا اور تو نے تو صرف ٹشو پیپر اسے دینا ہے۔" اسٹیج پر اپنی اکلوتی نند کو آتے دیکھ کر ناجیہ چپ کر گئی اور آنکھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا، وہ اسٹیج سے اتر آئی ہاتھ میں موجود سیل بجنے لگا کہ رؤف صاحب اپنے آنے کا بتا رہے تھے کہ وہ آدھے گھنٹے میں اسے لینے آ جائیں گے، بات کرتے ہوئے وہ قدرے سائیڈ پر ہو گئی، لائن کاٹتے ہوئے کسی کے پیچھے سے ٹکرانے پر وہ بری طرح لڑکھڑائی کرسی تھام نہ لیتی تو ضرور گرتی، سنبھل کر ٹکرانے والی شخصیت کو دیکھا مووی میکر اسے ہی فدا ہونے والی مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔

"آئی ایم ساری۔" باچھیں پھیلا کر کہا گیا اور اس کو غصہ آ گیا۔

"آنکھیں دی ہیں آپ کو اللہ نے ان کا استعمال بھی کر لیا کریں۔"

"وہی تو کر رہا ہوں اور میری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ آپ بہت خوبصورت ہیں، آپ کی سانولی نمکین رنگت ہزار ہا حسینوں میں بھی آپ کو نمایاں بناتی ہے۔" وہ نثار ہونے والے شیریں لہجے میں بولنے لگا اور ایک کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ لیں میرا نمبر ہے، صرف ایک میسج کر دینا کال کر لوں گا کہ تم کو بھول پانا میرے اختیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نہیں ہوگا کہ تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرا دل چرا لیا ہے۔'' اس کو ہاتھ بڑھاتے نہ دیکھ قدرے چاپلوسانہ لہجے میں کہا مگر اس نے اب بھی ہاتھ نہ بڑھایا، اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی، دلہن کے بھائی کو یہی دیکھتا پا کر اس نے وہ کاغذ نیلما کنول کے قدموں میں ڈالا اور بیگ کاندھے پر برابر کرتا باہر کی جانب یہ کہتا ہا بڑھ گیا۔

''میں تمہارے میسج کا انتظار کروں گا۔''

فہد ناجیہ کے بھائی کی نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں، اس نے نیچے پڑا کاغذ اٹھایا اور کھولے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، فہد کے سینے میں انکی سانس یکدم سکون سے خارج ہوئی کہ اس نے ان کی باتیں نہیں سنی تھیں، مگر اس کے ٹکرا جانے کے وقت سے آخر تک کا سارا عمل دیکھا تھا اور فاصلے پر ہونے کے باوجود اس نے دیکھا تھا کہ وہ ایک دفعہ بھی نہیں بولی، جتنی دیر وہ آمنے سامنے رہے وہی بولتا رہا، پھر فہد نے کچھ عرصے بعد ہی نیلما کے لئے اپنا رشتہ بھیج دیا اور چھ ماہ کے قلیل عرصے میں ان کی شادی ہو گئی، نیلما، فہد کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی گزار رہی ہے، ناجیہ کی شادی ان کے ولیمہ کے ساتھ ہوئی تھی۔

☆☆☆

آٹھ ماہ میں وہ کوئی آٹھ دفعہ سے زائد عارف سے لڑ کر میکے آئی ہے اور اس دفعہ تو اسے آئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے، عارف نے نہ فون کیا اور نہ ہی لینے آیا، نیلما نے اس کو پہلے بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ الٹا ہی لے گئی کہ اسے ناجیہ کا آنا پسند نہیں، مگر اب وقت تیزی سے گزر رہا ہے اس نے بھی ناجیہ سے ایک دفعہ پھر بات کرنے کا سوچا اور ناجیہ خود اپنی زندگی سے تنگ آ گئی ہے، رونے لگی اور نیلما کو اس سب کی وجہ بتاتی چلی گئی۔

''عارف کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، وہ مجھے اپنے ساتھ کہیں نہیں لے جاتے، اماں کے ساتھ بھی میں کسی فنکشن میں کسی دعوت میں نہیں جا سکتی۔''

''لیکن عارف بھائی ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' حیرت سے اسے درمیان میں ٹوکا۔

''عارف کو لگتا ہے کہ جب میں ان کے ایک اشارے پر انہیں اپنا نمبر دے سکتی ہوں رات گئے تک ان سے بات کر سکتی ہوں تو کسی بھی دوسرے مرد سے بھی میل جول بڑھا سکتی ہوں۔'' وہ سسکتے ہوئے کہتی نیلما کو بے یقین ہوا میں معلق کر گئی۔

''اس لئے وہ مجھے کہیں نہیں لے جاتے، مجھے گھر کا فون تک ریسیو کرنے کی اجازت نہیں ہے اور ایسا کر لوں تو وہ مجھے کیا کچھ نہیں کہتے ہاتھ تک اٹھانے سے دریغ نہیں کرتے۔''

''تم نے ان کے شک کو مٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی؟''

''یہ پوچھو کیا کچھ نہیں کیا، وہ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی کرتی ہوں، مہینوں صرف ان کی وجہ سے میکے نہیں آئی، مگر جب وہ مجھے بدکردار عورت، مرد کے ایک اشارے پر چل پڑنے والی نفس پرست عورت کہتے ہیں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اور ہماری لڑائی ہوتی ہے اور میں یہاں آ جاتی ہوں، آٹھ ماہ میں شروع کے دو سے چار دن ہی سکون سے گزارے ہوں گے ذرا سی لپ اسٹک بھی لگا لوں تو شک کرنے لگتے ہیں کہ مجھ سے کوئی ملنے آ رہا ہے لگاتی ہوں اور تو اور اماں سنانے لگتی ہیں کہ ان کے بیٹے کی قسمت پھوٹ گئی، ایسی بیوی ملی جسے شوہر سے کوئی رغبت ہی نہیں ہے، اماں کے واویلوں سے تنگ آ کر تیار ہو جاؤں تو عارف مجھے نہیں بخشتے اور اس سب سے تنگ آ کر میں سب کچھ کرنا چھوڑ دیا، لیکن اس دن اماں نے ہونے کو اتنے پیار سے کہا میں نے ان کی بات

مان لی کہ عارف کچھ بھی سوچیں سمجھیں میں تو تیار ہوں ہی ان کے لئے ہوں کہ میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد صرف وہی تو ہیں۔''

''ان سے میں کبھی بات نہ کرتی، لیکن میری ہمسائی راحیلہ نے مجھے وہ سب کرنے کو کہا تھا جیسے میں نے تم سے اپنی منگنی کی شام اس موو والے سے بات کرنے نمبر دینے پر اکسایا تھا، تم نے میری نہیں مانی، میں راحیلہ کی باتوں میں آ گئی تھی اور یہی پہلی غلطی میری زندگی کو جہنم بنا گئی ہے کہ عارف مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے، میں نے عارف کا من پسند رنگ پہنا اور تیار ہو گئی، اماں کسی کام سے پڑوس میں چلی گئیں اور ان کے جاتے ہی بیل بجی میں نے عارف کا سوچ کر پوچھے بغیر گیٹ کھول دیا، مگر دروازے پر عارف کے ماموں زاد نعیم الدین تھے ان کو دروازے سے لوٹا نہیں سکتی تھی اور اکیلے ہونے کی وجہ سے انہیں بلانا نہیں چاہتی تھی، اسی شش و پنج میں تھی کہ عارف آ گئے، میں نے انہیں دیکھ کر سکون کا سانس خارج کیا مگر میری تو بدبختی شروع ہو گئی تھی، نعیم الدین کی موجودگی تک تو وہ خاموش رہے اور ان کے جاتے ہی وہ کون سی بات تھی، کون سا الزام تھا جو عارف نے مجھ پر نہیں لگایا، انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں ان کی غیر موجودگی میں بن ٹھن کر غیر مردوں سے ملتی ہوں اور وہ ایک بدکردار عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتے، اس لئے مجھے گھر سے نکال دیا اور میں اپنی بے گناہی بھی ثابت نہیں کر سکی کہ جب کچھ کہنے لگتی ان کا طعنہ میرے منہ پر آ لگتا کہ میں نے کیسے ایک اشارے پر ان سے راہ و رسم بڑھا لئے تھے اور نعیم الدین کو لے کر تو عارف نے مجھے کیا کچھ نہیں کہا، میں بری ہوتی میں نے کچھ کیا ہوتا تو سہہ جاتی مگر میری چھوٹی سی لغزش کو عارف نے میری بدکردار بنا دیا، میں برداشت نہیں کر سکی، اب تک وہ مجھے کہتے رہتے تھے کہ میں اپنی ماں کے گھر چلی جاؤں، مگر اب میں خود گھر چھوڑ آئی ہوں۔'' اتنا سب بتاتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''تمہاری ساس وہ کچھ نہیں بولیں؟''

''وہ..... وہ مجھے کچھ نہیں کہتی مگر ہمارے جھگڑے میں بھی کچھ نہیں کہتیں سوائے اس کے عارف نے خود مجھے پسند کیا تھا، ان کی پسند ایسی نکلی تو اس میں کسی کا کیا قصور، خود پسند کیا ہے خود ہی بھگتے۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں اور اسے ناجیہ کی ساس پر پہلے شک تھا جو یقین میں بدل گیا اور اس نے یہ بات ناجیہ سے کہہ بھی دی۔

''عارف بھائی کا رویہ میں مانتی ہوں بہت برا ہے مگر ان کی اس طرح کی سوچ ابھارنے میں ان کی ماں کا کردار ہے، اس لئے تم اپنے گھر واپس جاؤ آنکھیں و کان کھول کر ہر ایک چیز کا معائنہ کرو، عارف بھائی سے بحث یا بدتمیزی کرنے یا انہیں یہ بتانے و سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تمہاری زندگی میں آنے والے پہلے و آخری مرد ہیں، کہ ابھی خاموش ہو کر صبر سے ہر چیز برداشت کرو اور خدانخواستہ تمہارے کردار و پاکیزگی میں کسی قسم کا جھول و شک نہیں ہے اس لئے دیر بدیر وہ اس کو تسلیم کر لینگے کہ بہرحال غلطی تم سے ہوئی ہے، ہمیں عارف بھائی بھی برابر کے شریک ہیں مرد اپنی غلطی بھی عورت کے کھاتے میں ڈال کر خود سرخرو ہو جاتا ہے، اس لئے تمہیں صبر و ہمت سے کام لینا ہوگا۔'' نیلما نے اس کے آنسو صاف کیے اور بھرپور انداز میں اسے دلاسہ دیا۔

''تمہیں بھی تو میں نے اپنی منگنی کی شام جو حرکت میں کر چکی تھی کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں مانیں کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو اور میں بہت بری۔"

"تم بری نہیں ہو اس شام میں ٹیشو پیپر پر نمبر لکھ تو بیٹھی تھی مگر اسے دے نہیں سکی تھی کہ وہ مجھ سے آن ٹکرایا تھا اور مجھے لمحے میں احساس ہو گیا کہ وہ مجھے کیا سمجھ رہا ہے اور آئندہ کیا کچھ سمجھنے والا ہے اور اس کا دیا نمبر بھی میں نے پھاڑ دیا اور اس سب میں میری اچھائی کا ہاتھ نہیں تھا کہ میری قسمت ہی میں فہد کا ساتھ لکھا تھا اور تمہاری قسمت عارف بھائی سے جڑی تھی اور جو مشکلات ہیں اسی طرح آنی تھیں، مگر اب نئی سوچ کے ساتھ عملی زندگی میں قدم رکھو تا کہ تمہاری ساری مشکلات ختم ہو جائیں اور تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔" روتی ہوئی ناجیہ کے ہاتھ تھام لئے۔

"عارف میری ابھی کوئی عزت نہیں کرتے، ذرا سی اہمیت نہیں ہے، میری ان کی نظر میں اور خود سے چلی گئی تو رہی سہی عزت بھی دو کوڑی کی ہو کر رہ جائے گی، عارف لینے نہیں آ سکتے تھے لیکن ایک فون کال تو کر ہی سکتے تھے۔"

"تم اپنا مائنڈ میک اپ کر لو، اور بے فکر رہو تمہیں اب ایسے ہی نہیں بھیج دیں گے میں فہد سے بات کروں گی ہم دونوں عارف بھائی سے بات کریں گے وہ خود تمہیں لینے آئیں گے تب ہی تم جاؤ گی بیٹی والے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری کوئی سیلف رسپیکٹ نہیں ہے، عارف بھائی تمہیں پوری عزت سے اور اس وعدے کے ساتھ لے جائیں گے وہ تمہیں خوش رکھیں گے تب ہی تمہیں ان کے ساتھ بھیجیں گے، وگرنہ تم ہمیں بھاری نہیں ہو، تمہارے بھائی تمہارا خیال رکھنے کو ہیں اور اب اٹھو فریش ہو جاؤ، شام تک ہم شاپنگ کے لئے چلیں گے۔"

اس گھر میں سے اسے صرف محبت و اپنائیت ہی ملی، ساس اور نند بھی روایتی ساس نند نہیں بنیں تو وہ بھی روایتی بہو، بھابھی نہیں تھی، ساس ماں اور نند کو بہن سمجھتی ہے اور فہد اس نے تو اس کی سوچوں سے بڑھ کر عزت و چاہت دی جس شخص نے کبھی اس کے لئے کسی چیز کی کمی نہیں رکھی تو وہ اس کی ماں بہنوں کے ساتھ کیسے کوتاہی کر سکتی ہے۔

"تھینکس ٹیلم ورنہ تو میں سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ کیا کروں، بہت زیادہ اپ سیٹ تھی تمہاری سپورٹ نے مجھے کافی حوصلہ دیا ہے اگین تھینکس۔"

"اٹس او کے یار اور میں ذرا کچن میں جھانک آؤں فہد لنچ کے لئے آنے والے ہوں گے۔" فہد نے اپنا بزنس شروع کر لیا ہے اور دو کی جاب چھوڑ دی ہے اس نے فہد سے بات کی اور پھر انہوں نے عارف سے بات کی عارف شرمندگی محسوس کر رہا تھا کہ یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ وہ ناجیہ سے محبت کرتا ہے اور اس کے ساتھ بھی برا سلوک روا رکھتا ہے وہ رکھنا تو نہیں چاہتا مگر جب اس کی ماں کہتی ہے کہ ناجیہ دن بھر سے فون پر مصروف رہی تو کبھی سچ سنور کر باہر میں کھڑی رہی اور وہی چند اور باتیں جو وہ شادی کے بعد سے کہتیں رہیں اور اس کے ذہن میں شک آ گیا اور جس کی وجہ سے اس کا رویہ نا کے ساتھ تبدیل ہوتا چلا گیا، عارف کی ماں عارف کی شادی اپنی پسند سے کرنا چاہتی تھی اس نے جب ناجیہ کا نام لیا تو انہیں اس کی خ کے آگے چپ ہونا پڑا، مگر وہ ناجیہ سے ہیر باند چکی تھیں اور اسی لئے ناجیہ کے سامنے اچھی رہیں اور اس کے پیٹھ پیچھے بیٹے کے کان بھر رہیں اور عارف بھی عقل کا اندھا اور کچے کانوں ثابت ہوا، جو ماں نے کہا یقین کر کے بیوی کو عزت کر ڈالا، نعیم الدین کو لے کر بھی انہوں شک اس کے ذہن و دل میں ڈالا سازش سے

انہوں نے ناجیہ کو تیار ہونے کا کہا اور خود پڑوس میں چلی گئیں کہ نعیم الدین نے فون کر کے آنے کا بتا دیا تھا اور بیٹے کو فون کر کے انہوں نے بلا لیا تھا اور نتائج حسب توقع نکلے، بات طلاق کی نوبت تک پہنچ گئی مگر رات اس کی دکان پر نعیم الدین وہاں سے گزرتے ہوئے آ گئے باتوں باتوں میں کہنے لگے۔

"ویسے عارف تم کافی خوش قسمت ہو اس زمانے میں تمہیں ایک باحیا و باکردار بیوی ملی ہے میں جب ایک ہفتہ قبل تمہارے گھر آیا تو اس وقت بھابھی اکیلی تھیں اور انہوں نے مجھے گھر میں نہیں بلایا اور کہنے لگیں، بھائی صاحب اماں اور عارف گھر پر نہیں ہیں اس لئے آپ بعد میں آ جائیں یا کچھ دیر باہر رکیں میں عارف کو فون کر کے پوچھ لیتی ہوں وہ کتنی دیر میں آئیں گے اور اماں گئی تو پڑوس میں ہیں لیکن یہ مجھے نہیں پتہ کہ کس کے گھر گئی ہیں ورنہ میں اماں کو ہی بلا لیتی اس لئے آپ کو باہر رک کر انتظار کی کوفت برداشت کرنا پڑے گی، مگر انہیں تمہیں فون کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی کہ تم خود ہی آ گئے، تم سے یار اگر بھابھی کی کوئی بہن ہوتیں تو میں نے سوچنا تھا، کہ تمہاری قسمت پر تو رشک کرنے کو دل کرتا ہے کہ فی زمانہ اتنی اچھی متحاط لڑکی کا خاوند نصیبی ہی تو ہے۔" نعیم الدین نے یہ سب باپ کے پیرائے میں رہتے ہوئے کہا تھا اور وہ شرمندہ ہو گیا تھا کہ اس کی جس بیوی کی لوگ تعریف کرتے ہیں اس کے ساتھ وہ کس طرح کا سلوک رکھے ہوئے ہے، ایک ایسی بات کو بنیاد بنا کر وہ بھی کہ جس میں غلطی اس کی تھی تو خود اسی نے تو اس پر ابھارا تھا کہ پہل تو اسی نے کی تھی، نہ عمل کرتا نہ وہ آگے بڑھتی اور اگر وہ معتوب ٹھہرائی جانے کی حقدار ہے تو غلطی تو اس سے بھی ہوئی ہے سزا تو اسے بھی ملنی چاہیے خود احتسابی کے عمل سے گزر رہا تھا کہ فہد نے خود ہی رابطہ کر لیا اور وہ جو اسے لینے آنے کی باعث شرمندگی ہمت جتا نہیں پا رہا تھا، فوراً ہی چلا آیا اور اس نے اپنے سارے برے رویوں کی ناجیہ سے معافی مانگ لی، ناجیہ سے جو غلطی ہوئی اسے اس کا ادراک تھا اور وہ شرمندہ تھی اس لئے اس کی سزا ختم ہو گئی، ہمارے معاشرے میں کتنی ہی ناجیہ جیسی لڑکیاں ہیں، جنہیں اپنی غلطی کا ادراک تک نہیں ہے اسی لئے معاشرہ تباہی کی جانب رواں دواں ہے، کاش حوا کی بیٹی جان جائے کہ میٹھے خواب دکھانے والے بعد میں کس طرح نیندیں حرام کرتے ہیں اے کاش۔

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب ..... ☆
خمار گندم ..... ☆
دنیا گول ہے ..... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری ..... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں ..... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلئے ..... ☆
نگری نگری پھرا مسافر ..... ☆
خط انشا جی کے ..... ☆
بستی کے اک کوچے میں ..... ☆
چاند نگر ..... ☆
دل وحشی ..... ☆
آپ سے کیا پردہ ..... ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو ..... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبت جیون دے

ہما عامر

اس نے ہنڈا اکارڈ سڑک کے کنارے کھڑی اس لڑکی کے پاس لاکر روکی جو برستے ساون میں موسم کا حصہ لگ رہی تھی۔

"کہاں جانا ہے میں ڈراپ کر دیتا ہوں، آیئے پلیز۔" اس نے شیشہ نیچے کیا۔

"نو تھینکس۔" وہ ایک قدم پیچھے ہوئی، فقط ایک سرسری نظر شاہ میر نظامانی پر ڈالنے کے بعد اس کی متلاشی نظریں پھر سے سڑک پر جم گئی تھیں۔

"وہ آج نہ آئے گا۔" شاہ میر نے مزید کہا تو وہ چونک پڑی، اب کہ اس نے شاہ میر کو بغور دیکھا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اسے کوئی کام یاد آ گیا ہوگا یا پھر وہ بھول گیا ہوگا۔" شاہ میر نے مزید کہا، کیونکہ وہ اب کافی بھیگ چکی تھی اور شاہ میر نظامانی کو ہرگز بھی ہی گوارا نہیں تھا کہ اردگرد کھڑے راہ گیر اسے گھوریں۔

"وہ مجھے نہیں بھول سکتا، مگر آپ ہیں کون؟" اس کی آواز بھی بے حد مدھر تھی یا شاید شاہ میر کو ایسا لگا۔

"گاڑی میں بیٹھ کر بھی بات ہو سکتی ہے، تم بھیگ چکی ہو، اس طرح سڑک کنارے کھڑے رہنا ٹھیک نہیں۔" شاہ میر نے کہا تو اس نے قدم بڑھائے اور شاہ میر کے کھولے گئے دروازے سے گزر کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"آپ طلیب کو کیسے جانتے ہیں، کون ہیں

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ؟'' اس نے سوال دہرایا، شاہ میر گاڑی کو ڈیفنس جانے والے راستے پر ڈال چکا تھا۔

''مجھے شاہ میر نظامانی کہتے ہیں اور طلیب کو میں اس وجہ سے جانتا ہوں کہ وہ دو دن سے تمہیں اسی روڈ سے پک کرتا ہے۔'' شاہ میر نے ایک نظر اس کے بھیگے بھیگے چہرے پر ڈالی اور ڈیش بورڈ پر رکھے ٹشو کھینچ کر اس کی جانب بڑھائے، جسے اس نے ''تھینکس'' کہہ کر تھام لئے، مگر وہ اب شاہ میر کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی، شاید شاہ میر کی بات اس کے سر سے گزر گئی تھی، وضاحت کرنا شاہ میر کو پسند نہیں تھا۔

''بیرسٹر صاحب لاہور سے کب واپس آئیں گے۔'' وہ اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''آپ..... مسٹر شاہ میر، نانا کو کیسے جانتے ہیں، میں نے تو لائف میں کبھی آپ کا نام بھی نہیں سنا۔'' اس نے مڑ تڑا ٹشو گاڑی سے باہر اچھالا۔

''اب تو تمہیں دن رات بس یہی نام سننا ہے مصفرا وہاب۔'' گاڑی ایک جھٹکے سے گھر کے مین گیٹ کے آگے رک چکی تھی، جبکہ مصفرا وہاب حیرت سے گنگ اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ!'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''جاؤ طلیب کی خبر لو، پھر ملیں گے۔'' اس نے رسان سے کہا تو وہ ڈور کھول کر اتری اور تقریباً دوڑتی ہوئی سیاہ آہنی گیٹ کراس کر گئی، نہیں رکتا تھا، براؤن منقش دروازہ دھکیل کر وہ اندر آ گئی، اندر کے منظر نے اسے ایک پل کو چکرا دیا، طلیب الجھے الجھے حلیے میں گرینی کے سامنے بیٹھا اپنی روداد سنا رہا تھا، اسے دیکھ کر طلیب کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

''تم بے ہودہ انسان اگر اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتے تو منع کر دو کوئی زور زبردستی نہیں ہے، تم پر۔'' کچھ دیر کے لئے وہ شاہ میر نظامانی کو بھول گئی۔

''مصفرا جھگڑا بعد میں کر لینا پہلے سکون سے بیٹھ جاؤ۔'' گرینی نے تنبیہی لہجے میں کہا اور پھر سے طلیب کی جانب متوجہ ہو گئیں، جو بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا، گرینی کے متوجہ ہوتے ہی وہ شروع ہو گیا۔

''میں بہت احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا، میری گاڑی کا رخ مصفرا کے انسٹی ٹیوٹ کی جانب تھا، مجھے شک ہے کہ وہ آدمی جان بوجھ کر میری گاڑی سے ٹکرایا تھا، گرینی اس کا خون میں تر بتر چہرہ دیکھ کر میں نے بڑی مشکل سے اپنے حواس قابو کئے تھے۔'' اس نے رک کر ایک طویل سانس کھینچا اور آنکھیں موند کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

''پھر کیا ہوا طلیب!'' گرینی بے قراری سے پوچھنے لگیں، جبکہ مصفرا ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں اس شخص کو گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کرنے لگا تاکہ اسے ہسپتال لے جا سکوں، وہ ہوش میں تھا، اسی وقت ایک لینڈ کروزر میری گاڑی کے نزدیک آ رکی، دو لمبے قد کے آدمی اس میں سے نکلے تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر اس زخمی کو سہارا دیا اور مجھے کہنے لگے کہ یہ ہمارا بھائی ہے، اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے، گرینی اس شخص کی آنکھیں کسی دیوانے کی آنکھیں نہیں لگ رہی تھیں، انہوں نے اسے لینڈ کروزر میں بٹھایا اور چلے گئے، میری دماغی کیفیت کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے، میں اس وقت سب کچھ بھول گیا تھا، میں مصفرا کو بھی بھول گیا تھا، سو بنا سوچے سمجھے گھر چلا آیا۔'' اس نے بات ختم کر کے پھر سے آنکھیں بند کر لیں، شاید

اس کا ذہن اب بھی منتشر تھا، جبکہ مصفرا کے ذہن میں شاہ میر نظامانی کے کہے گئے فقرے گونج رہے تھے۔

''شاید وہ بھول گیا ہو، طلیب کو میں اس وجہ سے جانتا ہوں کہ وہ دو دن سے تمہیں اس روڈ سے پک کرتا ہے، جاؤ طلیب کی خبر لو۔''

''تو کیا وہ آدمی شاہ میر نظامانی کا بھیجا ہوا تھا؟'' کوئی سرا مصفرا کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

''مصفرا بیٹا جاؤ دیکھو گل جان نے روٹیاں ڈال لی ہوں تو کھانا لگاؤ۔'' گرینی کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں لے آئی، اس نے طلیب کو دیکھا جو موبائل کان سے لگائے آفس میں تازہ صورتحال کی اطلاع دے رہا تھا، وہ کچن میں چلی آئی، رجو گل جان سے ڈانٹ سن رہی تھی۔

''تمہارا ہاتھ میں تو صفائی کا نام نہیں ہے، سارا برتن گندا ہوتا ہے، چکنائی لگا ہوتا ہے، ہم آپا کو تمہارا شکایت کرے گا۔'' انہوں نے گرینی کا حوالہ دیا، جبکہ منہ بنائے، مزید رگڑ رگڑ کر برتن صاف کرنے لگی، اس نے گل جان کو سلام کیا جس کا انہوں نے شفقت سے جواب دیا۔ وہ اس گھر کی پرانی ملازمہ تھیں، مصفرا کی پرورش ان کے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔

''گل جان! روٹیاں بن گئی ہوں تو کھانا لگا لوں۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں لگا لو، رقیہ بہو کو اتنی دیر جانے کیوں ہو گئی ہے۔'' گل جان نے اسے جواب دے کر کچن کی کھڑکی سے جھانکا جہاں سے داخلی گیٹ اور لان کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا، بارش اب بھی ہو رہی تھی۔

''کہاں گئی ہیں آنٹی؟'' اس نے گل جان کی خود کلامی سن لی تھی۔

''ماہا کے ساتھ ڈاکٹر احمد کے کلینک گئی ہیں، سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی، موسم بھی تو بدل رہا ہے، رات کو تو کافی ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔'' گل جان نے دہائی دی تو اسے بھی اپنے گیلے کپڑوں کا خیال آیا اور وہ شاہ میر نظامانی کو کوستی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تاکہ پہلے کپڑے تبدیل کرے اور پھر میز پر کھانا لگا لے، جتنی دیر میں اس نے کھانا لگایا، اتنی دیر میں آنٹی اور ماہا بھی کلینک سے آ گئے تھے، آنٹی آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئیں، جبکہ ماہا ان سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونے آ بیٹھی۔

''ڈاکٹر احمد نے کیا کہا؟'' گرینی نے ماہا سے پوچھا۔

''کہہ رہے تھے کہ پرہیز کی ضرورت ہے۔'' ماہا نے بتایا۔

''پرہیز تمہاری ماں کے لئے مشکل ہے، رات بھی اس نے ٹھنڈا اور یخ جوس پی لیا ہے تب ہی تو تکلیف بڑھ گئی ہے۔'' گرینی سب کی خبر رکھتی تھیں، گرینی اپنی پلیٹ پر جھک گئیں، ماہا بھی کھانا نکالنے لگی۔

''طلیب! تم شاہ میر نظامانی کو جانتے ہو؟'' اس نے خاموشی سے کھانا کھاتے طلیب کو مخاطب کیا۔

''نظامانی گروپ آف انڈسٹریز کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل ہے، امریکہ سے ایم بی اے کر کے آیا ہے، کم عمری میں ہی اس نے بزنس کی دنیا میں اپنی دھاک بٹھا دی ہے، ایک بزنس میگزین میں اس کا انٹرویو لگا تھا، ساتھ ہی تصویریں بھی تھیں، غضب کی پرسنالٹی ہے، بندے کو مولا نے ہر طرف سے نوازا ہے۔'' طلیب کا انداز توصیفی تھا۔

''مگر تم مانو تم کیسے جانتی ہو اسے؟'' طلیب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں، میں تو نہیں جانتی، ایکچوئلی انسٹی ٹیوٹ میں ایک لڑکی بہت ذکر کر رہی تھی، شاید اس نے بھی وہ بزنس میگزین والا انٹرویو پڑھا تھا۔'' مصفرا نے بات بنائی تو وہ سر ہلا کر پھر سے پلیٹ پر جھک گیا، جبکہ اس کے لئے سوچوں کے کئی در وا ہو چکے تھے۔

☆☆☆

''فرید خان اب کیسا ہے؟'' وہ اپنے سامنے کھڑے لمبے قد کے شخص سے مخاطب تھا جس کا انداز مودبانہ تھا۔

''سائیں! اب تو وہ بہتر ہے، آپ کا کام تو ہو گیا نہ۔'' اس کا انداز فدویانہ تھا۔

''ہونہہ میرا کام تو ہو گیا۔'' اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

''کل کے لئے کیا حکم ہے سائیں؟'' لمبے قد کے آدمی نے پوچھا۔

''نہیں نواز حسین کل کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم اب جاؤ، کوئی کام ہوا تو میں تمہیں بلوا لوں گا۔'' اس کا حکم سنتے ہی نواز حسین نے جھک کر اس کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیا اور پھر کمرے سے باہر چلا گیا، یہ تھا اس کا خاص ملازم جو اس کے ایک اشارے پر اپنی جان بھی قربان کر سکتا تھا، نواز حسین کی طرح ان کے کئی جانثار تھے، جن میں ایک فرید بھی تھا، جس نے آج دوپہر کے وقت برستی بارش میں خود کو طلیب عباد کی گاڑی سے ٹکرا دیا تھا، نصیب اچھے تھے جو بچت ہو گئی تھی، فرید خوش تھا کہ سائیں کا کام ہو گیا، یہ سارے جانثار گاؤں کی مٹی میں پیدا ہوئے، جو اس کے دادا اور باپ کا گاؤں تھا، وہ وہاں کے بڑے جاگیردار تھے، اب کی مستقل رہائش شہر میں تھی، البتہ گاؤں آنا جانا بھی لگا رہتا تھا، ان کی ایک پکار پر وہاں جوان دوڑے چلے آتے تھے، حاکم نظامانی ان کے مائی باپ تھے، مرحوم عالمگیر نظامانی کے لئے ان کے دل اب بھی روتے تھے، شاہ میر میں انہیں اس کے باپ کی جھلک نظر آتی تھی، جہانگیر نظامانی جو کہ حاکم نظامانی کے چھوٹے بیٹے تھے ان کی عزت بھی گاؤں والوں کے دلوں میں وہی ہی تھی جیسی کہ کبھی سائیں عالمگیر کی تھی، حاکم نظامانی اپنے بچوں کے ساتھ نظامانی لاج میں رہائش پذیر تھے، جو کہ کلفٹن کے علاقے میں واقع تھا، شاہ میر نے حال ہی میں اپنے شوق کے پیش نظر شہر کے دوسرے سرے پر ایک کوٹھی تعمیر کروائی تھی، اس کے حلقہ احباب میں ''رونق پیلس'' کی طرز تعمیر اور آرائش کا چرچا تھا، تقریباً دس روز پہلے وہ اپنے ماموں شاہنواز سے ملنے ان کے انسٹی ٹیوٹ گیا تھا، جہاں کمپیوٹر کلاسز ہوا کرتی تھیں، اسے اپنے آفس کے لئے ایک کمپیوٹر انجینئر کی ضرورت تھی، وہ شاہنواز احمد کے آفس سے دو قدم کے فاصلے پر تھا، جب وہ پری پیکر ان کے کمرے کے اندر سے نکلی تھی، کچھ دیر کے لئے شاہ میر ٹھٹھک گیا تھا، گلابی شلوار دوپٹہ اور سفید قمیض میں ملبوس تھی، قمیض پر گلابی ڈوری کا کام بنا ہوا تھا، سفید بیگ کندھے پر لٹکائے وہ خود میں مگن شاہ میر کے نزدیک سے گزرتی چلی گئی اس کے ملبوس کی خوشبو نے شاہ میر کے نزدیک حصار قائم کرنا چاہا تھا، مگر وہ آگے بڑھ کر شاہنواز احمد کے آفس میں داخل ہو گیا، البتہ اس کا دل پری پیکر کے قدموں میں ہی کہیں رہ گیا تھا، شاہنواز احمد لیپ ٹاپ سامنے رکھے کچھ کام کر رہے تھے، کچھ دیر تک اسے یاد نہیں آیا کہ وہ یہاں کس کام سے آیا تھا، مگر جلد ہی اس نے خود کو کمپوز کر لیا۔

''شاہ میر نظامانی ایک لڑکی کو دیکھ کر اس طرح بے بس نہیں ہو سکتا۔'' یہ بات اس نے دل

میں خود سے کہی تھی اور پھر شاہنواز احمد کی جانب متوجہ ہوا جو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، دوسرے دن وہ پھر سے شاہنواز احمد کے دفتر چلا آیا آج وہ اس لڑکی کا نام پتا جاننا چاہتا تھا، جس کی وجہ سے رات بھر نیند اس کی آنکھوں سے فرار رہی تھی، مگر آج وہ اس لڑکی کی جھلک سے بھی محروم رہا تھا جس کا نام بھی اسے معلوم نہیں تھا، وہ دن مزید اسی طرح گزرے اب تو شاہنواز بھی اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے تھے، وہ بھانجا جس کی صورت دیکھنے کے لئے وہ ترسا کرتے تھے، وہ بہانے بنا بنا کر ان کے انسٹی ٹیوٹ کے چکر لگا رہا تھا، سو اس نے اگلے دن آنے کا ارادہ ترک کر دیا، دو دن بعد وہ اسی روڈ سے گزر رہا تھا، آج ڈرائیور اس کے ساتھ تھا، وہ پری پیکر انسٹی ٹیوٹ کے باہر سڑک پر کھڑی تھی، آج اس نے براؤن شرٹ اور وائٹ شلوار دوپٹہ پہن رکھا تھا، اس نے بے اختیار سوچا کہ ڈرائیور سے کہے کہ گاڑی اس کے نزدیک لے جا کر روکے۔

''اب وہ اسے نہیں کھوئے گا۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا، اس کی گاڑی کے آگے دوڑتی کورے اس لڑکی کے پاس جا رکی اور وہ لڑکی بلا توقف اس میں بیٹھ گئی، شاہ میر کے کہنے پر ڈرائیور نے ہنڈا اکارڈ کورے کے پیچھے لگا لی، اسی طرح اس نے مصفرا کا گھر دیکھ لیا، دوسرے دن شاہ میر نے ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیا تھا، پری پیکر کے انسٹی ٹیوٹ سے باہر آتے ہی کورے چراغ میں سے نکلے جن کی طرح حاضر ہو جاتی تھی، سو اس نے اپنے دو جانثاروں کو مصفرا کا باہیو ڈیٹا معلوم کرنے کی ذمہ داری سونپ دی، دوسرے دن رات کا وقت تھا جب وہ دونوں معلومات مکمل کر کے لے آئے، اس کا نام مصفرا وہاب تھا، وہ بیرسٹر الیاس حیدر کی بہن کی نواسی تھی، اس کی پرورش بیرسٹر الیاس حیدر کے گھر پر ہی ہوئی تھی، کیونکہ اس کی ماں اسے پیدا کرتے ہی چل بسی تھی، باپ کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ایک خاندانی جھگڑے میں مار دیا گیا تھا، الیاس حیدر اسے اپنے گھر لے آئے تھے، الیاس حیدر کے دو بیٹے تھے، عباد احمد اور نیاز احمد، عباد احمد بزنس مین تھے جبکہ نیاز احمد آرمی میں کرنل تھے، طلیب عباد اور مصفرا وہاب آپس میں بیسٹ فرینڈ تھے، طلیب اسے انسٹی ٹیوٹ سے پک اینڈ ڈراپ کرتا تھا، مصفرا کی اس کی زندگی میں بہت اہمیت تھی، شاہ میر یہ بات سن کر ہونٹ بھینچ گیا، یہ تمام معلومات بیرسٹر الیاس حیدر کی کوٹھی کے ایک ملازم سے ملی تھیں۔

☆☆☆

وہ رونق پیلس سے نکل کر نظامانی لاج پہنچا تو سفینہ عالمگیر وہیل چیئر پر اس کی منتظر تھیں۔

''مما! آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔'' اس نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے۔

''کتنے دن ہو گئے ہیں تمہاری صورت نہیں دیکھی، رات کو دیر سے آتے ہو، صبح پتا چلتا ہے کہ سائیں تو آفس چلے گئے۔'' ان کے لہجے میں خفگی کی جھلک تھی۔

''آئم سوری، وہ آفس کے کام کا سارا برڈن بھی تو آج کل مجھ پر ہی ہے، چاچو تو لگتا ہے کہ لندن کے آفس کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔'' اس نے جہانگیر نظامانی کی بابت کہا جو اپنی بیگم کے ساتھ پچھلے تین مہینوں سے لندن میں مقیم تھے، لندن میں سفینہ اور رفیعہ کے بڑے بھائی رہائش پذیر تھے۔

''جہانگیر کا فون آیا تھا، تمہارا پوچھ رہے تھے، کہہ رہے تھے کہ کیا تمہاری مصروفیات بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ گئی ہیں، جو تمہیں انہیں فون کرنا یاد نہیں رہتا۔" سفینہ نے اسے جہانگیر کا پیغام دیا، تو وہ سر پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"اوہ گاڈ میں غلطی کر چکا ہوں، سونے سے پہلے انہیں کال کر لوں گا۔" اس نے ان کی تسلی کے لئے کہا۔

"میں کھانا لگواتی ہوں تم فریش ہو کر آ جاؤ۔" انہوں نے خودکار سسٹم کے تحت وہیل چیئر کو پیچھے کیا تو وہ بھی سر ہلاتا ہوا اپنے بیڈ روم کی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا، کھانا وہ کھا چکا تھا لیکن ماں کی دلجوئی کی خاطر اس نے کچھ نہ کہا۔

☆☆☆

بیرسٹر الیاس کو صبح جاگنگ کرنے کی عادت تھی، رات گئے سونے کے باوجود بھی وہ علی الصبح بیدار ہو جایا کرتے تھے، اب تو گھر کا سناٹا بھی انہیں کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا، اپنی شریک حیات خالدہ کا خیال نہ ہوتا تو وہ رات بھی چیمبر میں گزار دیتے، دو بیٹے قدرت نے عطا کیے تھے، دونوں ہی زندگی کی دوڑ میں گم تھے، بڑا بیٹا عباد احمد اپنی بیوی اور ڈیڑھ سالہ بیٹے طلیب کے ساتھ ناروے میں مقیم تھا، وہ وہاں کوئی کورس کر رہا تھا، اس کی بیوی پھر سے امید سے تھی، اس بات کو لے کر خالدہ پہروں پریشان رہتی تھیں کہ پردیس میں بہو کا خیال کون رکھے گا، جواب میں بیرسٹر صاحب بیٹے کے الفاظ دہراتے کہ وہاں ڈیلیوری کی صورت میں بچے کو وہاں کی شہریت مل جائے گی، دوسرا بیٹا نیاز احمد آرمی میں تھا، اس کی پوسٹنگ ان دنوں بہاولپور میں تھی، اس کی بھی چھ ماہ کی بیٹی تھی ماہا، اس کا نام بیرسٹر صاحب نے ہی تجویز کیا تھا، دوڑتے دوڑتے وہ گھر کے نزدیک بنے پارک کے گیٹ نمبر دو تک پہنچ گئے، میونسپل کارپوریشن کے بنائے گئے اس پارک کے چار گیٹ تھے، گیٹ نمبر دو بیرسٹر صاحب کے گھر کے نزدیک تھا، بیرسٹر صاحب کا خیال تھا کہ بارش ضرور ہو گی، اتنے میں ایک سیاہ کار پارک کے گیٹ کے پاس آ کر رکی، گاڑی سے اترنے والی ہستی نے خود کو سیاہ لبادے میں ڈھانپ رکھا تھا، اس کے سرخ و سفید چہرے کی دلکشی نے عمر کے ماہ و سال کو چھپا رکھا تھا، اس نے ہاتھوں میں کچھ اٹھا رکھا تھا، کوئی گٹھری سی تھی وہ عورت چند قدم آگے بڑھی اور پارک کے گیٹ کے آگے وہ بوجھ رکھ دیا اور پلٹ کر گاڑی کی جانب بڑھنے لگی، اسی وقت آسمان سے پہلا قطرہ زمین پر گرا تھا، گاڑی آگے بڑھ چکی تھی، مگر اب اس گٹھری میں حرکت ہو رہی تھی، شاید اسے زمین کا لمس پسند نہیں آیا تھا یا پھر بادل کے آنسو۔

☆☆☆

پرہجوم ٹریفک سے گزر کر طلیب نے گاڑی انسٹی ٹیوٹ کی عمارت کے نزدیک سائیڈ پر روکی تو مصفرا اپنی جانب کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"طلیب تم واپسی پر مجھے لینے مت آنا، مجھے فائزہ کی طرف جانا ہے، وہ بہت دنوں سے کہہ رہی ہے کہ اس کے پاپا پیرس سے کچھ اینٹیک ڈیکوریشن لے کر آئے ہیں، فائزہ وہ مجھے دکھانا چاہ رہی ہے۔" اس نے سوچا سمجھا بہانہ گھڑا۔

"فائزہ کے گھر سے واپس کیسے آؤ گی مانو۔" وہ شروع سے ہی اس کی کیئر کرتا تھا، بلیک پینٹ پر اسکائی بلیو شرٹ اور میرون ٹائی لگائے وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔

"فائزہ اپنی گاڑی میں چھوڑ جائے گی۔" اس نے قصداً سڑک پر دیکھا، طلیب کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ کبھی بھی جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

"پھر بھی اگر میری یاد بے چین کرے تو آواز دے لینا۔" اگنیشن میں چابی گھماتے

ہوئے وہ شوخ ہوا، وہ کچھ دیر اسی جگہ کھڑی اس کی دور ہوتی گاڑی کو دیکھتی رہی، پھر انسٹی ٹیوٹ کی عمارت کی جانب بڑھنے لگی، کلاس کے دوران بھی وہ تمام وقت یہی سوچتی رہی کہ کیا آج شاہ میر نظامانی اس سے رابطہ کرتا ہے یا نہیں، کل اس کی باتوں سے مصفرا کی سوچ بہت الجھ گئی تھی، اگر آج وہ رابطہ کرے گا تو میں ضرور پوچھوں گی کہ اسے میرے متعلق اتنا سب کیسے معلوم ہوا، کل جو کچھ طلیب کے ساتھ ہوا اس میں بھی شاہ میر کا ہی ہاتھ ہو گا۔

"آر یو او کے مس، وہاب۔" انسٹرکٹر کی آواز اسے حال میں لے آئی، کلاس ختم ہونے پر وہ عمارت سے باہر آ کر سڑک کے کنارے اسی جگہ کھڑی ہو گئی جس جگہ سے کل اسے شاہ میر نے لفٹ دی تھی، وہ اردگرد سے گزرتے راہ گیروں اور گاڑیوں کو دیکھنے لگی، کچھ وقت سرک گیا، اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون پر ٹائم دیکھا، پندرہ منٹ گزر چکے تھے، سڑک پر سے ان گنت گاڑیاں گزر رہی تھیں اب وہ مایوس ہونے لگی تھی، شاید مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے اس نے خود کو باور کروایا اور ٹیکسی دیکھنے لگی، اسی لمحے میرون لینڈ کروزر اس کے نزدیک آ کر رکی۔

"کس کا انتظار کر رہی ہو۔" شاہ میر نے کھڑکی کا شیشہ کھولا، وہ کچھ فاصلے پر گاڑی روکے اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابھی تک طلیب اسے لینے کیوں نہیں آیا۔

"آپ کا انتظار تھا مسٹر شاہ میر۔" وہ اعتماد سے کہتی ہوئی گھوم کر دوسرے دروازے کی جانب آئی تو شاہ میر نے مسکراتے ہوئے آٹومیٹک سسٹم کے تحت لاک کھول دیا، مصفرا کے بیٹھنے کے بعد اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"تمہارا کزن نہیں آیا آج۔" اس نے ایک بھرپور نگاہ مصفرا پر ڈالی، انگوری رنگ کے لینن کے میں اس کی آنکھوں نے بھی سوٹ کا رنگ چرا لیا تھا۔

"میں نے اسے منع کیا تھا، مسٹر شاہ میر آپ بتایئے کہ آپ بار بار کیوں میرے راستے میں آ رہے ہیں؟ میرے متعلق اتنا کچھ کیوں جانتے ہیں؟ اور کل جو کچھ طلیب کے ساتھ ہوا مجھے شک ہے اس کے ذمہ دار بھی آپ ہیں۔" وہ کڑے تیوروں سے پوچھ رہی تھی، شاہ میر اس کے انداز پر ہنس دیا۔

"مجھے اس طرح کی پوچھ گچھ کی عادت نہیں ہے۔" اس نے مصفرا کی ست رنگی آنکھوں میں جھانکا، تو اس نے جھٹ نظریں جھکا لیں، اس کی براؤن چمکتی آنکھوں میں بے پناہ وارفتگی تھی، اس سے ملتی جلتی کیفیت اسے طلیب کی آنکھوں میں بھی نظر آتی تھی، مگر کبھی دل کی ایسی حالت نہیں ہوئی تھی، وہ کوئی کمزور دل پھینک لڑکی نہیں تھی کہ جہاں کوئی اچھا لڑکا نظر آیا دل نے لے ہی بدل لی۔

"شاہ میر سے بھی وہ اتنی جلدی ہار نہیں مانے گی۔"

"کیا سوچ رہی ہو زیست۔" اس نے پکارا۔

"کیا...... کیا کہا زیست، میرا نام مصفرا ہے۔" خود کو سنبھال کر وہ بولی۔

"ہونہہ...... جانتا ہوں مگر میرے لئے تو تم زیست ہی بنتی جا رہی ہو، دل تمہیں آس پاس اپنے پاس پاس دیکھنا چاہتا ہے۔" شاہ میر نے جذب سے کہا، اچانک مصفرا کی توجہ اجنبی راستوں پر مرکوز ہوئی۔

"کہاں لے جا رہے ہیں آپ مجھے۔" اس نے خود کو شاہ میر کے لفظوں کے سحر سے بچانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کی۔

"تمہارے ساتھ لنچ کا موڈ بن گیا ہے۔" اس نے ایک ریسٹورنٹ کے آگے لینڈ کروزر پارک کی۔

"دیکھئے میں آپ کے ساتھ لنچ کرنے نہیں آئی، مجھے اپنے سوالات کے جوابات چاہئیں، اسی لئے میں آپ کی گاڑی میں بیٹھ گی ورنہ مجھے ہر کسی سے لفٹ لینے کی عادت نہیں ہے۔"

"جواب بھی دے دوں گا، مگر لنچ کے دوران چلو باہر آؤ۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ بے بس ہو گئی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ غلطی کر رہی ہے، شاہ میر کی گاڑی میں بیٹھنا بھی اس کی غلطی تھی، مگر وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی، کل جو کچھ طلیب کے ساتھ ہوا تھا، وہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔

"کیا کھانا پسند کرو گی زیست۔" وہ اس کے سامنے براجمان پوچھ رہا تھا۔

"کچھ بھی۔" اس کا منہ بن گیا تھا، ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"اپنا موڈ ٹھیک کرو میں لنچ کے بعد تمہارے سوالوں کے جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔" تب اس نے مجبوراً مسکرانے کی کوشش کی، لنچ کے دوران وہ اصرار کر کے اسے ایک ایک چیز پیش کرتا رہا، لنچ کے بعد اس نے مصفرا کے لئے آئسکریم اور اپنے لئے کافی منگوائی، کافی آنے کے بعد وہ شروع ہوا۔

"میں نے پہلی دفعہ تمہیں انکل شاہنواز کے انسٹی ٹیوٹ میں دیکھا تھا، اس رات میں نے پلک تک نہیں جھپکی تھی، تب مجھے احساس ہوا کہ تم میری زیست ہو۔" اور پھر وہ اسے ایک ایک کر کے سب کچھ بتاتا چلا گیا، مصفرا دھڑکتے دل کے ساتھ سب کچھ سن رہی تھی، جب شاہ میر نے بتایا کہ اس کے حکم پر فرید خان کل دوپہر طلیب کی گاڑی سے ٹکرایا تھا، اس کی بات کے اختتام پر مصفرا کو اپنے ہاتھوں اور پیروں سے جان نکلتی محسوس ہوئی، اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔

"تم ٹھیک تو ہو ناں زیست۔" وہ اس کی جانب جھکا فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"ایسی دل کو چیر دینے والی باتیں سن کر کوئی کیسے ٹھیک رہ سکتا ہے، بے حسی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپ اپنے ملازموں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ سرد مہری لئے ہوئے تھا۔

"فرید خان اب ٹھیک ہے تمہارے حصول کے لئے اگر مجھے خود کو خطرے میں ڈالنا پڑا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

"لیکن اگر وہ مر جاتا تو طلیب خوامخواہ پھنس جاتا۔" مصفرا نے اس کا دوسرا فقرہ نظر انداز کر دیا۔

"تمہیں اس کی بہت پرواہ ہے۔" اس کے لہجے سے حسد چھلک رہا تھا۔

"ہاں کیونکہ وہ بھی میری بہت پرواہ کرتا ہے۔" اس نے جان بوجھ کر کہا۔

"تم اس دنیا میں صرف شاہ میر نظامانی کے لئے بھیجی گئی ہو۔" اب کہ اس نے ٹیبل پر رکھا مصفرا کا مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا، جسے چھڑا کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت دیر ہو گئی ہے مجھے جانا ہے۔" مصفرا کے کہنے پر وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر کھڑا ہو گیا، بل تو وہ پہلے ہی پے کر چکا تھا، لینڈ کروزر اس نے مصفرا کے گھر سے کچھ دور ہی روک دی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا زیست۔" اس نے کہا وہ سر ہلاتی ہوئی گھر کے مین گیٹ کی جانب بڑھ

گئی۔

"پتا نہیں کیوں میں اس شخص کے سامنے کمزور پڑ رہی ہوں۔" اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ بہت دیر تک سوچتی رہی۔

☆☆☆

گیٹ نمبر ایک گزر گیا تھا اور اب گیٹ نمبر دو سے ہوتے ہوئے وہ اپنے گھر کی جانب بڑھ جاتے، گیٹ نمبر دو کے نزدیک پہنچ کر وہ ٹھٹھک گئے، ان کی سماعت سے کسی بچے کی رونے کی آواز ٹکرائی تھی، انہوں نے چونک کر گیٹ نمبر دو کے پاس زمین پر دیکھا سفید کپڑے کی گٹھری سی ہل رہی تھی، آواز بھی اسی میں سے آ رہی تھی، بیرسٹر صاحب نے اپنی رفتار کو بڑھا دیا اور نزدیک جا کر دیکھا، وہ ایک خوبصورت بچہ تھا اور پورا بھیگ چکا تھا، انہوں نے جھک کر اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا، اس وقت انسانیت کی اس تذلیل پر بادل کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں بھی برسنے لگیں، وہ اب تیز قدموں سے گھر کی جانب بڑھ رہے تھے، گھر پہنچنے پر خالدہ بیگم انہیں اپنی منتظر ملیں۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی، یہ کیا اٹھا رکھا ہے آپ نے؟" انہیں کسی انہونی کا اندیشہ ہوا، بیرسٹر صاحب کے چہرے پر چھائی سنجیدگی بھی انہیں پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی، جواباً انہوں نے وہ بچہ بیگم کی گود میں ڈال دیا۔

"ارے...... یہ کہاں سے لے آئے آپ؟" ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"پارک کے گیٹ کے آگے ڈال گیا تھا کوئی۔" ان کی آواز میں بھی سنجیدگی پائی جاتی تھی۔

"گل جان سے کہیئے کہ اسے گرم پانی سے نہلا کر صاف کپڑے میں لپیٹ دیں، مارکیٹ کھلنے پر میں اس کی ضرورت کا سارا سامان منگوا دوں گا۔" وہ سوچ چکے تھے۔

"لیکن بیرسٹر صاحب پتا نہیں ہے کہ یہ کس خاندان کا خون ہے، اس طرح......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی، بیرسٹر صاحب نے چند لمحے اپنی شریک زندگی کو پرسوچ نظروں سے دیکھا اور پھر بولے۔

"کسی بھی خاندان کا خون ہو، مگر نسل آدم کا خون ہے نہ۔" آوازیں سن کر گل جان بھی چلی آئیں، گل جان شادی کے کچھ عرصے کے بعد بیوہ ہو گئی تھیں پچھلے سال بیرسٹر اور خالدہ، الیاس نادرن ایریاز گھومنے گئے تھے جب ادھر سے ہی گل جان اپنے ساتھ لے آئے تھے، کیونکہ گل جان کا کوئی قریبی عزیز نہیں تھا، کہنے کو وہ گھر کی ملازمہ تھیں پر بیرسٹر صاحب انہیں بے حد عزت دیتے تھے۔

"اوئی اللہ یہ کہاں سے آیا۔" گل جان بھی بچہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں۔

"اسے کوئی پارک کے گیٹ پر چھوڑ گیا تھا، میں اسے وہاں سے اٹھا کر لایا ہوں یہ اب ہمارے ساتھ ہی رہے گا اور ہاں......" انہوں نے کچھ توقف کر کے ان دونوں کو دیکھا۔

"آپ دونوں یہ بات ہرگز کسی سے نہیں کہیں گی، سب کو یہی بتایئے گا کہ یہ ہماری بھانجی محمودہ کا بچہ ہے، محمودہ کے مرنے کے بعد ہم اسے گاؤں سے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔" خالدہ الیاس نے ان کی بات سن کر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر بیرسٹر صاحب کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر انہوں نے ہونٹ بھینچ لئے، اب کچھ کہنا بے کار تھا، کیونکہ بیرسٹر صاحب اس بچی کو اپنانے کا ارادہ کر چکے تھے، انہیں ان کے ارادے سے ہٹانا ناممکن تھا، یہ بات وہ اچھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح جانتی تھیں۔

''جاؤ گل جان بچے کو نہلا کر صاف کپڑے میں لپیٹ دو کہیں بیمار نہ ہو جائے۔'' ان کے لہجے میں تفکر تھا، گل جان بچے کو خالدہ بیگم کے ہاتھوں سے لے کر اندر چلی گئیں، مگر کچھ ہی دیر بعد بوکھلائی ہوئی واپس آئیں۔

''صاحب! وہ لڑکی ہے، خدا کی مار ہو بدبختوں کو، ذرا خیال نہیں ہوا مار دل پانی پانی ہو گیا اس کو دیکھ کر اتنا خوبصورت بچی ہے، پیدا کرنے والے کو پیار نہیں آیا ہوگا اس پر۔'' گل جان کہہ رہی تھی اور بیرسٹر صاحب کے چہرے کی سنجیدگی میں اضافہ ہوا جا رہا تھا، جبکہ خالدہ الیاس خاموش بیٹھی شوہر کے تاثرات جانچ رہی تھیں۔

''آج سے اس بچی کا نام مصفرا ہے، مصفرا وہاب، میں کچھ دن میں اس کا برتھ سرٹیفکیٹ بنوالوں گا۔'' بیرسٹر صاحب نے اس کا نام بھی سوچ لیا، وہاب محمودہ کے مرحوم شوہر کا نام تھا، اس طرح مصفرا، بیرسٹر الیاس کے گھر میں پلنے لگی، وہ سال بھر کی تھی جب عباد اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان لوٹ آیا، ڈھائی سالہ طلیب اور تقریباً سال بھر کی اطیبہ گھر میں رونق سی ہو گئی تھی، گل جان کے ذمہ مصفرا کی ذمہ داری تھی، اب تو خالدہ بیگم کو بھی پوتے پوتی سے فرصت نہیں تھی، البتہ بیرسٹر صاحب اب بھی اسے اولین دن جیسی اہمیت دیتے تھے، جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اپنی جگہ خود بناتی گئی، نا چاہتے ہوئے بھی خالدہ بیگم بے اختیار اسے چوم لیتیں اور طلیب تو اس کا دیوانہ تھا، وہی تھا جو خالدہ بیگم کے دل میں مصفرا کے لئے جگہ بنا رہا تھا۔

''گرینی دیکھیں مصفرا کی آئیز بالکل مانو بلی جیسی ہیں، پیرٹ گرین سوٹ میں بالکل ڈریس جیسی لگ رہی ہیں۔'' یوں وہ اسے ''مانو'' کہنے لگا تھا، کبھی کہتا ''مانو کے بال تو سیم بارنی کے بالوں جیسے ہیں۔'' جیسے جیسے وقت گزرتا گیا طلیب کی زندگی میں مصفرا کی اہمیت بڑھتی گئی، تقریباً پانچ سال بعد نیاز احمد کی پوسٹنگ کراچی ہو گئی یوں وہ سب بیرسٹر صاحب کے زیر سایہ رہنے لگے، نیاز احمد کے بھی دو ہی بچے تھے، نیب اور ماہا جو آرمی اسکول میں پڑھتے تھے، جبکہ مصفرا، طلیب اور اطیبہ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے، بچے تعلیمی مدارج طے کرتے گئے نیب لندن چلا گیا تھا، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے، ماہا بی ایس سی کر کے فارغ تھی، آگے پڑھنے کا ارادہ نہیں تھا، جبکہ طلیب الیکٹریکل انجینئر تھا اور ایک ملٹی نیشنل فرم میں اچھی پوسٹ پر جاب کر رہا تھا، اطیبہ کو شروع سے ہی کمر میں پڑھنے کا شوق تھا اسی شوق کے زیر اثر وہ لاہور سدھار چکی تھی اور اپنی خالہ کے گھر پر اس کی رہائش تھی، جبکہ مصفرا کامرس میں بیچلر کی ڈگری لینے کے بعد اب اسے جانے کیا سمائی تھی کہ وہ آئی ٹی کے مختلف کورسز کر رہی تھی۔

☆☆☆

''مانو! تم آج کل کچھ اجنبی سی لگنے لگی ہو۔'' وہ کچن میں شام کی چائے بنا رہی تھی جب طلیب اس کے پیچھے چلا آیا، نادانستہ ہی وہ اس سے گریز برتنے لگی تھی، انسٹی ٹیوٹ بھی خود آنے جانے لگی تھی، گھر میں بھی ہاتھ نہیں لگتی تھی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے طلیب تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔'' وہ چائے کی کیتلی میں ڈالنے لگی، اپنے دل کا کیا کرتی جو شاہ میر نظامانی کی جانب ہمکنے لگا تھا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' طلیب نے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی، گھونٹ گھونٹ پانی پیتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا، جو اس کی نگاہیں چرائے خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی۔

''دادو سے بات ہوئی تمہاری۔'' وہ موضوع بدل کر پوچھنے لگا۔

''کل شام ان کا فون آیا تھا میں نے ہی ریسو کیا تھا، بتا رہے تھے کہ پرسوں واپس آ رہے ہیں۔'' بیرسٹر صاحب کسی اہم کام کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے تھے۔

''اور تم میری زندگی میں کب آؤ گی۔'' اس کے معنی خیز لہجے پر مصفرا کے ہاتھ کپکپائے تھے۔

''طلیب کبھی سنجیدہ ہو جایا کرو۔'' وہ ٹرے اٹھاتے ہوئے گویا ہوئی اور اس کے نزدیک سے گزر کر کچن سے باہر آ گئی، پیچھے سے طلیب کی آواز کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''میں تو از حد سنجیدہ ہوں مگر تم جانے کب سنجیدہ ہو گی۔'' وہ چائے کی ٹرے لئے گرینی کے کمرے میں آ گئی جہاں دونوں آنٹیاں موجود تھیں، وہ چائے دے کر باہر نکلی تو ماہا ٹیلیفون کا ریسور رکھ رہی تھی، اسے دیکھ کر بول پڑی۔

''پتا نہیں کون بادوق ہے جسے میری آواز پسند نہیں آئی۔''

''پھر تو وہ بد ذوق ہی ہو گا۔'' مصفرا نے مسکرا کر کہا، تو وہ ہنستی ہوئی گرینی کے کمرے میں چلی گئی، جبکہ مصفرا کچن کی جانب جانے لگی تاکہ اپنا چائے کا مگ لے سکے، وہ کچن سے چند قدموں کے فاصلے پر تھی جب ٹیلیفون کی بیل دوبارہ بج اٹھی، تب وہ منہ بنا کر ٹیلیفون انسٹرومنٹ کی جانب بڑھنے لگی۔

''ہیلو۔'' اس نے ریسور اٹھایا۔

''تھینک گاڈ زیست تم ہی ہو نا۔'' دوسری جانب شاہ میر تھا۔

''آپ..... آپ نے یہاں کا نمبر کہاں سے لیا اور فون کیوں کیا ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''تم جانتی تو ہو میرے لئے کچھ مشکل نہیں ہے، آج تم انسٹی ٹیوٹ کیوں نہیں گئیں، میں نے تمہارا انتظار کیا تھا، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اس کے لہجے میں تفکر جھلک رہا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور انسٹی ٹیوٹ چھوڑ رہی ہوں، کیونکہ مجھے اس طرح آپ کا ملنا ٹھیک نہیں لگتا، سنا آپ نے اور اب پلیز اب اس نمبر پر کال مت کیجئے گا۔'' اس نے لہجے کو سخت بنانے کی کوشش کی۔

''او کے پھر میں تمہارے گھر آ جاتا ہوں، گھر پر ملنے میں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اس کی بات سن کر پہلے وہ خود پریشان ہوا تھا اور اب اسے پریشان کر رہا تھا۔

''آپ ہوش میں تو ہیں، گھر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں کل آ جاؤں گی، اب میں فون بند کر رہی ہوں مجھے کام ہے۔'' اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا، پھر کچن میں سے چائے کا مگ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی، اس نے سوچا تھا کہ وہ انسٹی ٹیوٹ جانا چھوڑ دے گی، کیونکہ وہاں سے واپسی پر شاہ میر سڑک کنارے اپنی گاڑی میں اس کا منتظر ہوتا تھا، شاہ میر کے سامنے وہ خود کو بالکل بے بس محسوس کرتی تھی، اسے ڈر تھا کہ اس کا کوئی قدم نانو کے لئے شرمندگی کا باعث نہ بنے، نانو براڈ مائنڈڈ تھے مگر پھر بھی اس کے لئے یہ سب ناپسندیدہ تھا، ایک لڑکے نے اسے کہیں دیکھ کر پسند کیا اور اب وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملاقاتیں کرتی پھرے، کل ضرور وہ اس سے مل کر کوئی فیصلہ کر لے گی، پر کیا وہ اس کے سامنے کچھ بول پائے گی، وہ سوچتی رہی، دوسرے دن وہ شاہ میر نظامانی کی موجودگی میں خاموش بیٹھی اس کی کتھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سن رہی تھی، جو اس کی بیتابیوں پر مبنی تھی۔
''پلیز اب مجھے گھر ڈراپ کر دیجئے۔'' اس نے شاہ میر کو درمیان میں ٹوکا۔
''زیست! ابھی تو تم ملی ہو، اتنی عجلت میں کیوں رہتی ہو۔'' اس نے اعتراض کیا۔
''میں نے کل بھی بتایا تھا کہ مجھے یوں چھپ کر ملنا پسند نہیں ہے۔'' اس نے دانستہ کھڑکی سے باہر دیکھا شاہ میر کی فسوں خیز آنکھوں میں دیکھ کر تو اسے اپنا آپ بھولنے لگتا تھا، بات کیا یاد رہتی۔
''ہاں مجھے معلوم ہے خود مجھے کب تم سے دوری گوارہ ہے، چاچو کے لوٹنے کا انتظار کر رہا ہوں، وہ لندن گئے ہیں، انگیوٹی میں سب سے پہلے تمہارے متعلق انہیں بتانا چاہتا ہوں، چاچو کی کوئی اولاد نہیں ہے، وہ مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہتے ہیں، چاچو از مائی بیسٹ فرینڈ۔'' وہ بہت خوشدلی سے بتا رہا تھا۔
''یہ میں نے تمہارے لئے لیا تھا۔'' اس نے ڈیش بورڈ سے نیوی بلیو کلر کا کیس اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا۔
''یہ میں نہیں لے سکتی۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔
''انکار کرو گی تو اسی جگہ گاڑی روک کر اپنے ہاتھ سے پہنا دوں گا۔'' اس نے اپنی مخصوص ہٹ دھرمی سے کہا، تو مصفرا نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر کیس تھام لیا۔
''پہن کر دکھاؤ۔'' اس کا لہجہ بدستور تھا، مجبوراً مصفرا نے کیس کھولا، اندر نفیس سا گولڈ کا کنگن تھا، جس میں وائٹ نگ جڑے تھے، جو آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔
''یہ بہت قیمتی ہے۔'' اس نے ہچکچاہٹ سے کہا۔
''تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے، اب فٹافٹ پہن کر دکھاؤ۔'' اس کے اصرار پر مصفرا نے کنگن کلائی میں ڈال لیا۔
''بہت خوب زیست یہ شاید تمہارے لئے ہی بنا تھا۔'' وہ چہکا اسے لفظوں کا جادو جگانا خوب آتا تھا، ایسا مصفرا نے سوچا۔
''لنچ کہاں کریں؟'' اس نے پوچھا۔
''پلیز شاہ میر مجھے گھر ڈراپ کر دیجئے میں گھر پر بہانے بنا بنا کر اب تھک گئی ہوں۔'' اس نے لجاجت سے کہا تو شاہ میر کو اس پر ترس آ گیا، اس نے گاڑی الیاس منزل کی جانب موڑ لی۔

☆☆☆

''جگر! کہاں تھا یار کب سے تیرا انتظار ہو رہا ہے۔'' وہ نظامانی لاج پہنچا تو جہانگیر نظامانی کو اپنا منتظر پایا۔
''کب آئے چاچو، اس مرتبہ بڑا دل لگ گیا لندن میں آپ کا۔'' اس نے چاچی کو بھی شرارتاً دیکھا تو وہ مسکرا دیں۔
''جانتے تو ہو تمہارے ماموں کے بیٹے کی شادی بھی تھی۔'' رفیعہ نے صفائی دی، وہ بیک وقت اس کی چاچی اور خالہ دونوں تھیں، سفینہ عالمگیر نے ملازمہ کو کھانا لگانے کا اشارہ کیا، وہ لوگ شاہ میر کا انتظار ہی کر رہے تھے، ہلکی پھلکی باتوں کے دوران کھانا کھایا گیا، کھانے کے بعد سفینہ اور رفیعہ اپنے اپنے بیڈ روم میں چلی گئیں جبکہ حاکم نظامانی اسٹڈی میں آ گئے، انہیں زمینوں کے کچھ کاغذات دیکھنے تھے، جہانگیر اور شاہ میر وسیع لان میں چہل قدمی کرنے لگے۔
''میرے پیچھے سب خیریت رہی ناں، آج نواز حسین بھی تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا۔'' جہانگیر نے پوچھا۔

''نواز حسین گاؤں گیا ہے، وہاں سچل کے آدمیوں سے نواز حسین کے بھائی کا جھگڑا ہو گیا ہے وہی نمٹانے گیا ہے، باقی سب تو ٹھیک ہے بس میرے ساتھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔'' اس نے اپنے خوبصورت بالوں کو بگاڑا، جہانگیر اس کی بات سن کر چلتے چلتے رک گئے۔
''کیا ہوا؟'' انہوں نے استعجاب سے پوچھا۔
''چاچو ایک لڑکی ہے جس دن اسے نہ دیکھوں مجھے سب کچھ بے رنگ سا لگتا ہے، کچھ بھی اچھا نہیں لگتا، اس کا نام مصفرا ہے، میں اسے زیست پکارتا ہوں، وہ مجھے اپنی زندگی لگتی ہے۔'' وہ آسمان کے چاند کو دیکھتے ہوئے بتا رہا تھا، چاند کی چاندنی سے وہ جگہ بھی منور تھی جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔
''گویا تم کو بھی عشق ہو گیا ہے۔'' جہانگیر نے قہقہہ لگایا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
''کب ملوا رہے ہو؟ بھابھی کو بتایا تمہارے حضور جانتے ہیں؟'' جہانگیر نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔
''ایک دو دن میں ملواؤں گا اور میں نے سب سے پہلے یہ بات آپ کو ہی بتائی ہے، باقی لوگوں کو بتانا آپ کی ذمہ داری ہے۔'' اس نے مان بھرے لہجے میں کہا، اسی وقت چاند نے بادل کا نقاب اوڑھ لیا تھا۔
جہانگیر کو وہ وقت یاد آ گیا جب اسی طرح ان دنوں وہ عالمگیر بھائی کو عاصمہ کے بارے میں بتا رہے تھے۔
''بہت خوبصورت ہے وہ۔'' جہانگیر نے ماضی کے اس وقت کی پرچھائیں سے پیچھا چھڑا کر پوچھا تھا۔
''اب یہ تو آپ ہی اسے دیکھ کر بتایئے گا، پر اتنا تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ محبوب کی ہر ادا پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔'' اس نے اپنے محسوسات بتاتے ہوئے انجانے میں ان کے زخموں کو کرید!۔
''ٹھیک کہا تم نے۔'' ان کے چہرے پر تاریک سایہ لہرا گیا تھا۔
''پرسوں آپ رونق پیلس پہنچ جایئے گا میں زیست کو لے آؤں گا، وہ اتنی آسانی سے تو آنے پر رضا مند نہیں ہو گی، مگر آپ جانتے ہیں مجھے مشکلوں کو آسان کرنا اچھا لگتا ہے۔'' چاند نے نقاب ہٹا دیا تھا، چاندنی میں شاہ میر کی مسکراہٹ جہانگیر کو بہت اچھی لگی انہوں نے اس کی مسکراہٹ کے سدا قائم رہنے کی دعا کی اور پھر دو روز بعد شاہ میر نے مصفرا کو کال کر کے بلوایا، کمپیوٹر کلاسز تو آف ہو چکی تھیں، وہ آنا نہیں چاہتی تھی، لیکن شاہ میر نے کہا کہ وہ اسے اپنے چاچو سے ملوانا چاہتا ہے، اس نے گرینی سے فائزہ کے گھر جانے کا بہانہ کیا اور مین روڈ پر آ گئی جہاں آج لینڈ کروزر ڈرائیو کرنے کے لئے نواز حسین موجود تھا، شاہ میر اور نواز حسین دونوں سڑک کے کنارے اس کے منتظر تھے، آج مصفرا نے سفید شلوار دوپٹہ اور ست رنگی قمیض پہن رکھی تھی جس پر سفید موتیوں کا کام بنا ہوا تھا، پیروں میں سفید نازک چپل پہن رکھی تھی، اسے دیکھ کر شاہ میر کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں، نواز حسین نے اسے دیکھتے ہی نظریں جھکا لیں اور اپنی جگہ سنبھال لی۔
''کافی دیر سے کھڑا ہوں میں۔'' شاہ میر نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کے بعد پہلو میں بیٹھی مصفرا سے کہا۔
''طلیب گھر میں موجود تھا، میں اس کے جانے کا انتظار کر رہی تھی، ورنہ وہ کہتا کہ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' مصفرا نے بتایا تو شاہ میر کو اپنے حلق تک کڑواہٹ کا احساس ہوا۔

''آخر یہ کیوں ہمارے درمیان آ جاتا ہے۔''

''درمیان میں تو آپ آئے ہیں شاہ میر صاحب۔'' اس نے چڑایا، تو وہ خفگی سے اسے گھورنے لگا۔

''کنگن پہنا نہیں تم نے زیست۔'' اس نے مصفرا کی کلائی میں پڑی ست رنگی چوڑیاں دیکھ کر پوچھا۔

''مشکل میں ڈال دیا ہے آپ نے، اس کنگن کو گھر والوں سے چھپانا بھی مسئلہ بن گیا ہے، کوئی دیکھ لیتا تو کیا بتاؤں گی کہ اتنا قیمتی کنگن مجھے کس نے دیا ہے۔'' اس کے چہرے پر پریشانی کا تاثر تھا۔

''بتا دینا تھا کہ ہے ایک دیوانہ دنیا جسے شاہ میر نظامانی کہتی ہے اور میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ قیمتی تم ہو، وہ کنگن نہیں۔'' اس کے خوبصورت الفاظ مصفرا کو سحر زدہ کرنے لگے، گاڑی ایک وسیع اور بے حد خوبصورت عمارت کے پورٹیکو میں آ رکی تھی، عمارت کا اونچا گیٹ مسلح چوکیدار نے کھولا تھا، عمارت کی پیشانی پر ''رونق پیلس'' لکھا تھا، سبزے سے ڈھکی دیواریں اس کے حسن میں اضافہ کر رہی تھیں، اب اسے کچھ گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

''پتا نہیں شاہ میر کے چاچو کس نیچر کے ہیں۔'' جہانگیر کافی دیر سے ٹیرس پر کھڑے ان کے منتظر تھے، شام ہونے والی تھی، بادلوں نے آسمان کو ڈھکا ہوا تھا، ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی، یہ موسم شروع سے جہانگیر نظامانی کی کمزوری تھا، گاڑی کی آواز پر انہوں نے جھک کر دیکھا، نواز حسین پچھلا دروازہ کھول رہا تھا، شاہ میر نیچے اتر آیا، کتنا ڈیشنگ تھا وہ جہانگیر کو اچھی طرح یاد تھا کہ شاہ میر کے کالج کے زمانے میں ایک لڑکی اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی، شاہ میر کے حوصلہ افزائی نہ کرنے پر اس لڑکی نے خودکشی کی کوشش کی تھی، وہ امیر طبقے کی بگڑی ہوئی اولاد تھی اور یہ کیا ہوگی، جس نے ان کے بھتیجے کو تسخیر کر لیا تھا، وہ جھک کر دیکھنے لگے، شاہ میر کے بعد اب وہ لڑکی گاڑی سے باہر آنے والی تھی، شاہ میر نے انہیں ٹیرس پر کھڑے دیکھ کر جوش سے ہاتھ ہلایا، اب وہ لڑکی بھی شاہ میر کی نظروں کے تعاقب میں اوپر دیکھنے لگی، جہانگیر کو لگا جیسے وہ نیچے ہی نیچے گرتے چلے جا رہے ہیں، انہوں نے سنبھل کر دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے سر کو تھام لیا۔

''کون ہے یہ..... جو انہیں ان کا بھولا ہوا ماضی یاد دلا رہی ہے، عاصمہ سے اس قدر مشابہت، وہی چہرہ، وہی بلی جیسی آنکھیں، ویسا ہی دمکتا ہوا رنگ وہی سرو قد۔''

☆☆☆

''جہانگیر اب تم اپنے بابا سے کب بات کرو گے۔'' وہ دونوں چاندنی رات میں ساحل کے کنارے ٹہلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے، چاند بادلوں کے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔

''عاصمہ ڈیئر میں عالمگیر بھائی کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ وہ بابا کو کنونس کریں۔'' جہانگیر نے آسمانی سوٹ میں ملبوس عاصمہ کو دیکھا جس کی آنکھیں پیرہن کے رنگ میں رنگ گئی تھیں۔

''کب آئیں گے عالمگیر بھائی۔'' عاصمہ نے لہروں کی سرگوشیاں سنتے ہوئے کہا۔

''گاؤں گئے ہیں، وہاں شوگر مل کے افتتاح کے بعد ہی آئیں گے، سفینہ بھابھی اور شاہ میر بھی ساتھ گئے ہیں۔'' جہانگیر نے بتایا۔

''تمہارے بابا مان جائیں گے ہماری شادی کے لئے۔'' عاصمہ کے لہجے میں اندیشے پھنکار رہے تھے۔

''نہ ماننے کی بظاہر تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی، میرے بابا اور تمہارے بابا جان گہرے دوست ہیں، کل بابا جان اماں جی سے کہہ رہے تھے کہ لڑکا پڑھ لکھ چکا ہے اب اس کے بیاہ کا سوچو۔'' جہانگیر نے کل کی بات یاد کر کے لطف لیا، جہانگیر نظامانی اور عاصمہ بختیار نے ایک ہی یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کی تھی، جانے کب دونوں ایک دوسرے کے خواب دیکھنے لگے، دونوں گھرانوں میں اچھے تعلقات تھے سو دونوں کو نزدیک آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

''اب چلیں۔'' جہانگیر نے پوچھا۔

''ہاں چلو، دیر بھی ہو گئی ہے۔'' دونوں جہانگیر کی گاڑی کی سمت بڑھنے لگے۔

''عارفہ کی برتھ ڈے پر آؤ گی۔'' جہانگیر نے راستے میں پوچھا، عارفہ نے بھی ان کے ساتھ پڑھا تھا۔

''ابھی کچھ سوچا نہیں ہے، کیونکہ عارفہ بتا رہی تھی کہ وہ اپنا برتھ ڈے اس مرتبہ فارم ہاؤس پر منائے گی، اس طرح تو واپسی میں بہت دیر ہو جائے گی۔'' عاصمہ نے عذر تراشا۔

''میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا، یار تم اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان مت ہوا کرو۔'' وہ خوشدلی سے بولا۔

''پھر ٹھیک ہے میں عمو جان سے پرمیشن لے لوں گی۔'' عاصمہ مسکرا دی، جہانگیر نے گاڑی اس کے گھر کے گیٹ کے سامنے روک دی، وہ اس وقت تک رکا رہا جب تک کہ عاصمہ گیٹ کے اندر داخل نہیں ہو گئی۔

''عاصمہ ڈیئر آج تو تم غضب ڈھا رہی ہو۔'' عارفہ نے ستائشی انداز میں عاصمہ کو دیکھا، جس نے بلیو پشواز پاجامہ پہنا تھا، شیواز اور دوپٹے پر نفیس کام بنا ہوا تھا، تب ہی جہانگیر ان کے نزدیک چلے آئے۔

''گرلز کیا ہو رہا ہے۔'' بلیو جینز پر جہانگیر نے اسکائی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی۔

''جہانگیر کیا آپ نے اور عاصمہ نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت کپڑے پہن رکھے ہیں۔'' عاصمہ نے شرارت سے کہا۔

''ارے بس عارفہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔'' جہانگیر نے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا، تب ہی عبداللہ نے اعلان کیا کہ کیک عارفہ کے انتظار میں ہے، سب کی تالیوں اور ہیپی برتھ ڈے کے شور میں عارفہ نے کیک کاٹا، کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد عبداللہ نے گٹار سنبھال لیا اور کشور کا مقبول گیت ''یہ شام مستانی مدہوش کیئے جائے'' سنایا پھر تو سب نے ہی باری باری اپنے اپنے پسندیدہ نغمات سنائے، عاصمہ اور فرید نے ایک ڈوئٹ گانا سنایا جبکہ جہانگیر نے عالمگیر کا مشہور گانا ''ہم چلے تو ہمارے سنگ نظارے چلے'' سنا کر خوب داد وصول کی، رات بھیگ رہی تھی مگر وہ سب تو دنیا بھلائے بیٹھے تھے، جبکہ عاصمہ گھر جانا چاہتی تھی، کیونکہ جانتی تھی جب تک وہ گھر نہیں پہنچ جاتی اس کی عمو جان اس کے انتظار میں جاگتی رہیں گی، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی، دوسری طرف جہانگیر بھی رونق میں مگن تھا، اتنے دنوں کے بعد تو سب دوست اکٹھے ہوئے تھے، اس کے لئے وہ سب عارفہ کے ممنون تھے، عبدالرحمٰن جو کہ بنگلہ دیش سے آیا تھا، اس نے شرارتاً عارفہ سے کہا۔

''عارفہ بی بی سال میں دو مرتبہ کیک کاٹ لیا کرو۔'' جواب میں عارفہ نے اسے گھورنے پر اکتفا کیا، جبکہ جہانگیر نے عادتاً بلند قہقہہ لگایا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بالآخر سمیعہ کو ہی وقت لڑنے کا خیال آیا اور وہ عبداللہ کو اشارہ کرتی ہوئی عارفہ سے اجازت لینے لگی، عبداللہ سمیعہ کا کزن تھا اور عنقریب ان دونوں کی شادی ہونے والی تھی، جہانگیر اور عاصمہ بھی عارفہ اور باقی دوستوں سے مل کر گاڑی کی جانب آ گئے، گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے جہانگیر نے آسمان پر نظر ڈالی جو بادلوں سے ڈھک چکا تھا۔

"میرا خیال ہے کچھ دیر میں بارش شروع ہو جائے گی۔" اس نے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے عاصمہ سے کہا، جو بادلوں کے مزاج سے حراساں لگ رہی تھی، جہانگیر کو ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہمشکل پندرہ منٹ ہوئے تھے بارش کی موٹی موٹی بوندوں سے کار کی چھت پر جلترنگ بجانا شروع کر دیا۔

"ہم شہر تک تو پہنچ جائیں گے نہ۔" عاصمہ نے پریشانی سے کہا، رات کی بارش سے وہ بچپن سے ڈرتی تھی۔

"ہونہہ۔" اس نے ہنکارا بھرا وہ ونڈ اسکرین سے نظر آنے والی سڑک پر منظر جمائے ہوئے تھا، مکمل توجہ ڈرائیونگ پر تھی، بارش اب شدت اختیار کر چکی تھی، تب ہی بادل گرجے اور ساتھ ہی بجلی چمکی تھی، عاصمہ کی ہلکی سی چیخ نکل گئی، جہانگیر نے ایک نظر اسے دیکھا جو اب آنکھیں میچ کر بیٹھی تھی۔

"عاصمہ وہ جوک سنا ہے تم نے۔" جہانگیر نے اس کی توجہ بٹانے کی کوشش کی، وہ آنکھیں کھول کر اس کی جانب متوجہ ہوئی، مگر نچلے لب کو اس نے دانتوں تلے دبا رکھا تھا، یہ حرکت اس کے اندرونی انتشار کا مظہر تھی، اسے اپنی والدہ کی فکر ستا رہی تھی، جو گھر پر اس کی منتظر تھی، اس کے والد اندرون سندھ دورے پر گئے ہوئے تھے، وہ وفاقی حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، عاصمہ جانتی تھی کہ اس قدر تیز بارش میں ہائی وے پر سفر خطرناک بھی ہو سکتا ہے، جہانگیر جوک سنانے لگا۔

"میاں بیوی میں جھگڑا ہو جاتا ہے، شوہر گھر سے باہر چلا جاتا ہے، شام کو فون کر کے پوچھتا ہے، بیگم کھانا کیا پکایا ہے، بیوی غصے سے کہتی ہے۔"

"زہر۔" شوہر کہتا ہے۔

"میں دیر سے آؤں گا، تم کھا کر سو جانا۔"

جہانگیر جوک ختم کر کے ہنسنے لگا، وہ بھی مسکرا دی، اسی وقت انجن کھانسی کر خاموش ہو گیا، گاڑی ایک دھچکے سے رک گئی، عاصمہ کی مسکراہٹ دم توڑ گئی، جہانگیر بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"جہانگیر کیا ہوا گاڑی کیوں رک گئی۔" عاصمہ نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

"ٹیک اٹ ایزی۔" جہانگیر دوبارہ سے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا، گاڑی شاید اپنے موڈ کی طالع تھی، جہانگیر گاڑی سے باہر نکل آیا اور بونٹ اٹھا کر چیک کرنے لگا، تاکہ گاڑی بند ہونے کی وجہ سمجھ سکے، ذرا دیر میں اس کے کپڑے پانی میں شرابور ہو چکے تھے، گاڑی کی خرابی اس کی سمجھ سے باہر تھی، عاصمہ گاڑی کے اندر بیٹھی اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی، ایک طرف عمو جان کی پریشانی کا خیال تھا جنہوں نے بہت مشکل سے عارفہ کی سالگرہ میں جانے کی اجازت دی تھی، دوسری طرف موسلا دھار بارش میں گاڑی کا خراب ہونا اسے انجانے احساس سے روشناس کرا رہا تھا، رات کے اس پہر وہ اس بھیگتے موسم میں جہانگیر کے ساتھ تنہا تھی، وہ انجانی سوچوں سے پیچھا چھڑاتی، الیلے خیالوں سے آنچل بچاتی گاڑی نے باہر نکل آئی، موٹی

موٹی بوندیں اس کے رخساروں کو چومنے لگیں۔

"تم گاڑی سے باہر کیوں نکل آئیں۔" جہانگیر نے پل بھر کو نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، اس کے بالوں کو لٹوں سے شبنمی قطرے اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

"جہانگیر اب کیا ہو گا۔" اس نے رونی سی آواز میں کہا۔

"گاڑی میں تو سیریس مسئلہ لگ رہا ہے۔" جہانگیر نے اردگرد دیکھتے ہوئے بونٹ بند کر دیا۔

تیز برستی بارش میں وہ دونوں کھڑے بھیگ رہے تھے، بس ایک چاند تھا جو ان پر نظریں جمائے ہوئے تھا، باہر بوندوں کا شور تھا اور اندر ان کی دھڑکنوں کا شور تھا، سڑک بھی دور دور تک ویران پڑی تھی۔

"اب ہم شہر کیسے جائیں گے۔" عاصمہ لرز رہی تھی۔

"شہر تک جانا تو ناممکن لگ رہا ہے، البتہ یہاں نزدیک ہی بھائی نے پچھلے دنوں فارم ہاؤس خریدا ہے، وہاں کنسٹرکشن کا کام جاری ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ وہاں ایک کمرہ رہنے کے قابل ہے، ہم فی الحال وہاں چلتے ہیں۔" جہانگیر نے گاڑی لاک کرتے ہوئے کہا، عاصمہ نے اعتراض کرنا چاہا مگر اسی وقت بجلی بہت زور سے کڑکی تھی، عاصمہ بلا چوں چراں کیے سہم کر اس کے ساتھ چلنے لگی، تقریباً دس منٹ تک دونوں خاموشی سے چلتے رہے، ایک سیاہ آہنی گیٹ کے آگے جہانگیر رک گیا۔

"بھائی نے ایک ملازم بھی رکھا ہوا ہے۔" جہانگیر اسے بتا کر گیٹ کی جانب متوجہ ہو گیا، گیٹ پر دباؤ ڈالنے سے گیٹ کھل گیا۔

"کرم دین!" گیٹ اندر سے بند کرنے کے بعد جہانگیر نے ملازم کو پکارا، مگر جواب میں صرف بارش کا شور تھا، یا پھر چاند تھا جو انہیں تنہا چھوڑنے پر رضامند نہیں تھا، بڑے سے احاطے میں دائیں جانب ایک دروازہ نظر آ رہا تھا اور وہ کھلا ہوا تھا، وہ دونوں اس کمرے کے اندر داخل ہو گئے، کمرے میں معمولی سا فرنیچر رکھا ہوا تھا، جہانگیر کمرے کی لائٹ آن کر چکا تھا، دونوں ہی مکمل طور پر بھیگے ہوئے تھے، کمرے کے روشن ہوتے ہی عاصمہ اس سے نظریں چرانے لگی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود کو جہانگیر کی نظروں سے چھپا لے، اسی کا لباس وجود سے چپک کر سارے تشیب و فراز کو نمایاں کر رہا تھا، اس کا چہرہ گلاب کے اس پھول کی مانند ہو رہا تھا، جسے ابھی ابھی شبنم نے غسل دیا ہو، جہانگیر کی گہری نظریں خود پر مرکوز دیکھ کر اس نے فوراً رخ پھیر لیا، مگر اس وقت وہ سر سے پیر تک جہانگیر کی آزمائش کا ساماں کیے ہوئے تھی، جانے کتنے ہی پل اس طرح گزر گئے، چند لمحوں بعد اسے اپنی پشت پر آہٹ محسوس ہوئی، پھر جہانگیر کے مضبوط ہاتھوں کا لمس اس کے کاندھوں پر آ ٹھہرا تو وہ کانپ گئی، کمرے کے اندر ان دونوں کے سوا صرف تنہائی تھی اور کمرے سے باہر برستی بارش کا شور تھا یا پھر ملول و اداس چاند تھا جو سوچ رہا تھا کہ آج پھر دو معصوم دل ابلیس کے بچھائے گئے جال میں پھنس گئے ہیں، بادل زور و شور سے آنسو بہانے لگے، بقیہ رات عاصمہ نے بھی بادل کے ساتھ آنسو بہائے جب وہ گھر سے نکلی تھی تو نسوانیت کے غرور سے مالا مال تھی، شاید آج اس کی ماں اسے دعا دینا بھول گئی تھی، جواب اس کی اکلوتی بیٹی فارم ہاؤس کے کمرے کے عین درمیان میں لٹی پٹی بیٹھی تھی نزدیک ہی شرمندہ سا جہانگیر بیٹھا تھا، وہ اسے یقین دلا رہا تھا کہ صبح گھر جاتے ہی وہ اپنے بھائی سے شادی کی بات کرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا انہیں بتائے گا کہ وہ عاصمہ سے شادی کرنا چاہتا ہے، کرم دین کا صبح تلک کوئی پتا نہ تھا وہ اس فارم ہاؤس کی چوکیداری کرتا تھا، صبح جہانگیر بھی گیٹ اسی طرح چھوڑ کر چلا آیا۔

''میں اندر چل کر آنٹی سے بات کروں۔''

وہ عاصمہ کے گھر کے باہر ٹیکسی میں بیٹھے تھے، جب جہانگیر نے کہا کہ وہ رات بھر کی غیر حاضری کے بارے میں اس کی والدہ سے بات کر لے مبادا وہ اس سے سختی سے پیش آئیں۔

''نہیں تم جاؤ، میں عمو جان سے بات کر لوں گی۔'' عاصمہ نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے کہا اور گھر کی جانب بڑھ گئی اس کی چال کی شکستگی جہانگیر کے دل کا بوجھ بڑھا گئی۔

☆☆☆

اسے صوفے پر بیٹھنے کا کہہ کر وہ ملازم کی جانب متوجہ ہوا۔

''پہلے بی بی کے لئے ٹھنڈا لے آؤ اور پھر جا کر دیکھو کہ چاچو اب تک پہنچے کیوں نہیں آئے۔'' ملازم کے جانے کے بعد وہ مصفرا کی جانب متوجہ ہوا۔

''زیست تمہیں گھر کیسا لگا؟'' اس نے پوچھا۔

''بہت خوبصورت ہے۔'' مصفرا نے اردگرد نظر دوڑائی۔

''یہاں کی ایک ایک اینٹ میں نے اپنی پسند سے چنوائی ہے، میں بہت حسن پرست ہوں، اپنی پسندیدہ چیزوں اور لوگوں کی حفاظت کرنا بھی مجھے اچھا لگتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بتا رہا تھا، تب ہی ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا آ گیا اور اس پیچھے دوسرا ملازم تھا۔

''سائیں جہانگیر تو واپس چلے گئے ہیں۔''

''ارے چاچو کو کیا ہوا، وہ تو ٹیرس پر سے مجھے دیکھ بھی چکے تھے۔'' وہ پریشان ہوا پھر مصفرا کا خیال کر کے خود کو سنبھالا، گولڈ ڈرنک اور دیگر لوازمات سے فارغ ہو کر وہ اسے لے کر پورا گھر دکھانے لگا، گھر واقعی ہی بہت خوبصورت تھا۔

''میں شادی کے موقع پر یہ گھر تمہارے نام کر دوں گا، میری طرف سے یہ گھر تمہارے لئے شادی کا تحفہ ہوگا۔'' وہ شہد آگیں لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''شاہ میر آپ نے مجھے اپنے چاچو سے ملوانے کے لئے بلوایا تھا، وہ تو ملے بغیر ہی چلے گئے، شاید انہیں اچھا نہیں لگا ہوگا کہ آپ نے خود ہی لڑکی پسند کر لی اور دیدہ دلیری سے اسے گھر بھی لے آئے۔'' دل میں دبے خدشے کو وہ زبان پر لے آئی، تو وہ ہنس دیا۔

''یہ تمہارا وہم ہے، جب میں نے چاچو سے تمہارا ذکر کیا تھا، وہ بہت خوش ہوئے تھے، ان کی فرمائش پر ہی میں آج تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں، ہو سکتا ہے انہیں کوئی ایمرجنسی کال آ گئی ہو اس لئے وہ بنا بتائے واپس چلے گئے، تم پریشان مت ہو۔'' وہ اسے تسلی دینے لگا وگرنہ وہ خود بھی چاچو کے اچانک جانے سے پریشان ہو گیا تھا۔

پھر دو روز تک جہانگیر سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی، رات جب وہ نظامانی لاج پہنچا تو پتا چلا کہ جہانگیر شام میں ہی گاؤں کے لئے نکل گئے ہیں، کس کام سے گئے ہیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا، جہانگیر کو گاؤں گئے ایک ہفتہ ہوا تھا، ایک رات حاکم نظامانی سوئے تو سوتے ہی رہ گئے، نظامانی لاج میں صف ماتم بچھ گئی، جہانگیر باپ کی موت کی اطلاع ملتے ہی شہر آ گئے تھے، گاؤں سے ان کے مزارعے جوق در جوق افسوس کرنے آ رہے تھے، نظامانی لاج اداسی کی لپیٹ میں تھا،

پہلے بھی یہاں خاموشی چھائی رہتی تھی مگر اب کہ سناٹے کا عالم ہی اور تھا۔

''امی جان! آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' بیگم عباد نے خالدہ بیگم کے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''آؤ بہو! خیریت تو ہے۔'' خالدہ بیگم ان کے انداز پر چونکی تھیں، وہ اس وقت تسبیح کر رہی تھیں بیگم عباد کے آتے ہی انہوں نے تسبیح میز پر رکھ دی۔

''آپ مصروف تو نہیں ہیں۔'' بیگم عباد نے تمہید باندھی۔

''نہیں کوئی مصروفیت نہیں ہے تم کہو، تم اس وقت بے سبب تو نہیں آ سکتیں، یہ تمہارے آرام کا وقت ہے۔'' خالدہ بیگم نے ان کی ہمت بندھائی۔

''امی جان! میرا خیال ہے اب ہمیں طلیب کی شادی کر دینی چاہیے، آپ اجازت دیں تو میں اس سے پوچھ لو۔'' بیگم عباد نے مدعا بیان کیا۔

''مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بہو، طلیب اب اپنے پیروں پر کھڑا ہے، باشعور ہے، اس کے بھی کچھ سپنے ہوں گے، تم آج ہی اس سے بات کر لو، ماہا کے ساتھ ہی طلیب کی بھی شادی کر دیں گے، نیاز بتا رہا تھا کہ اشعر کی فیملی کچھ عرصے میں پاکستان آنا چاہتی تھی، شادی کے سلسلے میں۔'' خالدہ بیگم نے بتایا، اشعر کے والد، نیاز احمد کے دوست تھے، دونوں نے باہمی مشورے سے بچوں کا رشتہ دو سال پہلے طے کیا تھا، دونوں ساس بہو کی گفتگو جاری تھی کہ طلیب نک سک سے تیار چلا آیا، کہیں جانے کی تیاری لگ رہی تھی۔

''مما! احمر کی طرف جا رہا ہوں، سوچا آپ سے پوچھ لوں کوئی کام تو نہیں ہے۔'' وہ ایسا ہی تھا، سب کا خیال رکھنے والا۔

''کام تو کچھ بھی نہیں ہے، مگر کچھ وقت ہمیں بھی دے دیا کرو، ضروری بات چیت کرنی ہے تم سے۔'' خالدہ بیگم نے کہا تو وہ چونک پڑا۔

''گرینی میں آپ کا، میرا وقت آپ کا کہئے کیا بات ہے۔'' وہ ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔

''بات یہ کہ ہماری تمنا ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔'' خالدہ بیگم نے مسکراتے کہا، اس دوران بیگم عباد بھی مسکرا رہی تھیں۔

''معزز خواتین اس سلسلے میں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت کوندی تھی۔

''تم ہماری یہ مدد کر سکتے ہو کہ اگر تم کسی کو پسند کرتے ہو تو ہمیں اس کے بارے میں بتا دو۔'' بیگم عباد نے کہا۔

''میں جس کے سنگ جینا چاہتا ہوں آپ سب اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔'' اس کی بات سن کر خالدہ بیگم کے چہرے پر سوچ کی لکیریں پھیل گئی ہیں۔

''کون ہے وہ کیا نام ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''مانو، میں مانو سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''نہیں طلیب یہ ناممکن ہے، اس خیال کو دل سے نکال دو۔'' ان کا لہجہ ایک دم کھردار ہو گیا، بیگم عباد بھی ساس کو دیکھنے لگیں، انہیں کسی حد تک اندازہ تھا کہ طلیب شادی کے لئے مانو کو چنے گا، ساس کے رویے سے انہیں قدرے حیرت ہوئی تھی۔

''مگر کیوں گرینی! وہ ہماری کزن ہے، کس بات کی کمی ہے اس میں۔'' طلیب اپنی جگہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھ گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ گھر میں کوئی مانو کو ناپسند بھی کرسکتا ہے۔

''کمی ہے اس میں، بہت بڑی کمی ہے، وہ تمہاری کزن نہیں ہے طلیب، ہمارے خاندان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے، بلکہ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اس کے باپ کا نام کیا ہے، اسے جنم دینے والی ماں سے بھی ہم بے خبر ہیں، وہ جائز بھی ہے یا نہیں۔'' خالدہ بیگم نے شوہر سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور اس صبح کا واقعہ سناتی چلی گئیں، وہ راز جو گھر کے تین افراد کے دلوں میں تھا، مصفرا کا ماضی اس کی حقیقت، بیگم عباد ششدر رہ گئیں، جبکہ طلیب کے اعصاب پر گہری ضرب لگی تھی، وہ سر تھام کر رہ گیا۔

''اوہ گاڈ وہ اب تک جس لڑکی سے محبت کرتا رہا ہے، وہ ایک گندگی کا ڈھیر ہے، راستے میں پڑا ہوا کچرا ہے، جسے دادو گھر اٹھا کر آئے تھے اور مجھ سے پاگل نے اسے دل میں بسالیا، کیا کچھ نہیں سوچا میں نے مانو کے حوالے سے۔'' وہ آنکھیں بند کیے سوچے جارہا تھا۔

''طلیب ہوش کرو تمہارے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔'' خالدہ بیگم نے اس کا کندھا ہلایا۔

''آپ نے ہم سے مانو کی حقیقت چھپا کر اچھا نہیں کیا گرینی۔'' اس کا لہجہ درد میں ڈوبا ہوا تھا۔

''امی جان آخر اس بات کو چھپانے کی وجہ کیا تھی۔'' بیگم عباد نے بھی زبان کھولی۔

''تمہارے سسر کا حکم تھا، انہوں نے مجھے اور گل جان کو پابند کیا تھا، شاید مصفرا کے مستقبل کے ڈر سے وہ اس غلیظ حقیقت کو چھپانا چاہتے ہوں، اس لئے تم دونوں کو میرا حکم ہے کہ اس بات کو خود تک رکھنا۔'' خالدہ بیگم کی بات پر طلیب تلخی سے مسکرا دیا۔

''تمہارے سسر کو پتا چلا تو وہ مجھ سے خفا ہوں گے، کہ میں نے ان کی نافرمانی کی ہے۔'' شوہر کی خفگی کا انہیں اب بھی ڈر تھا۔

''مانو سے اپنا رویہ مت بدلنا بہو۔'' وہ بیگم عباد سے مخاطب تھیں۔

''بہت مشکل ہوگی اب اداکاری کرنے میں۔'' بیگم عباد اٹھتے ہوئے بولیں، طلیب ان سے پہلے کمرے سے نکل گیا تھا، زندگی جیسے ایک دم رنگوں سے خالی ہوگئی، آدھے گھنٹے پہلے تک اس کی زندگی کتنی حسین تھی، کتنے رنگوں سے سجی ہوئی تھی، اب اسے لگ رہا تھا کہ جیسے جینے کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے، ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے وقت کی سازش کامیاب ہوگئی ہے، کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ مانو کا حصول اس کے لئے مشکل ہوگا پر اس کا ظرف اتنا بڑا نہیں تھا کہ ایک ایسی لڑکی جو اپنی آئندہ نسل کا ضامن بنا لیتا، جس کے والدین کا اتا پتا نہیں تھا، وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے بستر پر اوندھا لیٹ گیا، اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، مانو کا تو ہرگز بھی نہیں۔

☆☆☆

جہانگیر جب عاصمہ کو ڈراپ کرکے نظامانی لاج تو بابا اور ماں جی کے علاوہ عالمگیر بھائی بھی لاؤنج میں بیٹھے تھے، وہ سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔

''صد شکر کہ آپ نے شہر کا رخ کیا ورنہ آپ کو گاؤں کو پیارے ہو گئے تھے۔'' عالمگیر بھائی کو دیکھ کر اسے اپنی پریشانی آدھی ہوتی محسوس ہوئی۔

''آیا کہاں ہے تمہارے بابا نے بلوایا ہے، سفینہ کی فیملی رسم کے لئے آنا چاہتی ہے۔'' ماں ی نے کہا تو وہ چونک پڑا۔

''کیسی رسم؟'' وہ بھائی کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''تمہارے بابا نے سفینہ کی چھوٹی بہن رفیعہ سے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔'' ماں جی کے الفاظ نے اسے بجلی کے ننگے تاروں پر لا کھڑا کیا۔

''ماں جی یہ سب، آپ نے مجھے تو بتایا ہی نہیں۔'' وہ خود پر قابو کرکے بولا۔

''برخوردار اب بتا تو رہے ہیں ہماری دل پرانی خواہش تھی کہ ہماری دونوں بہوئیں آپس میں بہنیں ہوں تاکہ تم دونوں بھائیوں کی ت سدا قائم رہے۔'' حاکم نظامانی مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے، اں جی تفصیل بتانے لگیں کہ رسم کے موقع پر شادی کی تاریخ طے کر دی جائے، بابا کا ایک ماہ بعد شادی کا ارادہ ہے، وہ جلے دل سے سب سنتا رہا، جونہی عالمگیر نظامانی کمرے میں گئے وہ ان کے پیچھے ہولیا، سفینہ کی کچن سے آواز آرہی تھی شاہ میر ملازمہ کے ساتھ پارک میں گیا تھا۔

''کیا ہے یار ابھی تو شادی میں وقت ہے تم ابھی سے بے چین ہونے لگے ہو۔'' عالمگیر ہائی نے اسے چھیڑا۔

''بھائی میں بہت پریشان ہوں اور آپ کو وال سوجھ رہا ہے، اس طرح اچانک مجھ سے بنا بابا نے میری شادی کا فیصلہ کرلیا ہے یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔'' وہ شدید ذہنی ابتری کا شکار تھا۔

''اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات سفینہ سے جب میری شادی ہوئی تھی اس بھی بابا نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا، تمہارا ال کا امی رشتہ تو میری شادی پر ہی طے ہو گیا تھا، تمہیں اس لئے نہیں بتایا تھا کہ تمہاری پڑھائی متاثر نہ ہو۔''

''میں بھلے ہی کسی سے متاثر ہو کر اس سے وعدہ کر بیٹھوں یہ بات کیوں نہیں سوچی انہوں نے۔'' جہانگیر نے بھائی کی بات کاٹ کر کہا، تو وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

''کس سے وعدہ کرلیا ہے تم نے۔''

''عاصمہ سے وعدہ کیا ہے میں نے شادی کا، آپ سے بات کرنا چاہ رہا تھا، لیکن آپ تو گاؤں کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔'' وہ روٹھا روٹھا لگ رہا تھا۔

''عاصمہ نے تمہیں یہ بات نہیں بتائی کہ ان کی فیملیز میں باہر شادیاں نہیں ہوتیں۔''

''بھائی یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔'' عجیب دن تھا نئی نئی باتیں سننے کو مل رہی تھیں، ایک طرف گزری ہوئی رات کی پرچھائیاں پریشان کر رہی تھیں تو دوسری طرف یہ نئی نئی خبریں۔

''جہانگیر تم جانتے نہیں ہو، عاصمہ کے والد عرب نژاد ہیں وہ لوگ سندھ میں آکر آباد ہوئے ہیں، وہ اپنے بچوں کی شادیاں عرب فیملیز میں ہی کرتے ہیں اور تمہاری ایک ماہ بعد شادی طے ہے رفیعہ سے بہتر ہے کہ تم عاصمہ کا خیال دل سے نکال دو، عاصمہ کو جب حقیقت معلوم ہوگی تو وہ سنبھل جائے گی، ہماری تو جڑیں ہی سندھ کی دھرتی میں ہیں، اس کے والد ہرگز بھی تمہاری شادی اس کے ساتھ نہیں ہونے دیں گے۔'' عالمگیر نے اسے سمجھانے کی سعی کی کیونکہ اصل معاملہ تو انہیں پتا نہیں تھا، اتنا سب سننے کے بعد جہانگیر کی ہمت جواب دے گئی تھی، دوسری جانب عاصمہ نے عمو جان سے جھوٹ بولا تھا، کہ بارش کی وجہ سے وہ عارفہ کے فارم ہاؤس پر ہی رک گئی تھی، معلوم نہیں عمو جان کو اس کی بات کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یقین آیا تھا یا نہیں مگر وہ خاموش رہی تھیں، اس نے جہانگیر سے فون پر رابطہ کرنا چاہا کہ معلوم ہو سکے کہ اس نے گھر میں شادی کی بات کی یا نہیں، مگر وہ فون پر مل نہیں رہا تھا، ایک شام جہانگیر کی ماں جی جہانگیر کی شادی کا دعوت نامہ لے کر آ گئی، عاصمہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جہانگیر اس سے بے وفائی کرے گا جب اس سے شادی نہیں کرنی تھی تو اس کی نسوانیت کو تار تار کیوں کیا؟ وہ صرف اس کے ساتھ وقت گزار رہا تھا، محبت کا جھانسہ دے کر اسے لوٹا گیا تھا، کمرے میں بند ہو کر وہ کتنی ہی دیر روتی رہی، کسی کو اپنی برباد جوانی کا راز بتائے، کس سے کہے، دن پر دن گزر رہے تھے، جہانگیر کی شادی سے دو دن پہلے ہی اسے شدید بخار نے آلیا، عمو جان نے گھر پر ڈاکٹر کو بلا کر اس کا چیک اپ کروایا، ڈاکٹر دوا دے کر چلا گیا، دوا بے سود رہی اس کا بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا، بابا کا دورہ طویل ہو گیا تھا، عمو جان اس کے پیچھے ہلکان تھیں، جہانگیر کی شادی کے دن بھی وہ بے سدھ پڑی تھی، عمو جان بھی اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھیں، اسے اس حالت میں چھوڑ کر شادی میں کیسے جاتیں، دو ہفتے رہ کر اس کا بخار تو اتر گیا، مگر اس کا چاند چہرہ کملا کر رہ گیا تھا، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ چکے تھے، آنکھوں کی جوت بھی ماند پڑ گئی تھی، کھانا کھانے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا، اگر عمو جان زبردستی کھلا دیتی تو تھوڑی دیر بعد قے میں نکل جاتا تھا، اس دن بھی وہ قے کر کے غسل خانے سے باہر نکلی تو عمو جان باہر کھڑی کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھیں، عمو جان کے تیور دیکھ کر اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی، وہ اسے کھینچتی ہوئی اپنے کمرے میں لے گئیں اور دروازہ اندر سے بند کر دیا وہ کانپتی ہوئی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا نام ہے اس کا جس کے ساتھ مل کر ہمیں بدنام کرنا چاہتی ہے۔" ان کی آنکھیں اسے اندر تک چھو رہی تھیں۔

"عمو جان میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" ماں کے قدموں میں گر کر رونے لگی۔

"قصور تو میرا ہے عاصمہ جو تجھ پر بھروسہ کیا، یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی جس کا کفارہ شاید کبھی ادا نہ ہو سکے۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئیں، تو وہ مزید تیزی سے رونے لگی۔

"اگر اس غلیظ سچائی کا علم تیرے باپ کو تو وہ ہم دونوں کو جان سے مار ڈالیں گے، عاصمہ تجھے پتا ہے تو نے کیا کیا ہے، ہمارا تعلق عرب کی پاک سرزمین سے ہے، ہم پاکستان میں بس تو گئے ہیں، مگر میں یہاں کسی سے تیرا بیاہ نہیں سکتی اور تو پتا نہیں کس کا گناہ اپنے ساتھ لئے رہی ہے۔" عمو جان کے الفاظ سے زمین غرق کر رہے تھے، یہ کیا ہو رہا تھا اس کے سا شام کے وقت عمو جان اسے ایک واسط کے کلینک میں لے کر گئیں جہاں ایک خرا گائنا کالوجسٹ بیٹھی تھی، عمو جان نے لیڈی ڈ سے کہا کہ وہ اس کا بچہ ضائع کروانا چاہتی ڈاکٹر نے چیک اپ کرنے کے بعد منع کیا مشکل ہے، کیونکہ عاصمہ کمزور ہے اس لئے کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے، عمو جان مایوس اسے گھر لے کر آ گئیں، پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی، اس رات انہوں نے کھانا نہیں کھایا، تمام رات ان کے کمرے کی بتی رہی دو دن بعد ان کے شوہر لوٹ رہے تھے، تک وہ اس بات کو اپنے شوہر سے خفیہ رکھ گی، صبح تک وہ اس مسئلے کا حل سوچ چکی جہانگیر کے گناہ کی سزا وہ اپنی بیٹی کو نہیں دیں

عاصمہ نے ان کے سامنے جہانگیر کا نام نہیں لیا تھا، مگر رات کے سناٹے میں نیند کے عالم میں وہ بڑبڑائی تھی تو اس کے لبوں سے جہانگیر کا نام ہی ادا ہوتا تھا، وہ جان گئی تھیں کہ ان کی بیٹی اپنی کوکھ میں جہانگیر نظامانی کا گناہ لئے گھوم رہی ہے، رات بھر میں انہوں نے سوچ لیا تھا کہ انہیں کب کیا کرنا ہے جہانگیر کے کیئے کی سزا اس کی اولاد بھگتے گی، وہ جو اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ شادی شدہ زندگی کی اولین بہاریں دیکھ رہا تھا، ان کے خاندان کی نیک نامی کو خطرے میں ڈال کر خود سکون سے بیٹھا ہے، ان کی نیندیں اجاڑ کر خود سکون ہوتا ہو گا، دو دن بعد ابی بھی آ گئے، عاصمہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئے، عمو جان نے تسلی دی کہ اب بخار اتر چکا ہے کچھ دنوں میں عاصمہ کی صحت بہتر ہو جائے گی، گھر میں دو ملازم تھے، ایک اندرونی کاموں کے لئے اور ایک باہر کے کام کرتا تھا، عمو جان نے اندر کے کام کرنے والے ملازم کو بھی چھٹی دے دی، شہر کے مضافات میں ان کی بڑی بہن رہتی تھیں جو کہ بے اولاد تھیں اور بیوہ بھی، عمو جان نے ان سے اپنا مسئلہ بیان کیا، انہوں نے تسلی دی کہ تبدیلی کے آثار نظر آتے ہی عاصمہ کو ان کے گھر بھیج دیا جائے، اتفاق سے وہ مڈوائف بھی تھیں، عاصمہ کو چوتھا لگ گیا تھا، امو جان کی کوشش تھی کہ وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہے ابی سے کم سے کم سامنا ہو، ان ہی دنوں ابی کو حکومت کی طرف سے پڑوسی ملک بھیجا گیا، عمو جان نے اپنے رب کا شکر ادا کیا، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد عاصمہ کو اپنی بہن کے گھر چھوڑ آئیں، وہ ایک کہر آلود صبح تھی جب عاصمہ نے ایک خوبصورت بچی کو جنم دیا، عمو جان نے عاصمہ کو بچی کی شکل بھی نہ دکھائی اور کہہ دیا کہ بچی مردہ تھی، عاصمہ بہت روئی، زندگی سے جیسے خوشیاں روٹھ گئی تھیں، عمو جان اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بچی کو گاڑی میں لے کر گھر سے نکل پڑیں، میونسپل کارپوریشن کے اس پارک کے گیٹ نمبر دو کے باہر اسے رکھ دیا یہ سوچے بنا کہ اگر وہ غلط ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس کا مستقبل کیا ہو گا، ان کے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ وہ جہانگیر نظامانی سے اپنی بیٹی کی بربادی کا انتقام لے رہی ہیں، جیسے ہی وہ گاڑی میں روانہ ہوئیں بارش شروع ہو گئی، ایک پل کو ان کے دل میں خیال آیا کہ کہیں وہ معصوم بیمار نہ ہو جائے مگر دوسرے ہی پل انہوں نے اس خیال کو جھٹک دیا، اپنے خاندان کی عزت بچانے کے لئے ضروری تھا کہ وہ بچی عاصمہ سے اور ان کے خاندان سے دور رہے، آج وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھیں، چھ ماہ بعد انہوں نے اپنے دیور کے بیٹے سے عاصمہ کی شادی کر دی، عاصمہ کے دل میں جہانگیر کی بے وفائی نے دیمک لگا دی تھی، اس شہر کی فضا میں اسے گھٹن ہوتی تھی، اس کے اصرار پر اس کے شوہر ریاض اس لے کر دوبئ سیٹل ہو گئے، دوسری طرف جہانگیر رفیعہ کے ہوتے ہوئے بھی خود کو کہیں اور گم پاتا تھا، احساس جرم اسے کچوکے لگاتا تھا، نیند تو اس بھیگی رات کے بعد جیسے آنکھوں سے روٹھ گئی تھی، سلیپنگ پلز کی بدولت بمشکل چند گھنٹے سو پاتا تھا، ماں جی اور بابا جان کی نظریں اسے اندر تک ٹٹولتی تھیں کہ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا، بابا جان کی باز پرس کے ڈر سے وہ شاہ میر کے ساتھ شرارتیں کرنے لگتا، رفتہ رفتہ شاہ میر اس کی ضرورت بن گیا، پانچ سال کا عرصہ گزر گیا، اس عرصے میں ایک روز ماں جی چل بسیں، ایک بزنس ڈنر میں اس کی ملاقات عاصمہ سے ہوئی وہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھی، وہ اب بھی اتنی ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوبصورت تھی، میزبان شہزاد نے جہانگیر کا تعارف ریاض اور عاصمہ سے کروایا، تو وہ اعتماد سے بولی۔

''میں انہیں جانتی ہوں یہ میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔''

''اوہ پھر تو ڈبل خوشی ہوئی جہانگیر آپ سے مل کر۔'' ریاض نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر اینڈ مسز ریاض ایک مہینے کے لئے دوبئی سے تشریف لائے ہیں۔'' شہزاد نے بتایا، اب جہانگیر پر بھی فرض ہو گیا تھا کہ وہ کچھ بولتا۔

''ریاض صاحب آپ بہت لکی ہیں جو آپ کو اتنی نائس لائف پارٹنر ملی ہیں۔'' وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

''اس بات سے تو میں سو فیصد متفق ہوں۔'' ریاض نے تائید کی، شہزاد ایکسکیوز کر کے دوسرے مہمانوں کی جانب چلا گیا، ریاض اسے اپنے دوبئی کے بزنس کے متعلق بتانے لگا، وہ ایک نفیس انسان تھا، ایک واقعہ سناتے ہوئے اس نے عادتاً قہقہہ لگایا تو اس کے ہاتھ میں پکڑا مشروب کا گلاس چھلک گیا، وہ معذرت کر کے واش روم کی تلاش میں چلا گیا۔

''اپنی بیوی کو نہیں لائے۔'' عاصمہ نے پوچھا۔

''نہیں وہ اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔''

''اور بچے؟'' عاصمہ نے پوچھا۔

''بچے نہیں ہیں۔''

''گویا میری طرح قدرت تمہیں بھی سزا دے رہی ہے۔'' عاصمہ کی آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی۔

''تو کیا تم بھی بے اولاد ہو۔''

''ہاں میں نے بھی ریاض کے بچے کو جنم نہیں دیا، البتہ تمہاری بیٹی کی ماں بنی تھی، مگر وہ زندہ نہیں رہ سکی، اچھا ہی ہوا کہ وہ مر گئی، زندہ رہتی تو یہ معاشرہ اسے جینے کہاں دیتا۔'' عاصمہ کی آنکھوں میں نمکین پانی چمکنے لگا۔

''یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو، عاصمہ، میری بیٹی۔'' اس کے لب کانپ رہے تھے۔

''تم نے تو مجھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ عاصمہ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔''

''بابا میری شادی طے کر چکے تھے، پھر تمہارے ہاں بھی تو باہر شادیاں نہیں ہوتیں، پلٹ کر کیا کرتا۔'' جہانگیر نے کہا، ریاض واپس آ رہا تھا، دونوں ہی خود کو کمپوز کرنے لگے، عاصمہ نہیں جانتی تھی کہ ایک امتحان ابھی باقی ہے، اس کے دوبئی جانے میں کچھ دن باقی تھے جب عمو جان دل کے دورے میں چل بسیں، مرنے سے پہلے وہ اسے ایک اور درد دے گئیں تھیں، یہ بتا کر کہ اس کی بیٹی زندہ تھی اور انہوں نے اسے پارک کے گیٹ پر ڈال دیا تھا، بچی اب کہاں تھی اس سے وہ بھی لاعلم تھیں، عاصمہ کی حالت خراب رہنے لگی تھی، اسے دل کا درد لاحق ہو گیا تھا، ریاض اسے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا تھا، وہ دونوں دوبئی لوٹ گئے تھے، دو سال بعد ابی بھی گزر گئے، وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا، شادی کے پندرہ سال بعد ریاض کے والد نے اصرار کر کے انہیں واپس پاکستان بلا لیا، ان کا کہنا تھا کہ اب میرا آخری وقت ہے، یہ وقت میں اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، ان کے دباؤ میں آ کر ریاض اور عاصمہ پھر سے مستقل پاکستان سیٹل ہو گئے۔

☆☆☆

''نانو! کہاں کی تیاری ہے۔'' مصفرا نے بیرسٹر الیاس کی تیاری کا جائزہ لیا۔

''بچے آج میرے دوست بیرسٹر اکرام کی ...ادی کی گولڈن جوبلی ہے، بس ادھر جانے کی ...ری کر رہا ہوں، یہ طلیب کہاں ہے کچھ معلوم ...نہیں؟'' وہ ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے پوچھ ... تھے، اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''پتا نہیں نانو۔'' اب یہ تو کہنے سے رہی کہ ... نجانے کیوں اس سے دور دور رہنے لگا ہے، ...کی ہر اس جگہ کا اس نے بائیکاٹ کیا ہوا تھا، ...ہاں وہ مصفرا کی موجودگی متوقع ہو سکتی تھی، ...کا سامنا ہو بھی جاتا تو وہ انجان بن کر گزر جاتا ...یہ دنوں پہلے تک مصفرا اس کے التفات پر ...اتی تھی، اب یہ حال تھا کہ اس کی بے اعتنائی ...کراں گزر رہی تھی، پورے گھر میں وہ تین ...ے ہی وہ قلبی اور ذہنی طور پر نزدیک تھی، گل ...کی آغوش میں اسے ممتا کی گرمی ملی تھی، تو نانو ...اسے باپ کا پیار ملتا تھا، طلیب کی دوستی میں ...کے تمام رشتوں کی تشنگی دور ہوتی تھی، وہ خود کو ...اور احساس کرنے لگی تھی، یہی رشتے تو تھے ...کی زندگی تھے، یہی گھر تو اس کا کائنات تھا۔

''...بہت مصروف ہے کیا وہ آج کل۔''

...صاحب چونک پڑے جانتے تھے کہ مصفرا ...میں گاڑھی چھنتی ہے۔

''شاید آفس میں کام زیادہ ہے وہ گھر بھی ...لے لگا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا تو یہ بات ہے، میں نے سوچا کہ وہ ...ہو تو اس کے ساتھ ہی چلا جاؤں، بہرحال ...سے ڈرائیور کو بلوا لیتا ہوں۔'' بیرسٹر ...لیفون سیٹ کی جانب بڑھے تو وہ ...باہر آ گئی، گرینی کچن میں گل جان کو ...دے رہی تھیں، وہ بے دلی سے اپنے ...میں آ گئی، شاہ میر سے بھی کافی دنوں ...نہیں ہوئی تھی، فون البتہ وہ روز کرتا تھا، کچھ دنوں پہلے اس نے بتایا تھا کہ اس کے دادا حاکم نظامانی گزر گئے ہیں اس کی بات سن کر مصفرا نے افسوس کا اظہار کیا تھا، وہ نظامانی لاج میں اپنے کمرے میں بیٹھا کمپیوٹر پر بیٹھا ایک اہم کام کر رہا تھا، کہ انٹر کام پر اسے جہانگیر نظامانی کا پیغام ملا وہ اس سے بات کرنا چاہتے تھے، اس لئے وہ اسے کمرے میں بلا رہے تھے، وہ تو خود ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس روز وہ رونق پیلس سے زیست سے ملے بغیر کیسے چلے گئے، اگر وہ انہیں پسند نہیں آئی تھی تو بتا دیتے ان کے اس طرح جانے سے زیست کس قدر پریشان ہو گئی تھی، وہ سوچوں میں گم ان کے کمرے میں آ گیا، لاؤنج سے سفینہ اور رفیعہ کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی، جہانگیر نظامانی نے اپنے سامنے کھلا البم بند کیا اور شاہ میر کی جانب متوجہ ہوئے، وہ ان کے سامنے بیٹھ چکا تھا اور اب سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''کیسے ہو جگر۔'' ان کے لہجے میں جوش مفقود تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''زیست کیسی ہے؟'' ان کا لہجہ اسے الجھا ہوا لگا تھا۔

''وہ بھی ٹھیک ہے لیکن چاچو آپ نے اس روز اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' شکوہ اس کے لبوں سے پھسل گیا، اس کے الفاظ سن کر ان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''اسے دیکھ کر مجھے بہت کچھ یاد آ گیا تھا، گزرے ہوئے ماہ و سال جنہیں میں نے بھلایا تو نہیں البتہ ان کے عکس دھندلے پڑ گئے تھے۔'' وہ بے اختیاری میں کہتے چلے گئے۔

''میں کچھ سمجھا نہیں۔'' وہ الجھن میں مبتلا ہوا تو انہوں نے اپنے سامنے رکھا البم کھول کر شاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میر کی جانب بڑھایا، وہ ان کی طالبعلمی کے دور کی تصاویر تھیں، شاہ میر البم پر جھکا، جہانگیر نظامانی کی کئی لڑکے لڑکیوں کے ساتھ تصاویر تھیں، ایک تصویر دیکھ کر شاہ میر بری طرح چونکا، جہانگیر کے ساتھ دو لڑکیوں کا فوٹو تھا، ایک کے بال ترشے ہوئے تھے، جبکہ دوسری لڑکی، شاہ میر نے تصویر سے نظر ہٹا کر جہانگیر کو دیکھا، جن کے چہرے پر عجیب ناقابل فہم تاثرات تھے۔

''چاچو یہ تو ہو بہو میری زیست کی تصویر لگ رہی ہے، کون ہیں یہ۔'' اس کے استفسار پر وہ بتانے لگے۔

''یہ عاصمہ کی تصویر ہے ہم یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے، عاصمہ کے والد اور تمہارے دادا آپس میں دوست تھے، عاصمہ کے والد کا تعلق عرب فیملی سے تھا۔'' جہانگیر نے توقف کیا، تو وہ بے قراری سے بول پڑا۔

''آپ انہیں پسند کرنے لگے تھے۔''

''ہونہہ، لیکن اس وقت میں اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ میرا رشتہ رفیعہ سے طے کیا جا چکا تھا اور عاصمہ کے خاندان میں بھی باہر شادیوں کا رواج نہیں تھا، تمہاری زیست کو دیکھ کر مجھے سب کچھ یاد آ گیا تھا، وہ اپنی پیشانی مسلنے لگے، اپنی شخصیت کا کمزور پہلو اس کے سامنے عیاں کرنے کی وہ خود میں ہمت نہیں پا رہے تھے، وہ جو انہیں آئیڈیلائز کرتا تھا، کیا سوچتا ان کے بارے میں۔''

''چاچو! زیست کا تعلق بیرسٹر الیاس حیدر کی فیملی سے ہے جبکہ آپ کی کلاس فیلو عرب فیملی سے ہیں، پھر اس قدر مشابہت حیرت انگیز ہے، بیرسٹر الیاس حیدر کے آباؤ اجداد کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے، اس لئے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ زیست کا کوئی تعلق آپ کی کلاس فیلو سے ہو، ویسے وہ ہوتی کہاں ہیں آج کل۔'' اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''کئی سالوں پہلے ملاقات ہوئی تھی اس وقت وہ دوبئی سے کچھ عرصے کے لئے پاکستان آئی تھیں، اب معلوم نہیں وہ کہاں ہوتی ہیں تمہاری اور رفیعہ بھی ہونے والی بہو سے مل سکیں۔'' جہانگیر نے پروگرام ترتیب دیا تو اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا، اسے ابھی کام باقی تھا۔

☆☆☆

وہ آفس میں ایک ضروری فائل کا مطالعہ کر رہے تھے، جب ان کے سیل پر عبداللہ کالنگ کے الفاظ روشن ہو گئے، جہانگیر نے مسکراتے ہوئے یس کا بٹن دبا دیا اور سیل فون کان سے لگایا۔

''ہیلو کیسے ہو یار۔'' وہ خوشدلی سے بولے عبداللہ اب تک ان سے رابطے میں تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں جہانگیر تجھے ایک میسج دینا تھا۔'' عبداللہ کی سنجیدہ سی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''خیریت تو ہے۔'' جہانگیر، عبداللہ کی سنجیدگی محسوس کر کے چونکے۔

''بات دراصل یہ ہے کہ عاصمہ بختیار نے تمہارے لئے میسج بھیجا ہے وہ تم سے ملنا چاہتی ہے، عاصمہ کارڈیالوجی میں ایڈمٹ ہے ہارٹ اٹیک ہوا ہے، سمیعہ اس کی عیادت کے لئے گئی تھی، اس نے سمیعہ سے کہا کہ وہ تم سے ضرور بات کرنا چاہتی ہے، تم پہلی فرصت میں اس سے مل لینا، اسی کی کنڈیشن سیریس ہے۔'' عبداللہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''او گاڈ پر وہ تو دوبئی میں تھی اپنے شوہر کے ساتھ۔''

''چند سال پہلے وہ پاکستان واپس آ گئی

ہے۔'' عبداللہ نے بتایا، جہانگیر نے ہسپتال کا نام اور روم نمبر معلوم کرنے کے بعد رابطہ منقطع کر دیا، عاصمہ کی طبیعت کا سن کر اس کے اعصاب منتشر ہو گئے تھے، نجانے کتنی ہی دیر وہ سوچوں کے دھارے میں بہتے چلے گئے، چونکہ اس وقت جب شاہ میر ان کے کیبن میں داخل ہوا۔

''ایوری تھنگ از آل رائٹ چاچو۔'' ان کی بکھری بکھری حالت دیکھ کر وہ پریشان ہوا۔

''ہاں میں...... میں ٹھیک ہوں جگر، مجھے ایک جگہ ضروری کام سے جانا ہے، تم آفس سنبھال لو گے۔'' وہ اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''او کے ڈونٹ وری۔'' اس کے تسلی کرنے پر وہ آفس کی عمارت سے نکل کر پارکنگ کی جانب بڑھنے لگے، ڈرائیور نے ان کے حکم پر گاڑی کا رخ عبداللہ کے بتائے گئے ہاسپٹل کی جانب کر لیا تھا، ہسپتال پہنچ کر مطلوبہ کمرہ ڈھونڈنے میں انہیں پریشانی نہیں ہوئی، روم کا دروازہ ادھ کھلا تھا، وہ دھیمے قدموں سے اندر داخل ہو گئے، سامنے ہی بیڈ پر عاصمہ نیم دراز تھیں ان کی بے چین نظریں دروازے پر مرکوز تھیں، گردش ماہ و سال نے ان کے حسن جہاں سوز کو زیادہ کو کچھ خاص متاثر نہیں کیا تھا، البتہ موجودہ بیماری نے ان کی ساری طاقت نچوڑ لی تھی، جہانگیر کو دیکھ کر ان کی بلی جیسی آنکھوں میں چمک کوندی تھی۔

''کیسی ہو عاصمہ یہ کیا حالت بنا لی ہے۔'' عاصمہ کو دیکھ کر ان کے دل میں مانوس درد جاگا۔

''اپنے حصے کا درد سہتے سہتے اب تھک گئی ہوں، اب یہ درد میں تمہیں سونپنا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

''کیسا درد عاصمہ اور تمہارا شوہر، وہ کہاں ہے۔''

''جہانگیر میں نے ریاض کو گھر بھیجا ہے، میری بات غور سے سنو، پتا نہیں زندگی مجھے مزید مہلت دے گی یا نہیں۔'' اس کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔

''کہو میں سن رہا ہوں۔''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے تمہاری مردہ بیٹی کو جنم دیا تھا۔'' جہانگیر ہمہ تن گوش تھا۔

''ہماری بیٹی زندہ تھی جہانگیر، عمو جان نے مجھ سے غلط بیانی کی تھی، انہوں نے اس معصوم کو میونسپل کارپوریشن کے پارک کے گیٹ پر ڈال دیا تھا، جب سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے میں سکون کو ترس گئی ہوں، میرے اندر ایک آگ ہر وقت دہکتی رہتی ہے، خدارا جہانگیر اسے ڈھونڈ لو۔'' عاصمہ کا انکشاف سن کر اس کے اعصاب جھنجھنا اٹھے، رگوں میں دوڑتا لہو جیسے آگ بن گیا تھا، جہانگیر نظامانی کی بیٹی کو پیدا ہوتے ہی راستے کی دھول بنا دیا گیا تھا، لیکن کون مانے گا کہ وہ میری بیٹی ہے، میں اسے کیسے ڈھونڈ پاؤں گا، اتنا طویل عرصہ بیت گیا ہے، اس حادثے کو کتنی ہی دیر وہ وہاں کھڑا سوچتا رہا پھر عاصمہ کو تسلی کے چند الفاظ بول کر وہ ہسپتال سے باہر نکل آئے، ذات کے اندر ایک طوفان برپا تھا، جو اندر ہی اندر اسے بکھیرتا جا رہا تھا، قدرت نے اپنی رسی کھینچ لی تھی، شاید ان کے گناہ کی سزا کے طور پر بھی انہیں اور رفیعہ کو بھی بے اولاد رکھا تھا۔

☆☆☆

گھر میں طلیب کے ناروے جانے کی خبر گرم تھی، تقریباً سب ہی لوگ اس کے اس فیصلے سے خفا تھے، وہ ایک ایک کو مناتا پھر رہا تھا، سوائے مصفرا کے جس کا نام لینے کا بھی وہ روادار نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دادو اتنا گولڈن چانس ہے، اتنی اچھی جاب ملی ہے مجھے وہاں پر ناروے کے شہریت کا کچھ فائدہ بھی تو ہو، مام پلیز سمجھنے کی کوشش کیجئے۔'' اس کا لہجہ ملتجی تھا، بیگم عباد نے نظر چرالی جانتی تھی وہ یہ سب مصفرا سے دور جانے کے لئے کر رہا ہے۔

کل صبح اس کی فلائیٹ تھی، بے شمار کام ادھورے پڑھے تھے، وہ دانستہ مصفرا سے گریز برت رہا تھا، وہ اس کی اولین چاہت تھی، وہ اس کی حقیقت جاننے کے بعد خود میں اتنی جرأت نہیں پاتا تھا کہ اسے اپنا سکے۔

''تمہاری گرینی بہت ڈپریسڈ ہیں، تم کچھ وقت ان کے ساتھ گزار لو، وہ صبح سے کمرے سے باہر نہیں نکلی ہیں۔'' بیرسٹر الیاس نے کہا تو وہ گرینی کے کمرے میں آ گیا، جہاں وہ سوچوں میں گم تھیں۔

''گرینی آئی لو یو بٹ مجھے مجبور مت کیجئے، میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتا، پلیز اپنی ناراضگی ختم کیجئے۔'' اس نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لے کر کہا۔

''تم مانو کی وجہ سے جا رہے ہو ناں۔'' ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''آپ کو خبر تو ہے، میں اگر مزید یہاں رہا تو کسی نہ کسی روز اس کی حقیقت اس کے سامنے کھول دوں گا، جب وہ مجھ سے پوچھے گی، طلیب تم یکا یک اتنے اجنبی کیوں بن گئے ہو، تو میں جھوٹ نہیں بول پاؤں گا، اگر اسے سچ پتا چل گیا گرینی تو وہ عمر بھر خود سے نظر نہیں ملا پائے گی، یہ سب میں دیکھ نہیں پاؤں گا، آپ اس کی کسی اچھے سے لڑکے سے شادی کر دیجئے گا، پھر میں بھی لوٹ آؤں گا۔'' وہ ان کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔

''اور طلیب تم کب شادی کرو گے۔'' انہوں نے پوچھا۔

''میں بھی شادی کر لوں گا، جسے آپ اور م... میرے لئے پسند کریں گی۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا، بیگم الیاس نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کی پیشانی چوم لی اور پھر وہ ناروے چلا گیا، مصفرا سے ملے بنا چلا گیا تھا، مصفرا کمرے میں بند ہو کر پہروں روتی رہی، وہ اس کے بچپن کا ساتھی تھا، کس بات کی سزا دی تھی اس نے مصفرا کو وہ سمجھنے سے قاصر تھی، کیا وہ مصفرا اور شاہ میر کے متعلق کے بارے میں جان گیا تھا، اسی لئے مصفرا اسے اس حد تک بدگمان ہو گیا تھا کہ اس کی صورت دیکھنے کا بھی روا دار نہیں تھا، مصفرا کی سوچ اس نقطے پہ آ کر گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھ سے ملو، میں آج شام پانچ بجے مخصوص جگہ پر تمہارا انتظار کروں گا۔'' اس نے موبائل چیک کیا تو ان باکس میں شاہ میر کا میسج موجود تھا، طلیب کو ناروے گئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، اس ایک ہفتے میں اس نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا، دل بجھا بجھا سا تھا، نجانے کیوں شاہ میر اتنے دنوں سے چپ تھا، آج اس کا مطالبہ معلوم ہونے پر وہ گرینی سے اجازت لے کر پونے پانچ بجے گھر سے نکل آئی، مین روڈ پر شاہ میر اپنی لینڈ کروزر کے ساتھ موجود تھا، آج نواز حسین غیر حاضر تھا۔

''تم ٹھیک ہو زیست۔'' اس کی ساحر آنکھوں میں جذبوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اس کے بیٹھتے ہی شاہ میر نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''تمہیں خود سے تو ملنے کا خیال ہی نہیں آتا

...ے بلانے پر ہی آتی ہو۔'' شکوہ اس کے لبوں ... پھسلا۔

''شاہ میر ایکچوئلی پچھلے دنوں طلیب ناروے ... گیا ہے، اچانک ہی اس کا پروگرام بنا تھا، اس ... جانے کی وجہ سے میں بہت ڈسٹرب رہی ... ہوں۔'' اس نے سچائی بیان کی تو شاہ میر نے ... طویل سانس خارج کی۔

''تم اس کے جانے سے ناخوش ہو۔'' اس ... سنجیدگی سے سوال کیا۔

''وہ میرے بچپن کا دوست ہے، کچھ عرصے ... وہ مجھ سے گریز برتنے لگا تھا، جاتے ہوئے ... سے مل کر بھی نہیں گیا، مجھے ایسا محسوس ہوا ... شاید اسے میرے اور آپ کے تعلق کی خبر ہو گئی ...'' اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

''اگر ایسی بات ہے تو پھر اچھا ہی ہوا۔'' ... میر نے اطمینان سے کہا۔

''آپ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں۔'' نا ... راستوں کو دیکھ کر کچھ دیر بعد اسے خیال آیا۔

''نظامانی لاج، مما اور چاچی سے ملوانے، ... سے تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔'' کچھ دیر بعد ... کروزر نظامانی لاج کا مین گیٹ عبور کر چکی تھی ... لمبی سڑک پر رواں تھی جس کے دونوں ... ناریل کے درخت تھے، پورٹیکو میں شاہ میر ... گاڑی پارک کی، نظروں سے سامنے اب پر ... عمارت تھی، جس کی پیشانی پر نظامانی لاج لکھا ... وردی ملازم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو ... اتر آیا، اپنی جانب کا دروازہ کھلنے پر ... باہر آ گئی، سیٹنگ روم میں سفینہ اور ... اس کی منتظر تھیں، مصفرا کو دیکھ کر دونوں ... چہرے چمکنے لگے، مصفرا کا سادہ سا ... کے دل میں گھر کر گیا تھا، اس نے بلیک ... ساتھ کو پر کلر کا شلوار دوپٹہ پہن رکھا تھا، قمیض پر کوپر کلر کی لیس لگی ہوئی تھی، شاہ میر ان تینوں کو سٹنگ روم میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا مصفرا سے بات کرنے کا موقع فراہم کر رہا تھا، تاکہ وہ سکون سے اس سے بات کر سکیں، ملازمہ لوازمات سے بھری ٹرالی لے آئی، رفیعہ سے ایک ایک چیز اصرار سے کھلا رہی تھیں، ایک انجانی سی کشش انہیں اس لڑکی میں محسوس ہو رہی تھی، کوشش کے باوجود وہ اس پر نگاہ ہٹا نہیں پا رہی تھیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ وہ ان دونوں کے ساتھ بیٹھی رہی، ابتدا میں وہ جھجک کا شکار رہی، پھر اس کی جھجک جاتی رہی، شاہ میر جب اپنا کام ختم کر کے سٹنگ روم میں واپس آیا تو ان تینوں کو خوشگوار ماحول میں بات چیت کرتے دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''شاہ میر اب چلیں کافی دیر ہو گئی ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی، شاہ میر نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ باری باری سفینہ اور رفیعہ سے الوداعی انداز میں ملنے لگی، جب اس نے رفیعہ کے سامنے سر جھکایا تو انہوں نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی، کتنی اپنی اپنی سی لگی تھی انہیں یہ لڑکی، واپسی کے سفر میں شاہ میر نے پوچھا۔

''زیست تمہیں مما اور چاچی کیسی لگیں۔''

''ویری نائس، ان دونوں سے مل کر اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر بتایا۔

''اور میں، مجھ سے مل کر کیسا احساس ہوتا ہے۔'' وہ اپنی ساحر آنکھیں اس پر ٹکائے شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

''پھر کبھی بتاؤں گی۔'' اس نے پہلو تہی کی تھی، شاہ میر اس کی چالاکی پر ہنس دیا، وہی دلکشی ہنسی جسے سن کر مصفرا کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں۔

ایک ہفتے کے بعد سفینہ اور رفیعہ، اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رشتے کے سلسلے میں ''الیاس منزل'' آئی تھیں، ان کے ساتھ جہانگیر اور شاہنواز بھی تھے، شاہنواز احمد کو الیاس حیدر جانتے تھے اس لئے ان لوگوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر انہیں حیرت نہیں ہوئی تھی، جب سفینہ نے اپنا مدعا بیان کیا تو گرینی کو گونہ سکون محسوس ہوا، وہ جلد از جلد مصفرا کی شادی کر دینا چاہتی تھیں، جب مصفرا چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو اسے دیکھ کر جہانگیر کے دل کی عجیب کیفیت ہوگئی خوشگوار موسم میں اے سی کی خنکی کے باوجود انہیں اپنے مساموں سے پسینہ بہتا محسوس ہوا، وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھے، پچھلے دنوں وہ اپنے آپ سے بھی غافل رہے تھے، عاصمہ کی ڈیتھ کی خبر ملتے ہی وہ گاؤں چلے گئے تھے، کل ہی لوٹے تھے، مصفرا کو دیکھ کر ان کے زخم ہرے ہو گئے تھے، وہ بیرسٹر صاحب سے مصفرا کے والدین کے بارے میں پوچھنے لگے، سفینہ کے رشتے کی بات کرنے پر گرینی نے جواب دینے کے لئے مہلت مانگی تھی، وہ لوگ پر امید لوٹے تھے۔

☆☆☆

شاہ میر کچھ دنوں سے جہانگیر کی الجھی الجھی کیفیت نوٹ کر رہا تھا، پہلے کی طرح ہنسنا بولنا وہ بھول ہی چکے تھے، شاہ میر کے استفسار پر انہوں نے فقط اتنا کہا کہ وہ عاصمہ کی ڈیتھ کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں، بیٹی والا معاملہ وہ گول کر گئے تھے، پھر یکا یک ایک سوچ ان کے دماغ میں کنڈلی مار کے بیٹھ گئی، انہوں نے اپنے وفادار منظور حسین کو مصفرا کے باپ کے گاؤں بھیج دیا تھا، اب بے چینی سے اس کی واپسی کے منتظر تھے، بیرسٹر الیاس حیدر اور عباد حیدر نے شاہ میر سے ملاقات کرنے کے بعد مثبت جواب دے دیا تھا، خالدہ بیگم منگنی کرنا چاہ رہی تھیں مگر شاہ میر کے اصرار پر سفینہ نے شادی کی تاریخ رکھ دی تھی، ذی... کے چاند کے ساتھ ہی وہ مصفرا نامی چا... نظامانی لاج کو روشن کرنا چاہ رہی تھیں، معمو... و پیش کے بعد ان کا مطالبہ مان لیا گیا تھا... چونکہ کم تھا، سو دونوں جانب شادی کی ... شروع کی جا چکی تھیں۔

ادھر منظور حسین ایک ہفتے کے بعد ... تھا، جہانگیر نے اسے گھر پر بلایا تھا، شاہ... رفیعہ دونوں مصفرا کو لے کر جیولر کے پا... تھے، سفینہ اپنے کمرے میں بیٹھی مہمانوں ... بنوار ہی تھیں۔

''ہاں کہو منظور حسین کیا پتا چلا...'' ... سینے میں دل اودھم مچا رہا تھا، ایک ہی ا... اپنی گمشدہ بیٹی کا پتا معلوم کرنے کی۔

''سائیں! گاؤں میں عبد الو... بارے میں جس کسی سے بھی پوچھا، ا... بتایا کہ عبد الوہاب کو کسی جھگڑے میں ... تھی اور اس کی بیوہ اس کے مرنے کے بعد معمولی بیماری میں چل بسی، ان کی ... نہیں تھی، وہ بے اولاد تھے۔'' منظور ... کھڑا تھا۔

''اور کچھ!''

''سائیں میں ان کی قبروں پر ... وہاں سے بھی یہی معلوم ہوا ان کی ... آنا جانا نہیں ہے، ان کی کوئی اولا... قبروں پر فاتحہ پڑھنے تو آتی۔'' منظو... مزید بتایا۔

''ٹھیک ہے تم اب جاؤ لیکن ا... کسی کو پتا نہ چلے خاص طور پر شاہ میر ... نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں ... کے گاؤں بھیجا تھا۔'' ان کا حکم سن کر ... کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور رخصت ہ...

...مسلسل کچھ سوچتے رہے، دوسرے دن وہ ...سے نکل کر بیرسٹر الیاس حیدر کے دفتر آ... ...سٹر الیاس حیدر، جہانگیر نظامانی کو اپنے ...دیکھ کر حیران ہو گئے۔

''...آپ سے ایک بے حد ضروری بات کرنا ...تھا، کیا آپ کے پاس وقت ہے۔'' وہ ...الیاس حیدر سے مصافحہ کرنے کے بعد ان ...بل براجمان ہو گئے تھے۔

''...جی ضرور میں فارغ ہی تھا۔'' وہ ...، البتہ اندرونی اضطراب ان کے ...سے نمایاں تھا، انہوں نے جہانگیر کے ...ئے منگوانی چاہی لیکن جہانگیر نے سہولت ...کر دیا۔

''...میں مصفرا کے والدین کے بارے میں ...جاننا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے اپنی آمد کا مقصد ...

''...میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ میری ...بھائی کی بیٹی ہے، اس کے والد کا بھی ...چکا ہے۔'' بیرسٹر الیاس حیدر کے اندر ...کل سرخ ہوا تھا۔

''...مجھے یاد ہے، آپ نے نور پور کا ذکر کیا ...دنوں ایک کام کے سلسلے میں مجھے وہاں ...اتفاق ہوا، میں نے سوچا کہ لگے ہاتھوں ...کے والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھ لوں، ...گا بیرسٹر صاحب، مجھے وہاں جا کر پتا ...الوہاب اور محمودہ کی کوئی اولاد نہیں ...ہانگیر کی بات سن کر بیرسٹر الیاس حیدر کی ...پسینے کے قطرے چمکنے لگے، عمر بھر جس ...کی ہے، کیا وہ اب کھل جائے گا۔

''...آپ...... یوں سمجھ لیجئے کہ وہ میری اولاد ...نے اس کی پرورش اپنی اولاد کی طرح ...بیرسٹر الیاس حیدر جیسے باوقار شخص کو مزید جھوٹ بولنا مناسب نہیں لگا۔

''لیکن وہ آپ کی اولاد نہیں ہے۔''

''جہانگیر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' جہانگیر کا انداز انہیں چونکا گیا تھا۔

''پچھلے دنوں میری ایک عزیزہ کی ڈیتھ ہو گئی ہے، یقین کیجئے ہو بہو مصفرا ان کی ہم شکل ہے، وہی چہرہ وہی آنکھیں، وہی رنگت، میری ان عزیزہ نے طالب علمی کے زمانے میں اپنے ایک کلاس فیلو سے شادی کر لی تھی، والدین نے ان کے رشتے کو قبول نہیں کیا، دونوں نے وہ رشتہ ختم کر کے اپنے اپنے والدین کی پسند پر سر جھکا دیا، مجھے معلوم ہوا کہ میری ان عزیزہ نے آج سے اکیس سال پہلے ایک بچی کو جنم دیا تھا، ان کی والدہ نے انہیں بتائے بنا اس بچی کو میونسپل کارپوریشن کے پارک کے گیٹ کے پاس ڈال دیا تھا، میری عزیزہ نے اپنی زندگی میں اس بچی کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہیں۔'' جہانگیر نے دیکھا کہ بیرسٹر الیاس حیدر کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

''اور اس کا باپ۔'' بیرسٹر الیاس حیدر نے پوچھا۔

''مر گیا۔'' جہانگیر نے بے دردی سے کہا یہ کہتے ہوئے ان کے دل کو کسی نے نوچا تھا۔

''یہ سچ ہے، وہ مجھے پارک کے گیٹ کے پاس ملی تھی، لیکن خدارا یہ بات اسے پتا نہ چلے، وہ جیتے جی مر جائے گی۔'' وہ آبدیدہ ہو گئے مانو انہیں اپنی بچوں سے بھی پیاری تھی، مانو کی دل آزاری انہیں گوارہ نہیں تھی، جہانگیر کا دل چاہا کہ وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر روئیں، قدرت نے کیسا انصاف کیا تھا، اولاد کے ہوتے ہوئے وہ اسے اپنا نام نہیں دے سکتے تھے، بیٹی کہہ کر اس کی پیشانی نہیں چوم سکتے تھے، اپنا بھرم کھونے کا ڈر تھا، بیرسٹر الیاس کو اس راز کو راز رکھنے کا یقین دلا کر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موسم ہجراں کے بعد

ثمینہ شیخ

ان کے آفس سے نکل آئے، گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے اسٹیرنگ وہیل پر سر ٹکایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

☆☆☆

کاہی گرین لہنگے میں وہ اپنی تمام حشر سامانیوں سمیت شاہ میر کے عجلہ عروسی میں موجود تھی، شاہ میر جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ اس کے انتظار میں سر جھکائے بیٹھی تھی، آج اسے شاہ میر سے بے تحاشا شرم آرہی تھی، جبکہ شاہ میر کی شوخیاں آج عروج پر تھیں، منہ دکھائی کے کنگن اس کی کلائی میں ڈالتے ہوئے ایک شوخ جسارت کر گیا تھا، زیست کی سرخ ہوتی رنگت کو اس نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا، آج اس لڑکی کے سارے رنگ ہی نرالے تھے۔

''زیست آج تو بتا دو کہ مجھ سے ملکر کیسا احساس ہوتا ہے۔'' آج وہ باتوں سے بہلنے والا نہیں تھا۔

''شاہ میر آپ کے سامنے میرا خود پر سے اختیار ختم ہونے لگتا ہے، میں اپنا آپ بھول جاتی ہوں۔'' اس نے نظریں جھکا کر اعتراف کیا تھا، سرشاری کی انتہا پر پہنچ کر شاہ میر نے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا۔

☆☆☆

بقر عید میں ایک دن تھا وہ سجی سنوری اس کے سامنے کھڑی تھی، وہ آفس کی ایک اہم فائل میں مگن تھا، اس کا روپ سروپ دیکھ کر مسکرایا۔

''کیا بات ہے زیست منہ کیوں بنا رکھا ہے۔''

''وہ..... شاہ میر وہ مجھے گھور رہا ہے، اس کی سرخ آنکھوں سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے، کل بھی اس نے یہی حرکت کی تھی۔'' اس نے اپنے چہرے پر خوف کے تاثرات پیدا کیے، شاہ میر کو باہر لے کر جانا تھا اور تو بہانہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

رفیعہ نے کہا بھی تھا کہ وہ کام چھوڑ کر باہر نہیں آئے گا، مگر مصفرا کی ضد کہ میں شاہ میر کو باہر لان میں لے کر ہی آؤں گی، شاہ میر اس کی بات سن کر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''کون ہے وہ جس کی اتنی جرأت کہ شاہ میر کی زیست پر بری نظر ڈالے۔''

''وہ باہر کھڑا ہے، وہ اکیلا نہیں ہے شاہ میر۔'' اس نے کہا پر شاہ میر تیزی سے باہر نکل گیا، وہ بھی اس کے پیچھے دوڑی، اب صورتحال یوں تھی کہ وہ لان کے جس حصے میں کھڑا اس کے دائیں جانب کرسیوں پر سفینہ اور رفیعہ بیٹھی تھیں، دونوں کے لبوں پر تبسم تھا جبکہ بائیں جانب وہ چاروں کھڑے جگالی کر رہے تھے اسے ایک پل لگا تھا، مصفرا کی شرارت سمجھنے میں ''یہ ان سے ڈر لگ رہا تھا تمہیں'' وہ مصفرا کی جانب جو اس کے پیچھے کھڑی چاروں بکروں کو شرارت سے دیکھ رہی تھی، منظور حسین انہیں کل ہی قربانی کی غرض سے لایا تھا۔

''ہاں نہ یہ آپ کے بارے میں جانتے نہیں تھے، میں نے کہا مجھے اکیلی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے میں اپنے شوہر کو بلا کر لاتی ہوں۔'' نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر کہا تھا اس انداز پر سفینہ اور رفیعہ ہنسنے لگیں، شاہ میر بھی اس کی شرارت پر سر ہلا کر ہنسنے لگا، وہی دلکش ہنسی سن کر مصفرا کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی، اپنی ہوتی دھڑکن کو سنتے ہوئے، اس نے وکٹری کا نشان بنا کر سفینہ اور رفیعہ کو دکھایا، اس مکمل ماحول کو دیکھ کر شام کی سلونی ہوا بھی مسکرانے لگی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج کے دور میں بھی کچھ گھرانے ایسے تھے جن کے اصولوں اور روایتوں پر زمانے کی ہوا نے رتی برابر اثر نہ کیا تھا محمد یوسف کا ایک بیٹا سجاد احمد اور بیٹی سائرہ بیگم تھے جبکہ ان کے بھائی ابراہیم کا صرف ایک بیٹا عباد احمد تھا، ابراہیم اور ان کی اہلیہ ساجدہ بیگم ایک حادثے میں جان بحق ہو گئے اور یوں عباد احمد کی پرورش بھی محمد یوسف نے اپنی اولاد کی طرح کی اسی لئے سجاد احمد اور عباد احمد میں بالکل بھائیوں کی طرح محبت تھی اور پھر یوسف صاحب نے اپنی اکلوتی بیٹی سائرہ کی شادی عباد احمد سے کر دی یوں وہ تینوں کبھی الگ نہ ہو پائے اور آج بھی لوگ ان کے گھرانے کی مثال دیا کرتے تھے سجاد احمد کے چار بچے تھے، مائرہ، معاذ، ماوراء اور مناہل، عباد احمد کے پانچ بچے تھے، تیمور، افشین، نوشین، ہمایوں اور تانیہ تھے، عباد احمد کے بچے سجاد احمد کو ماموں کہنے کی بجائے تایا جان کہا کرتے تھے کیونکہ وہ دونوں بالکل بھائیوں کی طرح رہتے تھے، مائرہ کی شادی، عائشہ بیگم نے اپنے بھانجے سے کی تھی اور معاذ کے لئے انہوں نے شروع سے افشین کے بارے میں سوچ رکھا تھا، سگھڑ اور فرمانبردار سی افشین انہیں بہت پسند تھی چونکہ دونوں بھائیوں اور نند بھاوج میں بہت اتفاق تھا اس لئے ان کے ارادے کی تکمیل میں ہرگز رکاوٹ کا اندیشہ نہیں تھا معاذ ذرا مختلف قسم کا لڑکا تھا اور ذرا آزاد خیال تھا اور اپنے گھر کے روایتی ماحول کو پسند نہیں کرتا تھا اس کا خیال تھا کہ زمانے کے ساتھ چلنے کے لئے وقت کے ساتھ ترقی کا سفر کرنا انتہائی ضروری ہے، دونوں بھائیوں کی بڑی مارکیٹ میں کپڑے کی دکانیں تھیں جو خوب چلتی تھیں خوش لباس اور خوش خوراک تھے ہر روز موسم کے پھل اور سبزیوں سے لدے پھندے گھر آتے چونکہ پہننے اوڑھنے کھانے پینے کی کمی نہیں تھی، وہ اپنے تینوں خوش حال زندگی بسر کر رہے تھے دس مرلے پر مشتمل یہ مکان ان کے والد نے اس وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنوایا تھا اس وقت تین بچے تھے تو یہی مکان انہیں کشادہ لگا کرتا اب بچوں کے بھی بچے بڑے ہو گئے تھے تو معاذ کو یہ مکان بہت پرانا اور چھوٹا محسوس ہوتا حالانکہ دو کمرے اوپری منزل پر بھی تھے پانچ سال پہلے اس نے بی ایس سی کیا تھا اور اب تک بے کار پھر رہا تھا دکان پر بیٹھنا اپنی توہین سمجھتا تھا اور چھوٹی موٹی نوکری کرنا اسے ناپسند تھا، اس دن سالن افشین نے ہی پکایا تھا نمک تیز ہو گیا تھا۔" ہمایوں نے کہا۔

"کسی سے چکھوا لیں آپی!"

"مگر چکھے گا کون سب روزے سے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اگر شوہر ظالم اور سخت گیر ہو تو روزے میں نمک چکھنا جائز ہے۔" ماوراء نے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا تھا۔

"مگر ہم میں سے کسی کا شوہر ہی نہیں۔" نوشین نے دہی پھینٹتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"میری امی سے چکھوا لو۔" معاذ جانے کب وہاں آیا تھا۔

"مگر تائی جان روزے سے ہیں۔" نوشین نے اس کی بات سن کر کہا تھا۔

"لیکن انہیں اجازت ہے۔" وہ طنز سے بولا۔

"تمہیں شرم تو نہیں آتی تایا جان کے بارے میں ایسا کہتے ہوئے۔" افشین اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی اس لئے پلٹ کر اسے گھورتے ہوئے سرزنش کی۔

"ویسے ہمارے گھر کے کچن پر کسی ہوٹل کا گمان نہیں ہوتا۔" اس نے لڑکیوں کی مصروفیات

کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" مناہل نے بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ سب صحت مند تو ہیں مگر کسی کی بھی توند نہیں نکلی ہوئی جس حساب سے کھانا بنتا ہے سب کی توندیں باہر ہونی چاہیں اس کی کیا وجہ ہے؟" اس نے سب کو دیکھتے ہوئے جیسے خود سے سوال کیا۔

"اس کی وجہ یہ ہے برخوردار کہ ہم سب کام کرتے ہیں تمہاری طرح ہڈحرام نہیں ہیں۔" اس کے بالکل پیچھے سے تایا جان کی آواز آئی تھی ان کی اچانک آمد اور اس جواب پر لڑکیاں دبی دبی سی ہنسنے لگیں اور وہ جو دروازے کے درمیان کھڑا تھا خفیف سا ہو گیا۔

☆☆☆

بیس روزے گزر گئے تھے عید کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں لڑکیاں اپنی اپنی پسند کے کپڑے تیار کر رہی تھیں اس وقت بھی مشین سنبھالے بیٹھیں تھیں۔

"دیکھو تو کیسا لگ رہی ہے۔" افشین نے دھاگہ توڑ کر قمیض پھیلا کر تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے ماوراء سے پوچھا، چونکہ گرمیوں کی عید تھی اس لئے انہوں نے کاٹن کے سوٹ بنائے تھے۔

"زبردست!" ماوراء نے ستائشی نظروں سے اس کی قمیض کو دیکھا جس کے گلے اور بازوؤں پر موتیوں سے ہلکا سا کام کیا تھا۔

"دوپٹے پر بھی ہی ڈیزائن بناؤ گی۔" اس نے اپنے دوپٹے پر لیس لگاتے ہوئے مزید پوچھا۔

"ساتھ والوں کی ناصرہ باجی سے کروشیے سے بیل بنواؤں گی۔"

"چلو لڑکیوں عصر کا وقت ہو گیا ہے اپنے کام سمیٹو نماز پڑھو اور باورچی خانہ دیکھو۔" سو وہ مصروف ہو گئیں عشاء کی نماز کے بعد دستر خوان لگایا گیا اور تمام لوگ جمع ہو کر کھانا شروع کرنے لگے۔

"تم کچھ کرو گے یا ایسے ہی روٹیاں توڑتے رہو گے۔" تایا جان کو اکثر ایسی باتیں کھانے کے وقت یاد آتی تھیں۔

"کوئی ڈھنگ کا کام ملے گا تو کروں گا۔" معاذ نے بھی لاپرواہی سے جواب دیا۔

"کام کرنے کی نیت ہو تو کام کیا جاتا ہے میں نے تمہارے لئے جعفری صاحب سے بات کی تھی مگر نواب صاحب کو فرصت کہاں ملی ہو گی۔"

"میں نے فون پر بات کر لی تھی کلرکی دے رہے ہیں مجھے، آپ کو پتہ ہے میں کلرکی نہیں کروں گا۔"

"ہاں تم بی ایس سی ڈی آئی جی لگ جاؤ گے یوں کہو مفت کا کھانا کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔" مفت کا کھانا کھانے کا طعنہ سننا بہت مشکل ہوتا ہے سو اس نے توڑا ہوا نوالہ واپس پلیٹ میں رکھا اور واک آؤٹ کر گیا، تائی جان بلاتی رہ گئیں مگر وہ جواب دیئے بغیر نکل گیا۔

"یہ کون سا وقت ہے بھائی جان بات چھیڑنے کا۔" سجاد احمد کے لہجے میں ملال تھا۔

"جس وقت نظر آئے گا اسی وقت کہوں گا نہ کھانا کھانے کے وقت ہی تو نظر آتا ہے۔" ماموں جان نے غصے میں کہا تو سب نے خاموش رہنے میں عافیت جانی، افشین دستر خوان سے سب سے پہلے اٹھی تھی ہاتھ دھو کر اوپر کے کمرے میں آئی تو وہ وہیں بیٹھا تھا۔

"یہاں اکیلے کیا کر رہے ہو؟"

"جو تم دیکھ رہی ہو۔" وہ خفگی سے بولا۔

"میں تو تمہیں دیکھنے آئی تھی۔" وہ آرام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"ہاں جی بھر کر دیکھو میں میوزیم میں رکھا ہوا نادر نمونہ ہوں۔" وہ جھلا کر بولا۔
"وہ تو خیر تم ہو۔" وہ شرارت سے بولی۔
"کیا کہا تم نے۔" معاذ نے آنکھیں نکالیں۔
"نمونہ نہ سہی نادر پیس تو ہو۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بات بدلی۔
"میں سمجھا تم کھانا لائی ہوگی۔"
"تم جانتے ہو تایا جان نے سختی سے آرڈر دے رکھا ہے کھانا دستر خوان پر سبھی اکٹھے کھائیں گے مگر فکر نہ کرو ماوراء سے تمہارے لئے چائے کا کہہ کر آئی ہوں۔"
"تھینک یو ڈیئر کزن اگر مجھے ہٹلر کی اجازت درکار نہ ہوئی تو اسی وقت تمہیں آئس کریم کھلا کر لاتا۔" اس نے افشین کا شکریہ ادا کیا۔
"کون کس کو آئس کریم کھلوا رہا ہے۔" تیمور اور نوشین نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا ان کے پیچھے ماوراء چائے لئے چلی آئی۔
"ہٹلر کے ہوتے ہوئے یہ کہاں ممکن ہے یار۔"
"بھائی آپ کو ابو کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہیں۔" ماوراء نے چائے اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔
"ہاں یار غلط بات ہے اور پھر تم اتنا اختلاف کیوں رکھتے ہو ان سے۔" تیمور نے سرزش کی۔
"کیوں نہ کروں خود تو ساری عمر اسی گھر میں گزار دی ایک واش روم تو مزید بنوا نہیں سکے اور چاہتے ہیں کہ ہم بھی ساری عمر گز گز کپڑا ناپتے یا کلرکی کرتے گزار دیں۔" وہ شکوہ آمیز لہجے میں بولا۔
"توبہ ہے معاذ تم تو خوامخواہ بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہو اگر وہ تمہاری فکر نہیں کریں گے تو کون کرے گا ٹھیک ہی تو کہتے ہیں اب تمہیں کچھ کرنا چاہیے اور بلندی پر پہنچنے کے لئے پہلی سیڑھی پر قدم رکھنا ہی پڑتا ہے اگر پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھے بغیر......"
"پلیز افشی نو لیکچر...... اس کام کے لئے تمہارے تایا جان ہی کافی ہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

☆☆☆

پورے چار سال بعد عون جہانگیر آیا تھا معاذ کے اکلوتے ماموں کا چھوٹا بیٹا تعلیم میں جی نہ لگا تو ایف اے کر کے باہر چلا گیا وہ بچپن سے ہی اکثر چھٹیوں میں رہنے کے لئے ان کے گھر چلا آتا تھا، وہ ملتان میں رہتا تھا لیکن لاہور آنے کے لئے ہمیشہ یوں تیار رہتا جیسے ہمسائے میں جا رہا ہو کیونکہ اس کو ان کا جوائنٹ فیملی سسٹم اور سب کزنز کا آپس میں پیار محبت بہت اٹریکٹ کرتا تھا۔
"عون یہ تم ہی ہو نہ۔" معاذ سب سے پہلے آگے بڑھا تھا۔
"ہاں بھئی یہ میں ہی ہوں کیسا رہا سرپرائز۔" سب کے چہروں پر حیرت دیکھ کر اس نے خوشی سے پوچھا پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اس سرپرائز پر عائشہ بیگم کی خوشی دیدنی تھی پورے چار سال بعد وطن لوٹا تھا کتنا بدل گیا تھا، گوری سفید رنگت، سرخی مائل ہو گئی تھی، بڑی بڑی مونچھیں نیلی جینز ریڈ ٹی شرٹ میں ملبوس ہاتھ میں موبائل پکڑے بالکل انگریز لگ رہا تھا۔
"بیٹا کیا روزہ ہے؟" معاً عائشہ بیگم کو خیال آیا تھا۔
"نہیں پھوپھو جانی یہاں آ کر میرا معدہ بہت اپ سیٹ ہو گیا ہے یہاں کی ثقیل ثقیل غذائیں ہضم ہی نہیں ہو پاتیں۔"
"تو پھر ٹھیک ہے میں چائے بنواتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگیں تو اس نے بیٹھا دیا۔
"رہنے دیں پھپھو میں رات کو کھانا ہی کھاؤں گا۔" اس نے انہیں ہاتھ سے پکڑ اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا، رات کو کھانے سے فارغ ہو کر سب کے لئے لائے ہوئے تحائف انہیں دینے لگا سب کو گفٹ دے کر ایک نازک سا کرسٹل کا جیولری بکس افشین کو دینے لگا، اسی پل اس کی نظر معاذ کی طرف اٹھی وہ اسی کو دیکھ رہا تھا اسے کل والی حرکت یاد آ گئی کیسے اسے چپ کروا دیا تھا، اس کی بات سنے بغیر، تو افشین نے شکریہ ادا کر کے وہ لے لیا۔
"ویسے آپ کا ٹیسٹ بہت اچھا ہے عون بھائی۔"
"تمہیں پسند آیا، وہ خوش ہو گیا۔"
"آپ اتنی دور سے اور اتنی چاہت سے لائے ہیں پسند کیوں نہیں آئے گا میں اسے بہت سنبھال کر رکھوں گی۔" معاذ اسے گھورتے ہوئے وہاں سے چلا گیا وہ بھی سب کو باتوں میں مصروف دیکھ کر وہاں سے کھسک گئی اور سیدھی معاذ کے کمرے میں گئی وہ اس کی آمد کا نوٹس لئے بغیر کیسٹیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔
"اے مسٹر یہ منہ کیوں پھلا رکھا ہے۔" اس نے قریب آ کر پکارا۔
"تم سے مطلب جاؤ یہاں سے۔" اس نے اپنی مطلوبہ کیسٹ نکالتے ہوئے کہا۔
"رمضان کا مہینہ ہے اگر کیسٹ پلیئر آن کیا تو تایا جان تمہاری شامت لے آئیں گے۔"
"جانتا ہوں ساری دنیا نے کیبل لگوا رکھی ہے اور یہاں سننے پر پابندی ہے باہر جو نام کی تختی لگا رکھی ہے اس پر ق۔م ضرور لکھوانا چاہیے قبل از مسیح کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔"
"ہوا کیا ہے جو اس طرح کاٹ کھانے کو دوڑ رہے ہو۔" وہ اسے زچ کر رہی تھی۔
"اپنی تعریف بہت اچھی لگتی ہے تمہیں۔"
"وہ تو سب کو لگتی ہے کیا تمہیں نہیں لگتی۔"
"لگتی ہے مگر ہر کسی سے سننے کا شوق نہیں ہے مجھے اور یہ تم کسی خوشی میں اس کے آگے پیچھے پھر رہی ہو۔" اس نے جل کر پوچھا۔
"ارے وہ ہمارا مہمان ہے کزن ہے۔"
"تو کیا خاص تمہارا مہمان ہے گھر میں کوئی اور اسے پوچھنے والا نہیں۔"
"مگر تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے تم بھی تو کزن ہو صرف کزن۔" اس نے صرف کزن پر زور دے کر کہا اور جواب سنے بغیر باہر نکل گئی اور وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے اس کی بات پر غور کرتا رہا اور پھر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
"ہوں تو محترمہ کچھ اور چاہتی ہیں ہم سے۔" دونوں اسی آنگن میں کھیل کود کر بڑے ہوئے تھے کب دلوں کے بندھن میں بندھے خبر ہی نہ ہوئی دونوں نے ایک دوسرے سے ایک لفظ نہ کہا تھا، مگر ان کے چہروں کے رنگ بڑے شرارتی تھے سارے بھید عیاں ہو گئے تھے خود بخود ہی۔
"لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جذبے شدت سے اظہار کی طلب کرنے لگتے ہیں اور شاید افشین کے جذبے بھی آج کل ایسے ہی طلب گار تھے کوئی ایسا لفظ جو خاموش راتوں میں سہانا خواب بن کر آنکھوں میں اتر آئے میں تمہارے فیلنگز سمجھ گیا ہوں افشی میں تم سے بہت کچھ کہوں گا مگر کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا۔" اس نے چت لیٹے چھت کو گھورتے ہوئے سوچا اور خود ہی مسکرا دیا۔

☆☆☆

چاند رات تمام تر رونقیں سمیٹے اس آنگن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اتری تھی کھانے کے بعد سب بڑے سونے چلے گئے تو لڑکیاں اپنے ادھورے کام لے کر بیٹھ گئیں ٹی وی پر رنگا رنگ پروگرام آرہے تھے اور اشتہاری کمپنیاں عید کی مبارک باد دے رہیں تھیں، معاذ، تیمور اور عون ان سے ذرا ہٹ کر ٹی وی پر تبصرہ کررہے تھے۔

''کیوں بھئی سب کے سوٹ مکمل ہیں۔'' افشی ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں سب کے سوٹ مکمل ہیں۔'' مناہل جو قریب پڑا بچھائے مردوں کے کپڑے استری کر رہی تھی تایا جان کی قمیض ہینگر میں لٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

''افشی آپ ہمیں مہندی لگا دو پھر تم نے اپنی بھی لگانی ہوگی۔'' تانیہ مہندی کون لئے اس کے قریب چلی آئی۔

''مگر میں نے پہلے ہی لگائی تھی۔''

''ارے تم نے کب لگائی۔'' سب لڑکیاں حیران ہوئیں۔

''جب تم لوگ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں۔'' اس نے ہتھیلیاں ان کے آگے کردیں۔

''رنگ تو زیادہ نہیں آیا۔'' معاذ نے اس کی ہتھیلی دیکھتے ہوئے کہا یہ جوں جوں پانی میں بھیگے کی رنگ گہرا ہوگا وہ اس کو جواب دے کر تانیہ کو مہندی لگانے لگی۔

''تم لڑکیاں ان فضول کاموں میں کتنا وقت ضائع کرتی ہو۔'' تیمور نے مذاق سے کہا تھا۔

''تم نے ہمیں بے وقوف سمجھ رکھا ہے۔'' ماوراء نے گھور کر دیکھا تھا۔

''ہنڈرڈ پرسنٹ۔'' جواب معاذ نے دیا تھا اور قہقہے تینوں کا مشترکہ بلند ہوا تھا وہ سب جز بز ہوکر رہ گئیں۔

''امریکہ میں عورتوں کے پاس بالکل وقت نہیں ہوتا ایسے کام کرنے کے لئے۔'' عون نے مناہل کو احتیاط سے چوڑیاں پہنتے دیکھ کر ان کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا تھا۔

''اسی لئے تو وہ مردوں سے برتن بھی برابر کے دھلواتی ہیں۔'' افشین نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا تو وہ کھسانا ہوگیا۔

''آپ لوگ ہماری عیدی نکالو۔'' نوشین کو اچانک خیال آیا تھا۔

''افشین میں تمہیں تو عیدی ہرگز نہیں دے رہا کل تمہیں عیدی دوں پرسوں تمہارا برتھ ڈے آجائے گا۔'' معاذ نے افشین پر حملہ کردیا۔

''پرسوں تمہارا برتھ ڈے ہے۔'' عون نے خوشی سے پوچھا۔

''جی ہاں گفٹ کا انتظام کرلیجئے گا۔'' تانیہ نے جواب دیا تھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں سال میں ایک بار تو برتھ ڈے آتا ہے۔''

''دیکھا ایسے ہوتے ہیں کزن۔'' افشی نے مہندی لگاتے ہوئے اک پل کو معاذ کو دیکھا تھا، کندھے اچکا کر رہ گیا۔

عید کی صبح کتنی سہانی تھی ان کے جاگنے تک سویوں کی مہک پورے گھر میں پھیل چکی تھی لڑکیوں کی کانچ کی چوڑیوں کی کھنک اور ہتھیلی پر رچی حنا کی دلفریب خوشبو پورے ماحول کو خوشیوں سے کھنکتا احساس جگا رہیں تھیں عید کی نماز سے واپسی پر سجاد احمد اور عباد احمد نے سب کو عیدی دی۔

''عید مبارک۔'' افشین شیر خورمہ لینے کچن میں آئی تو وہ بھی وہیں چلا آیا۔

''تمہیں بھی اور ساتھ ہی عیدی بھی نکالو۔'' اس نے ہتھیلی معاذ کے سامنے پھیلائی، سفید ہتھیلی پر حنا کا رنگ گہرا ہوکر کتنا دلکش لگ رہا تھا گہرے سرخ رنگ کے سوٹ پر کالے ریشم اور موتیوں کا

بڑا نفیس کام سے ڈیزائن بنا ہوا تھا نازک سفید کلائیوں میں سرخ اور کالی کانچ کی ڈھیروں چوڑیاں کس قدر قیمتی لگ رہی تھیں۔

''کیا دیکھ رہی ہو۔'' اس کے مسلسل اپنی جانب دیکھنے پر اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' ستائشی لہجہ بڑا بے خود تھا اور گویا عید کی ساری محنت وصول ہوگئی تھی۔

''بس یا اور چاہیے عیدی۔'' اس کے چہرے پر حیا کے رنگ دیکھ کر وہ شرارت سے مسکرایا۔

''ہٹو راستے سے۔'' وہ جھینپ کر سائیڈ سے نکل گئی۔

روزے ختم ہوئے تو پھر سے وہی معمول کے روز و شب تھے اور اس کی سالگرہ پر عون نے اسے گولڈ کی چین دی تھی اتنا قیمتی گفٹ لینے پر وہ متذبذب تھی کہ اس نے کون سا دھوم دھام سے سالگرہ کا فنکشن کیا تھا۔

''عون بیٹا کیا ضرورت تھی بچے تو آپس میں چھوٹے موٹے گفٹ دے کر خوش ہو جاتے ہیں۔'' اس کی امی بھی قبول کرنے میں متامل تھیں۔

''اب تو میں خرید لایا ہوں آنٹی لایا ہوا تحفہ واپس نہیں کرنا چاہیے ہے نا پھپھو۔'' اس نے اپنی پھپھو کی تائید چاہی۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے اب وہ لے آیا ہے تو رکھ لو خلوص سے دیئے ہوئے تحفے واپس نہیں کرنے چاہیے۔'' انہوں نے کہا تو اسے لینا پڑا سب نے اسے گفٹ دیئے تھے مگر معاذ نے نہیں دیا تھا وہ اپنے کمرے میں تھا وہ وہیں آگئی۔

''معاذ تم نے مجھے گفٹ کیوں نہیں دیا۔'' وہ الماری کھولے کچھ تلاش کر رہا تھا پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''بس خیال ہی نہیں رہا۔'' وہ کندھے اچکا کر بولا۔

''کس بات کا.....'' وہ اس کے سامنے آگئی سبز کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کا سراپا کتنا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا عون کی دی ہوئی چین اس کی سنہری گردن میں اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔

''تمہاری برتھ ڈے کا اس لئے کچھ خریدنا یاد ہی نہیں رہا۔''

''اگر تم نہیں دینا چاہیے تو مت دو لیکن جھوٹ تو مت بولو۔'' اس نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ نظریں چرا کر رہ گیا۔

''بات کیا ہے معاذ تم بہت اپ سیٹ لگ رہے ہو۔''

''تمہیں بہت قیمتی گفٹ ملے ہیں نہ مجھے اپنا تحفہ معمولی لگا۔''

''معاذ پلیز اتنی سطحی باتیں مت کرو ہم آج تک ایک دوسرے کو بتا نہیں پائے کہ ہمارے دیئے ہوئے تحائف کی ایک دوسرے کے لئے کیا اہمیت ہے تم بہت جذباتی ہو معاذ سوچے سمجھے بغیر ہی اپنی رائے قائم کرلیتے ہو لیکن میری ایک بات یاد رکھنا چیزوں کی قدر انسانوں کے دم سے ہوتی ہے انسانوں کی قدر چیزوں کے دم سے نہیں۔''

وہ اپنی بات کہہ کر اس کی طرف دیکھے بنا تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی مگر وہ اس سے بھی تیزی سے اس کے سامنے آگیا۔

''ناراض ہوگئی ہو۔'' وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا راستہ روکے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں تمہارے خیالات جان کر خوشی ہوئی ہے۔'' اس کا لہجہ بے اختیار نم ہوگیا۔

''آئی ایم سوری۔''

''راستہ چھوڑو مجھے جانے دو۔''

''ایک منٹ رکو پلیز۔'' وہ الماری کی جانب بڑھا دراز سے کچھ نکال کر اس کی طرف پلٹا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ رہا تمہارا گفٹ بہت دنوں سے خرید رکھا تھا مگر آج جانے دینے کو دل راضی نہ ہوا بہر حال اس وعدے کے ساتھ دے رہا ہوں کہ جب کمانے لگوں گا تو سب سے پہلے تمہارے لئے قیمتی سا گفٹ خریدوں گا فی الحال اس پر قناعت کرو۔'' وہ جانے ایسے کیوں کر رہا تھا حالانکہ کتنا اچھا گفٹ تھا بے حد خوبصورت ڈائری جس کے باہر چھوٹا سا لاک لگا ہوا تھا اور ایک قیمتی پین خوبصورت سی پیکنگ میں۔

''شکریہ معاذ۔'' اسے سچ مچ اس کا تحفہ بہت پسند آیا تھا وہ بے تابی سے ڈائری کا لاک کھولنے لگی۔

''اوں ہوں ابھی نہیں کھولنا جب میں تم سے کبھی دور جاؤں اور تمہیں میری یاد ستائے اس سے پہلے کبھی نہیں یہ کیا بات ہوئی مجھے تمہاری یاد کیوں ستائے گی تم یہیں تو ہو۔'' وہ متعجب ہوئی۔

''بس میں نے کہہ دیا نا۔''

''اوکے جیسے تمہاری مرضی۔'' اس نے کندھے اچکائے اور شکریہ کہہ کر نیچے چلی گئی۔

☆☆☆

عون چلا گیا تھا جانے سے پہلے معاذ کتنی ہی دیر اس کے کمرے میں گھسا نجانے کون سے مذاکرات اس سے کرتا رہا تھا افشین نے پوچھا تو وہ ٹال گیا، تیمور کی پروموشن ہو گئی تھی تیمور نے بی کام کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر لی تھی اور اب اس کی پروموشن ہوئی تھی بہت سی باتوں میں وہ معاذ کا ہم خیال بھی تھا لیکن اس کا انداز مختلف تھا، جیسے وہ بھی دکان پر بیٹھنا نہیں چاہتا تھا مگر اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کرنے کی بجائے نوکری ڈھونڈنی شروع کر دی تھی جب تک جاب نہیں ملی تھی وہ بے کار پھرنے کی بجائے کچھ وقت کے لئے دکان پر چلا جاتا اس لئے کسی کو بھی اس کے فارغ رہنے پر اعتراض نہیں ہوا تھا تایا جان کو ہمیشہ اس کی تعریف کرتے تھے آج بھی کھانے کے بعد سائرہ بیگم نے سب کی موجودگی مٹھائی کا ڈبہ کھولا تھا تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ۔

''یہ کس سلسلے میں ہے؟''

''تیمور کی ترقی ہو گئی ہے۔'' عباد احمد نے خوشی سے بتایا۔

''اچھا اچھا۔'' انہوں نے خوشی سے گلاب جامن اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

''تیمور بھائی پروموشن تو ہو گئی ہے اب آپ کیا لیں گے پچھلی بار پروموشن پہ پاپا جان نے آپ کو موٹر سائیکل لے کر دی تھی۔'' نوشین نے کہا۔

''اب کی بار امی جان سے مانگوں گا بولیں امی آپ مجھے کیا دیں گی۔'' وہ امی کی طرف گھوم گیا۔

''میں اپنے بیٹے کے لئے چاند سی دلہن لاؤں گی۔'' امی نے کہا تو وہ بیچارا شرما گیا اور ماوراء کو کن اکھیوں سے دیکھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی اور پھر تیمور کی پروموشن کے بعد سجاد احمد تو گویا معاذ کی شامت لے آئے۔

''کیوں میاں تم بھی کچھ کرو گے یا دوسروں کے مال پر عیاشی کرتے رہو گے۔'' گلاب جامن کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

''کر لے گا تایا جان جیسے ہی کوئی ڈھنگ کی جاب ملے گی۔'' تیمور اس کی حمایت میں بولا۔

''سب کے سامنے یوں مت ٹوکا کریں بھائی صاحب!'' سائرہ بیگم کو یہ اکھڑ بھتیجا بہت اچھا لگتا تھا۔

''کیا میرا اتنا بھی حق نہیں ہے کہ اس کے مستقبل کے بارے میں سوچوں پانچ سال ہو گئے ابھی تک فارغ پھر رہا ہے اپنا وقت ضائع کر رہا ہے اسی لئے تو کہتا ہوں دکان پر بیٹھ جائے نوکری تو یہ کرنا نہیں چاہتا۔'' سجاد صاحب بھی ٹھیک کہہ رہے تھے۔

''ہاں بیٹا تم بھی سنجیدگی سے اپنے بارے میں سوچو وقت ضائع کرنے سے تمہارا اپنا نقصان ہو رہا ہے۔'' عباد احمد نے متانت سے اسے سمجھایا۔

''تو پھر ٹھیک ہے مجھے پیسہ دیں میں باہر جانا چاہتا ہوں۔'' اس کی بات سے سب گھر والے تو حیران ہوئے ہی تھے مگر افشین کا دل ہی دھڑکنا بھول گیا تھا وہ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی تو عون بھائی سے بند کمرے میں اس لئے مذاکرات ہو رہے تھے اسی سلسلے میں شاید گزشتہ دنوں اس کے نام عون کا خط بھی آیا تھا۔

''سات سمندر پار مگر تم کیوں جانا چاہتے ہو، ہمارے اپنے ملک میں بھی ترقی کے مواقع ہیں۔'' تیمور کو اس کی بات ہضم نہ ہوئی تھی۔

''میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں وہ یہاں رہ کر ممکن نہیں۔'' اس نے دوٹوک جواب دیا۔

''ہم بھی تو سنیں کون سی ترقی کرنا چاہتے ہو تم۔'' تایا جان ترخ کر بولے۔

''میں جدید انداز میں مکان بنوانا چاہتا ہوں بہت سا پیسہ کمانا چاہتا ہوں آپ مجھے بس پیسے دیں میں امریکہ جانا چاہتا ہوں۔'' وہ کسی ضدی بچے کی طرح بولا تھا۔

''تمہیں گھر اور مکان کے فرق کا نہیں پتہ اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔''

سجاد احمد تھوڑا چپ ہوئے۔

''باہر نکل کر دیکھیں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی کمرہ گرم کرنے کے لئے انگیٹھی دہکانی پڑتی ہے باتھ روم جانے کے لئے باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔''

''نہ بیٹا ایسا نہیں کہتے اس گھر میں کتنی رحمتیں اور برکتیں ہیں کتنی چاہتیں اور محبتیں ہیں آج کے نفسا نفسی دور میں بھی ایسا اتفاق ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تم دنیا کی چکا چوند سے متاثر ہو تمہیں خبر نہیں ان سجے سنورے عالی شان محلوں میں کیسے سناٹے بولتے ہیں۔'' سائرہ بیگم کا انداز ہمیشہ سے مشفقانہ تھا۔

''چھوڑیں پھپھو آپ کو باہر کی دنیا کی کیا خبر آپ کو کیا معلوم......''

''اس سب معلوم ہے کتنی ترقی کر لی ہے سائنس نے بٹن دباؤ اور کام کروا لو، انسان کی تو جیسے ضرورت ہی نہیں رہی ہم باز آئے ایسی ترقی سے جو انسان سے پیار محبت کے احساسات چھین لے۔'' سجاد احمد غصے سے بول رہے تھے۔

''لیکن مجھے کنویں کا مینڈک نہیں بننا۔'' معاذ دوٹوک بولا۔

''تو باہر جا کر کون سا کارنامہ کرو گے۔'' وہ بھی اسی کے والد محترم تھے۔

''کارنامہ نہ کر پایا تو واپس نہیں آؤں گا یہاں اس ڈربے جیسے گھر میں رہ کر کون سا کارنامہ کیا ہے۔'' وہ تو جیسے سارے آداب ہی بھول بیٹھا تھا۔

''دس مرلے کے گھر کو تو نے ڈربہ کہا اس لئے کہ تمہیں اس کو بنانے میں جدوجہد نہیں کرنا پڑی آنکھیں کھولتے ہی سب مل گیا تم کیا جانو آج مہنگائی کے دور میں اتنے بڑے کنبے کا خرچ چلانا کتنا مشکل ہے۔'' ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''اگر تم میں اتنی ہی ہمت ہے تو اپنے بل پر کچھ کر کے دکھاؤ۔''

''میں جا رہا ہوں جب کسی قابل ہوا تو آؤں گا۔'' وہ بھی قطعی لہجے میں بولا۔

''آپ روک لیں نہ اسے۔'' عائشہ بیگم رونے لگیں۔

''جانے دو، دو دن میں آٹے دال کا بھاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم ہو جائے گا تو خود ہی چلا آئے گا نوکریاں پلیٹ میں سجا کر کوئی پیش نہیں کرتا۔" سجاد احمد کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور پھر وہ چلا گیا اپنے ساتھ ساری خوشیاں لے کر بظاہر تو سب ٹھیک تھا مگر سب کے اندر گہری چپ اتری ہوئی تھی سب کے ذہنوں میں یہی سوال تھا وہ کہاں ہو گا کیا کرے گا شروع شروع میں اک امید تھی کہ غصہ ٹھنڈا ہوتا ہی وہ لوٹ آئے گا مگر امید ٹوٹتی جا رہی تھی اور سجاد احمد نے اس دن کے بعد اس کا نام بھی نہیں لیا تھا۔

☆☆☆

جب دھوپ منڈیروں پر اترنے لگتی تو وہ کیاری کو خوب اچھی طرح سیراب کرتی پائپ لگا کر آنگن کا فرش دھونے لگتی کئی بار اس کے بھاری بوٹوں کی آہٹ کا گمان ہوتا لیکن وہ مایوس ہو جاتی۔

"کتنی بار کہا ہے گیلے فرش پر گندے بوٹ لے کر مت آیا کرو۔" مٹی کے نشان دیکھ کر افشین چلایا کرتی مگر وہ ڈھٹائی سے ہنستا رہتا اب وہ پلٹ پلٹ کر دیکھتی شاید مٹی کے نشان نظر آ جائیں مگر صاف ستھرا فرش اس کا منہ چڑا رہا ہوتا۔

اب کے برس ساون، اگست اور رمضان اکٹھے آئے تھے یہ تینوں مہینے اس کے پسندیدہ تھے خوب جوش و خروش سے وہ ہر مہینے کا لطف لیا کرتی اب کے برس ساون کا چنچل شرارتی موسم بھی اپنے دامن میں ان دیکھی بے قراری و بے چینی لے کر آیا تھا کالی گھٹا نے نیلے آسمان کو دیکھتے ہی دیکھتے گھیر لیا تھا اور ماوراء نے جھولے پر بیٹھ کر گیت گانے شروع کر دیئے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے بوندیں جل تھل برسنے لگیں تھیں وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر ان سب کو دیکھ رہی تھی جامن کے پیڑ پر پڑے اس جھولے پر ان کی کتنی لڑائی ہوا کرتی تھی وہ ہمیشہ باری باری جھولے لینا طے کیا کرتے تھے وہ پہلی باری ہمیشہ معاذ اور تیمور لیا کرتے تھے اور خوب مزے سے جھولتے جب ان کی باری آتی تو بھاگ جاتے پھر وہ خوب لڑتیں اور عائشہ بیگم سے شکایت لگاتیں وہ ان کی روز روز کی لڑائی سے تنگ آ کر جھولا اتروا دیتیں اور پھر ان کی منت سماجت سے دوبارہ لگوا دیتیں وہ سہانے دن تو خواب ہو گئے تھے اس بار اگست میں بھی اس کا جوش و خروش ماند پڑا ہوا تھا کہ اچانک اس کی سکوت بھری زندگی میں ایک کنکر گرا اور ہلچل مچ گئی عون کے والدین افشین کے لئے عون کا رشتہ لائے تھے اور اس کا دل مانو ہی رک گیا تھا۔

"اب کیا ہو گا کیا میں انہیں روک سکوں گی۔" افشین کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔

"تم اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو۔" ماوراء نے کمرے میں آ کر لائٹ آن کر دی۔

"بس ایسے ہی...... تمہارا رنگ کیوں پڑا ہوا ہے طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں بس سر میں ذرا درد ہے۔"

"تو میں ابھی تمہارے لئے گولی اور چائے لاتی ہوں۔" وہ باہر کو لپکی۔

"نہیں رہنے دو میں سونے کی کوشش کرتی ہوں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے تم سو جاؤ میں لائٹ بند کر دیتی ہوں۔" وہ لائٹ بند کر کے دروازہ بند کر کے باہر چلی گئی اس نے آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی مگر نیند کہاں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے رات بھر ستاتے رہے تھے۔

اگلے روز سارا دن وہ بے کل رہی امی ابو کے رویے سے ہرگز اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ انہوں نے کیا فیصلہ کیا ہے ٹینشن کم کرنے کو وہ

چھت پر آ گئی ٹھنڈی ہوا کے نرم جھونکوں نے طبیعت پر خوشگوار اثر ڈالا تھا بارشوں کا موسم تھا اس لئے وہ لوگ آج کل چھت پر نہیں سو رہے تھے ایک تو اچانک بارش کا وجہ سے افراتفری مچ جاتی گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھنا پڑتا سحری کو بھی اٹھنا ہوتا نیند پوری نہیں ہوتی تھی اس لئے ان دنوں اپنے کمروں میں سو رہے ہے یا پھر ایک دو چارپائیاں صحن میں گھسیٹ لیتے بارش آتی تو برآمدے میں چلے جاتے، منڈیر پر کہنیاں ٹکائے وہ نیچے دیکھ رہی تھی ان کا گھر گلی کے بالکل شروع میں سڑک کے ساتھ ہی تھا سڑک کے برابر میں بہتی ہوئی نہر دور تک چھت سے صاف دکھائی دیتی تھی اسے یاد تھا بچپن میں سب بچے مل کر نہر پر کھیلنے جایا کرتے تھے گرمیوں کے دنوں میں نہر کی رونقیں عروج پر ہوتی تھیں چھوٹے بڑے لڑکے نیکریں پہن کر پل کی گرل پر کھڑے ہو کر نہر میں چھلانگیں لگایا کرتے جنہیں تیرنا نہیں آتا وہ سائیکلوں کی ٹیوب میں اور ٹائر میں ڈال کر نہر میں نہایا کرتے وہ نہر کے کنارے گھٹنوں کھیلا کرتے گھر سے کسی ململ کا دوپٹہ چھپا کر لے جاتے معاذ اور تیمور نہر میں اتر جاتے دونوں سروں سے دوپٹہ پھیلا کر پانی کی تہہ میں لے جاتے اور پھر سرے بند کر کے جھٹکے سے اوپر اٹھاتے کئی چھوٹی مچھلیاں دوپٹے کے جال میں آ جاتی اور وہ شیشے کے مرتبان یا بوتل میں وہ مچھلیاں ڈال کر گھر لے جاتے نہر کا گدلا پانی اس کے سامنے تھا اور اس کے دونوں اطراف لگے درخت اداس یادوں کی طرح افسردگی سے سر جھکائے ہوئے تھے شام گہری ہو گئی تھی جاتی گرمیوں کی اس گمبھیر سلونی شام میں ٹھہر ٹھہر کر چلتی ہوئی ہواؤں کے آنچل میں چھپی تمام اداسی اس کی سیاہ جھیلوں میں در آئی تھی پوری راتوں کے لمحہ لمحہ بڑھتی لو کے ساتھ دل کی بے کلی بھی بڑھتی جا رہی تھی نیلا آسمان ہمیشہ کی طرح بے حسی کی چادر اوڑھے چپ تھا سرد آہ بھر کر اس نے خاموش آسمان کو دیکھا اور دل کا بوجھ بڑھنے پر نیچے اتر آئی۔

☆☆☆

"کسی سے ڈانٹ وانٹ پڑی ہے کیا۔" وہ سیڑھیوں میں بیٹھی تھی جب تیمور نے قریب آ کر پوچھا تانیہ نے آنگن کا فرش دھو دیا تھا اور صحن میں چارپائیاں بچھا دیں تھیں سب وہیں بیٹھے باتوں میں مگن تھے مگر وہ اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھی اور وہ نجانے کب سے اس کی خاموشی محسوس کر رہا تھا پاس آ کر پوچھ لیا۔

"سب سے الگ تھلگ کیوں بیٹھی ہو؟"

"بس یوں ہی۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"تمہیں معلوم ہے عون کے والدین کیوں آئے تھے۔" اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اسی لئے پریشان ہو۔" وہ اس سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے افشی؟" کتنا دوستانہ سا انداز تھا وہ مگر جواب میں کچھ نہ کہہ سکی بھائی سے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے فطری حیا آڑے آ گئی۔

"خاموشی نیم رضامندی ہوتی ہے۔"

"نہیں تیمور بھائی۔" اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا مبادا وہ واقعی رضامندی نہ سمجھ لے۔

"میں جانتا ہوں کہ اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہو تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو گا۔"

اس نے بے حد حیرت سے بھائی کو دیکھا تھا۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں، تائی جان بہت سی دل کی خواہشیں مجھ سے شیئر کرتی ہیں۔" اس نے ایک جملے میں ساری وضاحت کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی اسے ہرگز علم نہیں تھا تائی جان اس کے لئے کوئی ایسی خواہش رکھتی ہیں۔

''اور ہاں میں نے انہیں بتا دیا ہے ان کا لاڈلا بھی خیریت سے ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''آپ کو کیسے پتہ۔'' بڑا بے ساختہ سوال تھا۔

''لو بھلا ایک شہر میں رہتے ہوئے وہ میری نظروں سے اوجھل رہ سکتا ہے ساری خبر ہے مجھے اس کی دوریاں بڑی بڑی الجھنیں سلجھا دیتی ہے اسے بھی سب سے دور رہ کر خود کو سمجھنے کا موقع مل رہا ہے اور ہاں سنو۔'' وہ جاتے جاتے رک کر بولا۔

''تم فکر نہ کرنا عون والا معاملہ میں خود سنبھال لوں گا جاؤ ان سب کے درمیان بیٹھ کر ہنسو بولو۔'' تیمور نے افشین کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بھائی آپ بہت اچھے ہو۔'' اس نے بے حد تشکر سے کہا۔

''میں شروع سے ہی اچھا ہوں بس تمہیں دیر سے پتہ چلا۔''

☆☆☆

''نوشین بی اے کے امتحان سے فارغ ہو کر آج کل رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی کہ اس کے لئے ایک رشتہ آیا ساتھ والوں کی ریحانہ خالہ پیغام لائی تھی انہوں نے ان کی اظہاری رکھ لی، وہ لوگ آئے بیٹھے لڑکی دیکھی کھایا پیا اور چلے گئے اگلے دن پیغام بھجوا دیا لڑکی تو پسند ہے مگر ان کا رہن سہن خاصا پرانا روایتی سا ہے ان کا لڑکا یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو پائے گا، لہٰذا معذرت۔

تم بختوں نے لڑکی بیاہ کر لے جانی ہے یا لڑکے کو رخصت کے یہاں بھجوانا ہے، آئندہ ایسے لوگوں کو گھر میں ہرگز نہ گھسنے دینا۔'' سجاد احمد کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا انہیں اپنے حساب سے یہ بات مناسب نہیں لگی تھی۔

''وہ لڑکی دیکھنے آئے تھے یا گھر بار رہن سہن۔''

''آج کل ایسا ہی ہوتا ہے تایا ابو جہاں رشتہ جوڑنا ہو ہمیشہ کے لئے گہرا تعلق قائم کرنا ہو وہاں کا رہن سہن گھر بار دیکھنا پڑتا ہے اور یہ کوئی ایسی غلط بات بھی نہیں، دونوں گھروں کے ماحول میں مطابقت ہو تو ایڈجسٹمنٹ کرنے میں آسانی رہتی ہے، زمانے کی ہوا ایسی ہے تو ہمیں بھی مان لینا چاہیے تھوڑا بہت تو زمانے کے ساتھ چلنا چاہیے۔'' تیمور نے بڑے سبھاؤ سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی وہ کچھ کہنے لگے تھے مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گئے۔

''اپنے گھر کا احساس ہی کتنا پرکیف ہوتا ہے اور تم ان در و دیوار کی آغوش سے کتنے دور بیٹھے ہو۔'' چڑیوں کے مہارت سے بنائے گھونسلوں پر نظریں جمائے وہ اکثر سوچتی تھی جب تیمور نے اسے بتایا تھا کہ وہ اسی شہر میں بالکل خیریت سے ہے تو وہ پریشانی کی جگہ غصے اور جھلاہٹ نے لے لی تھی۔

بھلا یہ بھی کوئی بات ہے وہ سب ہر پل اس کے لئے فکرمند اور وہ اکیلا مزے میں تھا اور آج تو اکیلے پن کا احساس یکدم بڑھ گیا تھا جسم و جاں میں سرائیت کرتی اداسی کو کم کرنے کے لئے وہ معاذ کی دی ہوئی ڈائری نکال لائی۔

''دیکھو معاذ آج ہم دور دور ہیں اور حالات بھی اچھے نہیں اور کون جانے تمہارے ذہن میں اپنی کہی ہوئی بات ہے بھی یا نہیں پورے چاند کو دیکھ کر تم بھی مجھے یاد کر رہے ہو نہیں مگر میری یادوں کا مرکز و محور تم ہو صرف تم۔'' اس نے ڈائری کھولی نم آنکھوں سے صفحے پر ہوئے نظر اس کی لکھی ہوئی تحریر پر رک گئی۔

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دلگیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے گر کر تمہارے قدموں میں آ گرے تو
جان لینا وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ کس طرح ممکن ہے
کہ تم کسی پہ نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
نہیں یہ روشن چراغ دیکھو تو سوچ لینا
کہ پھر پتنگے کے ساتھ میں بھی بکھر چکا ہوں
تم اپنے ہاتھ سے اس پتنگے کی خاک دریا میں ڈال دینا
میں خاک بن کر سمندروں میں سفر کروں گا
کسی ان دیکھے ہوئے جزیرے پہ رک کے تم کو صدائیں دوں گا
سمندروں کے سفر پہ نکلنا تو اس جزیرے پہ اترنا

امجد اسلام امجد کی خوبصورت نظم اس کی نظروں کے سامنے تھی اور لکھنے والا نجانے کہاں تھا اس کی آنکھ سے چھلکے سے اک آنسو ان لفظوں پہ گرا تھا جو ان کی محبت کے گواہ تھے اور وہ آنسو کا قطرہ ہجر کا درد بن کر معاذ کے دل میں اٹھا تھا اور وہ یکدم اٹھا اور کمرے کی کھڑکی کے پٹ کھول دیئے تھے ایسا نہیں تھا کہ اتنا عرصہ وہ اسے یاد نہیں آئے تھے وہ جو عزم لے کر وہاں سے نکلا تھا اسے ہر صورت پورا کرنا چاہتا تھا ان سے مل کر یا بات کر کے وہ اپنے ارادوں میں کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا وہ امریکہ کے ویزے کے لئے پیسے جمع کرنے نکلا تھا مگر یہ سب ایک بے روزگار اور بے ٹھکانہ شخص کے لئے کس قدر دشوار تھا اس کا اندازہ اسے ہو چکا تھا مگر واپسی ناممکن تھی کوئی معمولی نوکری کر کے وہ اپنے ارادے کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا لیکن اب جبکہ جیب میں پڑی ہوئی رقم بھی ختم ہونے والی تھی کچھ تو سوچنا ہی تھا ایک دوست کے توسط سے اسے ایک جنرل اسٹور پر سیل مین کی آفر ہوئی تھی اس کے پاس دوسری چوائس نہ تھی لہٰذا انکار کا سوال ہی نہ تھا اسٹور کا مالک ہمدرد شخص تھا دوست کی ضمانت پر اس پر اعتبار کرتے ہوئے ایڈوانس بے منٹ کر دی تھی بلکہ اسٹور میں سونے کی اجازت بھی دے دی تھی تقریباً تین ماہ ایسے چلتا رہا پھر سڑک کے کنارے بنے معمولی ہوٹل میں کھانا کھاتے اس کی ملاقات ایک پرانے دوست احمد سے ہو گئی باتوں کے دوران اس نے اپنے تمام حالات اس کے سامنے بیان کر دیئے۔

''یار تم میرے ساتھ چلو۔'' احمد نے سارے حالات سن کر کہا تھا۔

''مگر کہاں؟''

''میرے دفتر میں جو کیشیئر آیا ہوا ہے وہ گاؤں کا سیدھا سادا اور شریف انسان ہے اس نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے اور بچت کے لئے دوسرے شخص کے ساتھ شیئر کر رکھا ہے ابھی کل ہی اس نے بتایا کہ اس کے روم میٹ کی شادی ہو گئی ہے وہ پریشان ہے اکیلا کمرے کا کرایہ افورڈ نہیں کر سکتا کیونکہ تنخواہ کا بڑا حصہ اسے اپنے بیوی بچوں کو گاؤں بھیجنا ہوتا ہے اور پھر تمہیں کھانے کی بھی سہولت رہے گی کیونکہ رحیم کھانا خود بناتا ہے۔'' احمد کے تفصیل بتانے پر معاذ مطمئن ہو گیا اگلے ہی روز وہ وہاں شفٹ ہو چکا تھا جنرل اسٹور پر کام کرنا اس کی منزل نہیں تھی اور شاید قسمت بھی ان دنوں اس پر مہربان ہو چکی تھی کہ اخبار میں ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کا اشتہار دیکھ کر اس نے انٹرویو دیا تھا اور حیرت انگیز طور پر اس کا سلیکشن ہو گیا تھا حالانکہ اس کے پاس تعلیمی سرٹیفکیٹ تک نہ تھے اس نے سوچا اگر ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑی تو تیمور کو فون کر کے منگوا لے گا پرائیویٹ کمپنی تھی اس لئے شاید انہوں نے اہمیت ہی نہ دی اس کے باس ایک جہاندیدہ شخص تھے غالباً انٹرویو میں ہی اس کی تعلیم اور ذہانت کو جج کر لیا تھا بہرحال اسے جاب مل گئی تھی تنخواہ بہت اچھی تھی سو وہ خوش تھا وہ جلد اور تیزی سے اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرنا چاہتا تھا سو ایک ہفتہ وار میگزین کے لئے کمپوزنگ کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

''گڈ مارننگ سر۔'' اس روز کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر عالم جہانگیر پر پڑی تو اس نے سر ہلا کر کہا۔

''ارے بھئی ہم جا رہے ہیں اور تم گڈ مارننگ کہہ رہے ہو۔''

''سوری سر مجھے خیال ہی نہیں رہا۔'' وہ شرمندہ ہو گیا کیونکہ اس وقت تقریباً تین بجنے والے تھے۔

''کیا بات ہے کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں سر، بس یوں ہی۔''

''اینی وے اس وقت میں ضروری کام سے جا رہا ہوں کل بات ہو گی۔'' وہ بشاشت سے کہتے ہوئے چلے گئے وہ چونکہ اپنے کام میں وفادار تھا بڑی دلجمعی اور لگن سے کام کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی اب بتاؤ کس پرابلم نے اپ سیٹ کیا ہوا ہے تمہیں۔'' اگلے روز وہ فائل لے کر ان کے کمرے میں آیا تو فائل کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا ان کا انداز اتنا دوستانہ تھا کہ اس نے بلا جھجک اپنی الجھن انہیں بتا دی، رحیم کی بیوی بیمار تھی وہ پچھلے کئی روز سے گاؤں گیا ہوا تھا اور اب اس کا خط آیا تھا کہ اس کی بیوی کی حالت زیادہ خراب ہے وہ علاج کے لئے اسے شہر لا رہا ہے لہٰذا وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی رہائش کا بندوبست کر لے خط آئے بھی تین چار روز ہو گئے تھے اور آج کل وہ اپنی بیوی سمیت آنے والا تھا اتنے شارٹ نوٹس پہ گھر کی تلاش ایک مشکل مرحلہ تھا سو اس کی پریشانی فطری تھی۔

''کون سے شہر سے آئے ہو تم؟''

''میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔''

''یعنی لاہور کے ہو تو تمہارا گھر، آئی مین تمہاری فیملی میں کوئی نہیں۔'' انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

''جی وہ فیملی تو ہے مگر میں ان کے ساتھ نہیں رہتا۔''

''مگر کیوں؟'' اور اس کیوں کے جواب میں اس نے مختصراً اپنی کہانی انہیں سنا دی۔

''تو تم امریکہ جانے کے لئے پیسہ اکٹھا کرنا چاہتے ہو تا کہ وہاں جا کر تم ڈالر کماؤ یعنی اپنا لائف اسٹائل بدلنا چاہتے ہو، اچھی بات ہے ہر شخص کو حق ہے کہ وہ اپنے بارے میں سوچے۔''

''لیکن سر مسئلہ اس وقت میری رہائش کا ہے۔''

''تم نے کبھی اپنے گھر والوں سے رابطہ کیا۔'' وہ ابھی تک اس کی داستان میں الجھے ہوئے تھے۔

''نہیں سر میں اپنی ماں یا کسی کی آواز سن کر اپنے ارادوں کو کمزور نہیں کرنا چاہتا۔''

''ان کی چاہتوں کی طاقت سے ڈرتے ہو۔ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تم میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں؟'' اس نے ہونق بن کر پوچھا۔

''ارے بھئی جہاں میں رہتا ہوں وہاں لے کر جاؤں گا نا یعنی اپنے گھر۔''

''مگر۔'' اس نے حیرت سے کہا۔

''اس میں اتنی حیرت کی بات کیا ہے؟''

''لیکن سر یہ......''

''لیکن ویکن چھوڑو میرے گھر میں رہ کر تم اطمینان سے اپنے لئے ٹھکانہ ڈھونڈتے رہنا ویسے بھی میرا گھر بہت بڑا ہے میری فیملی کو تمہارے وہاں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' انہوں نے اتنی اپنائیت اور اصرار سے کہا کہ وہ مزید انکار نہ کر سکا۔

اسے یہاں آئے تین چار روز ہو گئے تھے گیسٹ روم کا دروازہ بیرونی کوریڈور میں کھلتا تھا اس لئے وہ مطمئن تھا کہ گھر کے مکینوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اس کا ناشتہ ملازم کمرے میں دے جاتے تھے، کبھی عالم صاحب گھر ہوتے تو کھانے کے وقت اندر بلوا لیتے بیگم عالم جہانگیر سوشل ورکر تھیں ان کا زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا تھا انہوں نے اپنی فیملی سے متعارف کروایا تھا ان کی دو بیٹیاں حنا اور ثانیہ تھیں دو بیٹے عزیز اور معیز تھے۔

''روزے رکھتے ہو؟'' خبرنامے میں رمضان المبارک کے چاند نظر آنے کی نوید سنائی گئی تو عالم جہانگیر نے اسے بلوا کر پوچھا۔

''جی ہاں سر بڑی باقاعدگی سے رکھتا ہوں۔''

''پھر ایسا کرنا سحری کے وقت ادھر ہی آ جانا۔'' انہوں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سحری کے وقت اس کی آنکھ الارم کی بیل سے کھلی وہ جلدی سے اٹھ کر ملحقہ باتھ روم میں گیا منہ ہاتھ دھویا اور ادھر آ گیا ہر طرف گہری خاموشی تھی تمام لائٹس آف تھیں البتہ کچن سے روشنی آ رہی تھی اور کسی کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

''آؤ آؤ معاذ۔''

''اور کوئی روزہ نہیں رکھے گا؟''

''تمہاری آنٹی کا بی پی شوٹ کر جاتا ہے اور بچے شروع سے ہی پابند نہیں حنا کا کبھی موڈ ہو تو رکھ لیتی ہے۔'' انہوں نے فریج سے دودھ کی دیگچی نکالتے ہوئے جواب دیا، پھر مگ میں ڈال کر اوون میں رکھا اور فریج سے بریڈ اور جیم وغیرہ نکالنے لگے، اتنی بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے مالک کو انتہائی سادہ اور بے حد گھریلو سے انداز میں دیکھ کر اسے عجب لگ رہا تھا۔

''سر آپ یہ سب کچھ خود ہی۔''

''نوکر بچارے خود بھی اس وقت سحری کی تیاری کر رہے ہوں گے اس لئے میں نے منع کر دیا ہے مجھے کون سا لمبا چوڑا اہتمام کرنا ہے اور تم نے چائے بنانی ہو تو خود ہی بنا لو اور فریج میں کباب رکھے ہیں سینڈوچ بنانے ہوں تو کیبنٹ میں میکر موجود ہے۔''

''تھینک یو سر میں بھی یہی کھا لوں گا۔'' اس نے بددلی سے جواب دیا بے اختیار ہی اپنے گھر کی سحری کا سماں یاد آ گیا تھا اور افطاری کے وقت اس یاد میں اور بھی شدت آ گئی تھی پہلا روزہ تھا اور کسی کو پرواہ ہی نہ تھی ملازم نے بازار سے سموسے وغیرہ لا کر ٹیبل پر رکھ دیئے تھے عین افطاری کے وقت پر کچن ویران تھا معاذ کا دل اچاٹ ہو گیا، ثانیہ کوئی انگلش مووی دیکھ رہی تھی ان کے ہاں رمضان کی آمد پر کیسے ہلچل مچ جاتی تھی چاند نظر آتے ہی تراویح کا انتظام کیا جاتا رات کو ہی سحری کے لئے پلاننگ کی جاتی امی جان جلدی سو جانے کی تلقین کرتیں کہ وقت پر جاگ سکیں پراٹھوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی اور افطاری کا نظارہ تو اور بھی قابل دید ہوتا کیسی رونقیں آ جاتی تھی اور یہاں پورے رمضان میں ہی معمولات رہے تھے بیگم عالم جہانگیر روزے رکھے بغیر ہی پورے اہتمام سے افطار پارٹیاں اٹینڈ کرنے میں مصروف تھیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے محسوس کیا یہاں پر ہر کوئی اپنی زندگی جی رہا ہے عزیز کو گٹار بجانے کا شوق تھا آج کل وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر میوزیکل گروپ آرگنائز کر رہا تھا ثانیہ کو پینٹنگز کا شوق تھا ہر وقت اسٹوڈیو میں کھبی رنگوں اور برشوں سے کھیلتی رہتی حنا اپنی والدہ کی طرح پارٹیوں کی شوقین تھی اکثر گھر سے غائب رہتی کبھی کبھی تو معاذ کو لگتا یہ گھر نہیں کوئی فائیو سٹار ہوٹل ہے جہاں ہر شخص اپنی اپنی ضرورت کے لئے آتا تھا اور ایک دوسرے کو رسمی سا ہیلو ہائے کر کے اپنے دلچسپیوں میں مصروف ہو جاتا تھا اس نے کبھی کھانے کے اوقات میں بھی اکٹھے کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا اک عجیب سی لاتعلقی اور بیگانگی سی تھی۔

اس دن انتیسواں روزہ تھا ممکن تھا کہ عید کا چاند نظر آ جاتا اسی خیال سے وہ ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا تو شاید کہ ابھی ٹی وی پر اعلان ہو جائے، ثانیہ انگلش چینل لگائے انگلش گانے دیکھ رہی تھی اور حنا فون پر کسی سے بات کر رہی تھی کیسا ٹھنڈا یخ ماحول تھا بے حس، بیگانہ اور سرد سا اور یہ حنا کی باتوں اور ٹی وی کے بے ہنگم میوزک کی آواز کے باوجود رگوں میں سناٹا سا اترتا محسوس ہو رہا تھا یہ وہ گھر تھا جہاں عید سے زیادہ نیو ائیر کی تیاریاں کی جاتیں تھیں وہ یہ سوچتے ہوئے بددلی سے اپنے کمرے میں چلا آیا آج بہت عرصے بعد اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچا تھا اتنے دنوں سے اس نے انہیں دانستہ بھلائے رکھا تھا مگر آج جیسے دل بے اختیار ہو گیا تھا ایک سال ہو گیا تھا اسے وہاں سے نکلے ہوئے اس نے دنیا کے اتنے رنگ دیکھے تھے کہ شاید آنے والے کئی سالوں میں بھی نہ دیکھ پاتا جس مقصد کے لئے وہ وہاں سے نکلا تھا اس کے پورا ہونے میں ایسی کوئی دشواری اب نہ رہی تھی اس کی مطلوبہ رقم جمع ہونے میں بس تھوڑی مدت تھی مگر یہ سب کر کے بھی وہ اندر سے خوش نہیں تھا عجیب سا خالی پن نے اس کی ذات کا گھیراؤ کر رکھا تھا، خوشیاں تو جیسے کہیں دور ہو گئیں تھیں عید کا موقع تھا اس کے دل نے اچانک خواہش کی تھی وہ بھی گھر والوں کے لئے کچھ خریدے جیسے چاند رات کو بابا لدے پھندے گھر آتے جیسے تیمور کچھ نہ کچھ لے آتا مگر وہ کس کے لئے خریدتا الماری میں رکھا روپوں کے بے جان ڈھیر کاغذ کے ٹکڑوں سے زیادہ اہم نہ تھا۔

''روپیہ بھی تب اچھا لگتا ہے جب خرچ کروانے والے بھی آس پاس موجود ہوں۔'' اس وقت کتنی گہری اور کھری بات کہی تھی ابو جان نے اس کے معنی اسے آج پتہ چلے تھے گولڈ کی بے نازک ونفیس رنگ بھی کب سے بیگ کی اندرونی جیب میں پڑی تھی اس نے افشین سے وعدہ تھا جب وہ کمانے لگے گا تو وہ سب سے پہلے اس کے لئے تحفہ خریدے گا اور اب اسے خریدے ہوئے بھی کتنا عرصہ ہو گیا تھا اور جب بھی نکال کر دیکھتا اسے بے مول سی لگتی۔

''چیزوں کی قدر انسانوں کے دم سے ہوتی ہے انسانوں کی قدر چیزوں کے دم سے نہیں'' بہت سی دھیما اور بھیگا سا لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔

''پتہ نہیں اس وقت وہاں کیا ہو رہا ہو گا کی گہما گہمی کے نجانے کتنے رنگ بکھرے ہوں گے کوئی مجھے بھی یاد کر رہا ہو گا یا نہیں۔'' کوئی سا معصوم چہرہ دل کے افق پر نمودار ہو کر شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

روایت ہلال کمیٹی کب سے چاند دیکھ رہی تھی مگر چاند نظر نہیں آ رہا تھا حالانکہ پشاور میں ہو چکی تھی اب چاند نظر آتا یا نہ آتا کل عید تھی بھلا بتائیں اس پاکستانی قوم کی حالت کیسے ہو گی جو ایک عید کے چاند پر متفق نہیں ہو سکتی تمام افراد پابندی سے روزے رکھتے تھے لہٰذا عید بھی روایتی اہتمام سے منائی جا رہی تھی، تیمور اور مائرہ کو عید دینے گئے تھے لڑکیاں بڑے کمرے میں موجود تھیں سب کے کپڑے سل چکے تھے مناہل، نوشین اور ماوراء کل ہی تائی امی کے ساتھ بازار سے مہندی چوڑیاں اور دیگر چیزیں خرید لائی تھیں، مغرب کی نماز ادا کر کے وہ مہندی لگانے بیٹھ گئیں تھیں پھپھو نے کہا بھی تھا عشاء کی نماز پڑھ کے لگانا مگر انہوں نے ان سنی کر دی تھی۔

''چوڑیاں ابھی پہن لو صبح کئی چھوٹے چھوٹے کام ہوتے ہیں وقت ہی نہیں ملتا۔'' نوشین نے چوڑیوں کے ڈبے نکالے اور اس کے کپڑوں کے کلر کی چوڑیاں اس کی جانب بڑھائیں۔

''مجھے نہیں پہننی۔'' اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

''لاؤ میں مہندی لگا دوں پھر مجھے اپنی بھی لگانی ہے۔'' ماوراء نے ثانیہ کو مہندی لگا کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

''کہا نہ نہیں لگانی مجھے کوئی زبردستی ہے کیا۔'' اس نے قدرے جھلا کر جواب دیا اور باہر آ گئی ہر کام معمول کے مطابق انجام دینے پر بھی سب کے چہروں پر نادیدہ سی اداسی تھی عائشہ بیگم چپکے سے کئی بار آنسو پونچھ چکی تھیں اور خود اس کا دل کیسے بوجھل ہو رہا تھا ابو اور تایا ابو دکان سے آ چکے تھے تیمور اور ہمایوں ابھی کچھ دیر قبل ہی گھر سے نکلے تھے اور ابھی ان کی واپسی میں دیر تھی بیرونی دروازے پر کنڈی چڑھی تھی وہ بند دروازے کو کچھ دیر دیکھتی رہی پھر نجانے کیا سوچ کر کس احساس کے تحت دروازے کی کنڈی کھول دی کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی اور پھر چھت پر آ گئی، تاریک شام کی گہری سوچ میں گم تھی نیلا آسمان اس کی مانند کچھ خفا اور اداس لگ رہا تھا خاموش اور ویران سی فضا میں دور سے آتی ٹرین کی وسل پر کسی ٹوٹے دل سے اٹھنے والی ہوک کا گمان ہوتا تھا۔

''عید تو خوشی کا نام ہے اور خوشی کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور میرے دل کی خوشی کہاں ہے؟'' اس نے شام کی تاریکی میں نہر کے ساکت و جامد گدلے پانی سے پوچھا تھا۔

''تمہارے بالکل پاس۔'' اس عقب سے آواز ابھری تھی وہ ایکدم پلٹی تھی اور جیسے فضا کسی طلسم سے جاگ گئی اس نے چونک کر دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گئی۔

''تم.....'' حیرت سے آواز بھی ٹھیک سے نہیں نکل پائی تھی، سیاہ جھیلوں میں بے یقینی کا پانی رواں تھا۔

''معاذ تم..... کب آئے؟'' سیاہ جینز اور لیمن کلر کی ہائی نیک پہنے وہ سچ مچ معاذ ہی تھا۔

''ابھی ابھی جب تم نہر کے پانی سے میرا پتہ پوچھ رہی تھیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

''صرف پانی سے نہیں، آسمان ہوا اور شام سے بھی مگر کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔''

''جبھی تو خود چلا آیا، کہ دل نے تمہارے یہاں ہونے کی گواہی دی اور میں بے اختیار ہی اوپر چلا آیا اب چلو نیچے یا ایسے ایک ٹک دیکھتی رہو گی۔''

''آں..... ہاں..... چلو۔'' وہ جھینپ کر اس کے پیچھے ہو چلی، وہ نیچے اترے تھے کہ سجاد صاحب بھی نماز پڑھ کر آ گئے تھے پھر پل بھر میں اس کی آمد کی خبر خوشی بن کر سارے گھر میں پھیل گئی کے تیمور کے سنگ کچھ دیر کے لئے مائرہ اور نبیل بھائی بھی آ گئے تھے بے رنگ سی چاند رات کی رونقوں میں جیسے کسی نے جان پھونک دی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھپھو کے کہنے پر اس نے دسترخوان بچھایا تھا۔

''تم نے یوں اچانک آنے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔'' کھانے سے فارغ ہو کر لاؤنج میں آ بیٹھے تو نبیل بھائی نے پوچھ لیا اس کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

واپسی کا فیصلہ اس نے کل ہی کر لیا تھا اور ٹھنڈے ماحول اور جذبوں سے عاری گھر کو دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کھونے جا رہا ہے اسے اب احساس ہوا تھا کہ گھر کتنی بڑی نعمت ہے اور وہ رشتے کتنی بڑی دولت ہیں انہیں کھو کر وہ آسانی سے زندگی نہیں گزار سکتا تھا جس ماحول کو وہ ناپسندیدہ قرار دے چکا تھا وہ خود اس کا اٹوٹ حصہ تھا اسے سے کٹ کر اسے چھوڑ کر کہاں جاتا۔

گل جب وہ کپڑے بیگ میں رکھ رہا تھا کہ عالم جہانگیر آئے تھے۔

''جا رہے ہو۔'' انہوں نے بنا کسی حیرت کے پوچھا تھا۔

''میں جانتا تھا اور مجھے تمہارے فیصلے سے بے حد خوشی ہے جانتے ہو کیوں؟'' اس کا جواب سنے بغیر انہوں نے مزید کہا اور بیڈ کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گئے اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میں بھی تمہاری طرح ترقی کرنے نکلا تھا آنکھوں میں بہت چمکدار خواب لے کر گاؤں کے سکول سے میٹرک کرنے کے بعد مجھے اپنے کچے گھر اور پسماندہ گاؤں کا ماحول ناگوار گزرنے لگا تھا اپنا لائف سٹائل بدلنے کے لئے میں نے شہر کا رخ کیا ترقی کے زینے کس طرح طے کیے یہ ایک لمبی داستان ہے اس وقت بہت کامیاب اور مصروف بزنس مین ہوں لائف اسٹائل یقیناً مکمل بدل چکا ہے اب میرا شمار اپر کلاس میں ہوتا ہے بہت ماڈرن فیملی سے تعلق رکھتا ہوں اور یہ سب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کھو چکا ہوں وہ کبھی نہیں پا سکتا خواب سوداگری کرتے ہیں تعبیر کی بڑی قیمت وصول کرتے ہیں اس وقت ہم سمجھ نہیں پاتے مگر وقت گزرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہم تو تہی داماں رہ گئے گاؤں کے کچے گھر کی وہ کچی چاہتیں بے ریا محبتیں وہ بے لوث اپنائیت وخلوص سب کچھ خواب ہو گیا ہے تمہاری داستان سن کر مجھے احساس ہوا تھا کہ تم بھی ان ہی راہوں پر قدم بڑھا رہے ہو جن پہ چل کر آج میرے پاؤں لہولہان ہیں مگر یہ بھی جانتا تھا کہ ابھی دیر نہیں ہوئی تم ابھی واپس لوٹ سکتے ہو اس لئے میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا تا کہ تم ماڈرن اور عالی شان گھر اندر سے دیکھ سکو تم امریکہ جانا چاہتے ہو لیکن امریکہ میں لاکھوں ڈالرز کمانے والوں کی آنکھوں میں جھانک کر ضرور دیکھنا وہاں تمہیں ایک پیاس ایک تلاش نظر آئے گی یہ تلاش ان کھوئے ہوئے رشتوں کی ہوتی ہے رشتے ناطے سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں ایک بار زمانے کی بھیڑ میں کھو جائے تو دوبارہ ملنا بہت مشکل ہوتا ہے تم پیسہ کماؤ ترقی کرو مگر سب کے ساتھ رہتے ہوئے۔'' انہوں نے اپنی عمر بھر کی داستان اس کے سامنے رکھ دی اور وہ امریکہ جانے کا فیصلہ ترک کر چکا تھا اب اپنے ارادے میں اور بھی پکا ہو گیا تھا اس نے مختصر الفظوں میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

''اگر تم ہم سب کے لئے واپس آئے ہو تو ہم بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتے ہمیں تمہارے بغیر یہ گھر ویران اور سونا سونا لگتا ہے۔'' معاذ نے اس کی باتیں سن کر سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ہاں بیٹا میں نے بھی تمہارے بعد بہت سوچا ہے اور اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ انسان کو

زمانے کی رفتار کے ساتھ کچھ نہ کچھ تو قدم ملا کر چلنا چاہیے ورنہ زمانہ بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے بہذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ گھر کو جدید تقاضوں کے مطابق بنوایا جائے اور اب چونکہ تم لوگوں کا زمانہ ہے تم اپنی پسند سے اس میں تبدیلیاں کرواؤ۔'' چاچا صاحب نے کہا تو سب حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

''گھر برسوں میں بنتے ہیں میرے بچو اور کوئی ایک بھی فرد اسے چھوڑ کر چلا جائے تو اس کی بنیادیں کمزور پڑ جاتی ہیں تم لوگ کبھی اس کی بنیادیں کمزور نہ کرنا۔'' سائرہ بیگم نے اپنے مخصوص انداز میں نصیحت کی تو انہوں نے تہہ دل سے اثبات میں سر ہلا دیا ان ہی باتوں کے دوران چائے پی گئی چائے کے بعد سب بزرگ سونے کے لئے اٹھ گئے تو لڑکیوں کو ایک بار پھر اپنی ادھوری عید کی تیاریوں کا خیال آ گیا وہ اپنی چیزیں مائرہ باجی کو دکھانے لگیں۔

''میں تمہارے لئے چوڑیاں لایا ہوں۔'' معاذ نے بیگ سے رنگ برنگی چوڑیاں نکال کر انہیں دیں۔

''میری چوڑیاں کدھر ہیں۔'' افشین نے تعجب سے پوچھا۔

''تمہارے لئے انگوٹھی لایا ہوں منگنی پر اپنے ہاتھ سے پہناؤں گا۔'' ان سب کو مصروف دیکھ کر شریر انداز میں آہستگی سے بولا تو اس کے چہرے پر دھنک کے ساتوں رنگ بکھر آئے۔

☆☆☆

''نوشین مجھے مہندی لگا دو۔'' اس نے اپنی سونی ہتھیلی نوشین کے سامنے پھیلائی۔

''میں کیسے لگاؤں میں نے خود لگا رکھی ہے۔'' اس نے صاف جواب دیا۔

''تم نے الٹے ہاتھ پہ لگائی ہے مجھے سیدھے ہاتھ پہ لگا دو ناں۔ وہ بضد ہوئی اور یہ تو وہ سب جانتی تھیں جب سے معاذ گھر چھوڑ کر گیا تھا افشین نے سجنا سنورنا چھوڑ دیا تھا وہ جو عام طور پر ہلکی سی لپ اسٹک لگا لیا کرتی تھی مدت گزر گئی تھی اس نے کبھی اپنے سراپے پہ غور بھی نہ کیا تھا۔

''ابھی تمہارا دل نہیں چاہ رہا تھا اب کیا ہوا ہے۔'' اس نے کون اٹھا کر مہندی لگانا شروع کر دی۔

''اب.....'' اس نے شوخ کھنکتے لہجے میں کہتے ہوئے کن اکھیوں سے معاذ کی جانب دیکھا وہ بڑی دلچسپی سے اس کے ہاتھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''اب عید ہو گئی ہے، میرے دل کی۔'' آخری جملہ جیسے اس نے اپنے آپ سے کہا تھا اور خود ہی کھلکھلا کر ہنس دی یہاں سے وہاں تک خوشیوں کا جلترنگ بج اٹھا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبتوں میں حساب کیسا

مدیحہ تبسم

گیارہویں قسط

''تین ماہ تو بہت کم ہیں، چھ ماہ کرلو۔''

''تمہیں کم لگ رہے ہیں تو چلو میں زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک واپس آ جاؤں گا۔'' وہ مضبوط و مستحکم لہجے میں بولا تھا۔

''ٹھیک ہے خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔'' آخر میں صالح کا لہجہ پھر سے بھیگ گیا تھا۔

آج حسان کی پاکستان کی فلائیٹ تھی، جوزفین اور صالح اسے سی آف کرنے کے لئے ایئرپورٹ آئے تھے، جوزفین بیچاری تو حیران و پریشان تھی کہ حسان کو بیٹھے بٹھائے پاکستان جانے کی کیا سوجھی، لیکن وہ کوئی ایسا استحقاق نہیں رکھتی تھی کہ اس کو جانے سے منع کرسکتی۔

صالح نے اسے جانے سے پہلے سارے گھر کی تصویریں بمعہ ناموں کے ازبر کروا دی تھیں تاکہ اسے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے، اسے یقین تھا کہ اس کا رب اس کی قربانی کو ضائع نہیں کرے گا، وہ اپنی خواہش کا گلا گھونٹ کے اپنی جگہ اپنے بھائی کو بھیج رہا تھا، جس گھر میں، جن فضاؤں میں سانس لینے کے سپنے اس نے دن رات دیکھے تھے، جب ان کے پورا ہونے کی باری آئی تو اس نے خود کو پیچھے کرکے اپنا حق اپنے بھائی کو دے دیا تھا۔

ناولٹ

''تم انہیں کوئی نقصان پہنچا ہی نہیں سکتے حسان! جو بھی ہے تم کوئی غیر تھوڑی ہو اسی گھر کا خون ہو، انہی میں سے ایک ہو، تم تو ایک ایسے مسافر ہو جو راستہ بھٹک کے کسی دوسری طرف نکل گیا ہو، آج تم اپنی صحیح منزل کی طرف گامزن ہو، میرے ہر سانس میں تمہارے لئے دعا ہے۔''

فلائیٹ کی اناؤنسمنٹ ہونے لگ گئی تھی، تمام مسافر ڈیپارچر لاؤنج سے اپنا سامان اٹھائے اندر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

''اوکے، اپنا خیال رکھنا۔'' صالح نے خود ہی آگے بڑھ کے اسے سے مصافحہ کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسان نے محسوس کیا اس کے دل میں صالح کے لئے محبت ہی تھی نفرت نہیں، وہ خود ہی اپنے دل کی اس حالت پہ جھنجھلا گیا۔

''او کے حسان! آئی ہوپ تم جلد واپس آ جاؤ گے۔'' جوزفین کی آنکھیں پانی سے لبریز تھیں۔

''اور اگر میں نہ آیا تو؟'' حسان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں ہر طرف اداسی کا ڈیرہ تھا۔

''تو میں خود پاکستان آ جاؤں گی۔'' وہ ضبط سے سرخ چہرہ لئے بولی۔

حسان زبردستی مسکراتا انہیں ہاتھ ہلا کر آہستہ آہستہ ان سے دور ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

میرے دل میرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ ہوں وطن بدر ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی ہارنامہ برکا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا
سر کوئے ناشناہاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
تمہیں کیا کہوں کہ کیا ہے؟
شب غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا

بالآخر ایک طویل مسافت کے بعد اس کے جہاز نے علامہ اقبال ائیر پورٹ لاہور کی سرزمین کو چھوا تھا۔

حسان احمد کے دل کی کیفیت بڑی عجیب ہو رہی تھی، یہ تو اس نے ہزار ہا دفعہ سوچا تھا کہ وہ پاکستان جائے گا بلکہ اس نے تو اپنی زندگی کا مقصد ہی بنا رکھا تھا، کہ وہ اس شخص کو ذلیل و رسوا کر کے دم لے گا، جس نے اس کی ماں کو گمنامی کی زندگی گزارنے پہ مجبور کر دیا اور اسے ہر رشتے سے محروم کر دیا، لیکن اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی اور کے بہروپ میں ان سب سے ملے گا، ان ہی کا بیٹا بن کر ان کو دھوکہ دے گا۔

''بہرحال مجھے اس سے غرض نہیں کہ میں کیا بن کر جا رہا ہوں مجھے تو اس سے غرض ہے کہ میں ان سے بدلہ لوں اور اپنی برسوں کی تشنہ خواہش کو پورا کروں تاکہ میری ماں کی روح کو بھی سکون مل سکے بلکہ مجھے تو صالح کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے اپنی بیوقوفی اور حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کے ہاتھوں میرے لئے میری منزل کو آسان کر دیا۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے خود کو باور کرایا۔

''مجھے اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لینا ہے اور اپنے اندر کے حسان احمد کو چند ماہ کے لئے فراموش کر کے صالح عبدالرحمن بننا ہے۔'' وہ آخری دفعہ خود سے مخاطب ہوا۔

اپنا سوٹ کیس اٹھائے جب وہ ائیر پورٹ کے اندرونی احاطے میں پہنچا تو گھر کے تقریباً سارے مرد ہی اسے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے، حسان کو ان سب کو پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی تھی۔

''کتنے بیوقوف ہیں سارا کنبہ ہی اٹھ کے آ گیا ہے۔'' وہ استہزائیہ ان پہ ہنستا ہاتھ ہلاتا ان کی طرف بڑھ گیا۔

احمد عبدالرحمن سے گلے ملتے ہوئے ان

کے اندر شراروں کے طوفان اٹھ رہے ہیں، اپنا آپ اسے کسی انگارے کی مانند جلتا محسوس ہوا تھا، لیکن کمال مہارت سے اس نے اپنے تاثرات کو چھپا لیا تھا۔

اس کو اپنے درمیان موجود پا کر ان سب کے چہرے خوشی سے منور ہو رہے تھے کچھ اسی طرح کا حال گھر کی خواتین کا بھی ہوا تھا، منزہ کتنی دیر اسے خود سے لپٹائے روتی رہی تھیں۔

''یہ وہ عورت ہے جس نے میری ماں کا حق غصب کیا ہے۔'' اس کا دل ایک مرتبہ پھر نفرت کی آگ میں سلگنے لگا تھا۔

''بیٹا! یہ تمہاری بہنیں ہیں، یہ بڑی ہے رمشاء، اور یہ چھوٹی ہے ہالہ۔'' منزہ نے ان دونوں کا تعارف کروایا تھا، خوشی سے چھلکنے والے آنسوؤں کو ضبط کرتیں وہ دونوں قدرے جھجکتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

پتہ نہیں کیا بات تھی حسان کو ان دونوں پہ یکدم ہی بہت پیار آیا تھا، اس نے شفقت سے ہالہ کے سر پہ ہاتھ رکھا تو یکدم ہی اس کے سینے سے آ لگی، وہ پہلے تو بوکھلا گیا، لیکن پھر خود کو سنبھال لیا۔

''ایک لڑکی اور بھی تھی جو صالح کے چاچو کی بیٹی تھی، وہ پتہ نہیں کدھر گئی۔'' سب سے ملاپ کرنے کے بعد وہ ہال کمرے میں بیٹھا تھا جب اسے یاد آیا کیونکہ تقریباً سب ہی اس سے مل چکے تھے۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ ہال کمرے میں داخل ہوئی تھی، منزہ نے ہی اس کا بھی تعارف کروایا تھا، نجانے کیوں حسان کو محسوس ہوا تھا کہ وہ اس کی نظروں سے پزل ہوئی تھی، اس نے سلام کرنے کے بعد وہ وہب کے قریب سنگل صوفے پہ دھنس گئی تھی، جس کے ساتھ ہی غوری بیٹھا ہوا تھا، غوری سے بات کرتے ہوئے وہ کسی بات پہ مسکرائی تھی، حسان کو اس کی مسکراہٹ بہت پاکیزہ لگی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دسترخوان لگنے کی اطلاع ملی تھی اور ایک دفعہ پھر حسان کو ان سب کو بیوقوفی پہ بہت ہنسی آئی تھی، یہاں سے وہاں اک نہایت وسیع دسترخوان تھا، وہ تو بہت کم کھانے پینے کا شوقین تھا، یہ کھانا تو اسے ایک مہینے کے لئے کافی ہو سکتا تھا، جبکہ صائمہ پھپھو کہہ رہی تھیں کہ ابھی ہم نے زیادہ اہتمام نہیں کیا کیونکہ تمہاری پسند ناپسند کا اندازہ نہیں تھا۔

''پور فیملی۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے ان کی بیوقوفی پر ایک مرتبہ پھر دل میں ہنسا تھا۔

ارادہ تو اس کا یہ تھا کہ بس سیلڈ اور ایک آدھ چیز چکھ لے گا، لیکن سب جس طرح اسے وی آئی پی پروٹوکول دے رہے تھے اور بار بار مختلف ڈشز اس کے سامنے رکھ رہے تھے، وہ ان سب کی دل آزاری نہ کر سکا اور نہ چاہتے ہوئے بھی کئی ڈشز کو ٹیسٹ کر گیا۔

☆☆☆

سب افراد اس کا بے حد خیال رکھتے تھے، کئی دفعہ تو وہ جھنجھلا جاتا کہ وہ کوئی بچہ تھوڑی ہے، لیکن ان سب کی محبتوں کے آگے وہ بے بس ہو جاتا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ماہا کی ذات میں اس کی دلچسپی بڑھ رہی ہے، خاص کر جب وہ دو دن صائمہ پھپھو کے گھر گزار کر آیا تھا تو اسے ماہا کی کمی بے حد محسوس ہوئی تھی، اس کی ادائیں ہر وقت اسے تنگ کرتی تھیں اس کا بولنا، اس کا ہنسنا، اس کا مسکرانا، بچوں کی طرح بات بات پہ خوش ہونا اور خفا ہو کر بچوں کی طرح ہی منہ سجا لینا۔

''شاید یہ وقتی جذبہ ہے۔'' اس نے خود کو ٹالنا چاہا۔

لیکن گزرتے وقت نے اسے خوب اچھی طرح باور کروا دیا تھا کہ یہ وقتی جذبہ نہیں بلکہ وہ واقعی محبت جیسی سنگین غلطی کر بیٹھا ہے۔

''میں یہاں انتقام لینے آیا ہوں محبت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے نہیں۔" ایک دن اس نے خود کو سمجھایا۔
"آج رات بیٹھ کر مجھے لائحہ عمل تیار کرنا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے، کیونکہ اپنے پہلے ہدف میں تو میں کامیاب رہا ہوں، کسی کو شبہ تک نہیں گزرا کہ میں صالح نہیں ہوں، میں سب کا اعتماد حاصل کر چکا ہوں۔" صبح آفس نکلتے ہوئے وہ سوچوں کے سمندر میں غرق تھا، اس نے دل میں پختہ عزم کر لیا تھا کہ وہ آج کی رات کوئی نہ کوئی پلان ترتیب دے لگا تھا۔
لیکن اس کا ارادہ وہیں کا وہیں رہ گیا کیونکہ اسی دن اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، ایکسیڈنٹ بھی اچھا خاصا سیریس تھا، اسے کافی چوٹیں آ گئی تھیں۔

تب حسان نے محسوس کیا تھا، ان سب کی محبت کی گہرائی کو سب اس کی خاطر بھاگے دوڑے پھر رہے تھے، راولپنڈی سے صائمہ پھپھو اور شہزاد انکل بھی آ گئے تھے، خواتین نے رو رو کے اپنی آنکھیں سجا لی تھیں، خاص کر ہالہ تو کسی کے کنٹرول میں ہی نہیں آ رہی تھی، ماہا کی آنکھیں بھی شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں حسان کو اپنی ایک بیٹ مس ہوتی محسوس ہوئی تھی۔
گھر آتے ہی سب نے اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا رکھا تھا، ہر کوئی ہر وقت اس کی تیمار داری کے لئے مستعد رہتا تھا، پتہ نہیں کیا بات تھی لیکن یہاں وہ "پور فیملی" کہہ کر ان کی سادگی اور بیوقوفی پہ ہنس نہیں سکا تھا۔
چند دن بعد جب منزہ نے اس سے ماہا کے متعلق استفسار کیا تو وہ اپنی پسندیدگی کو چھپا نہیں پایا تھا، رمشاء کے لئے ارغان کا پرپوزل سلیکٹ کر لیا گیا تھا، اس نے بالکل سگے بھائیوں کی طرح ارغان کے متعلق چھان بین کی تھی اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر او کے کہا تھا۔
سب بڑوں کا خیال تھا کہ دونوں فنکشن ایک ساتھ کر لئے جائیں، ینگ پارٹی نے بھی خوب ہلہ گلہ مچایا ہوا تھا، حسان نے محسوس کیا ماہا بھی اس رشتے سے خوش تھی اس کے دل کی خوشی کئی گنا بڑھ گئی تھی۔
وہ اپنا مقصد بھلائے بڑے جوش و خروش اپنی ارینج منٹ کی تیاریوں میں مصروف تھا، جب یونہی ایک دن ہالہ نے بیٹھے بٹھائے کہا۔
"صالح بھائی کو آئے پانچ ماہ ہو چکے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلا۔"
"پانچ ماہ۔" حسان کے سر پہ کسی نے بم پھوڑا تھا۔
"یعنی میرے پاس صرف ایک ماہ باقی رہ گیا؟" کئی سوالیہ نشان اس کی آنکھوں کے گرد ناچنے لگے تھے۔
"یعنی ایک ماہ، صرف ایک ماہ میرے پاس باقی رہ گیا ہے؟" وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔

"میرا مقصد، میرا بدلہ، میرا انتقام، میرا جذبہ، یہ سارے احساسات کدھر چلے گئے؟" وہ حق دق کھڑا خود سے مخاطب ہوا۔
"تو کیا حسان احمد! تم ماہا عبداللہ سے دستبردار ہو سکتے ہو؟" کوئی اس کے اندر سے بولا تھا اور اس کے دل نے بڑی شدومد سے اس کی نفی کی تھی۔
"ٹھیک ہے یہ منگنی تو ہو جائے اس کے بعد دیکھیں گے کیا صورتحال بنتی ہے۔" اس نے جیسے خود کو ٹالنا چاہا تھا۔
لیکن اس سے پہلے ہی وہ حادثہ پیش آ گیا، جب ماہا نے اس کے اور صالح کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن لیا، اپنے راز کے افشا ہونے کی دیر تھی کہ وہ بری طرح بھڑک اٹھا تھا، غصے میں وہ اس قدر جنونی ہو گیا تھا کہ ماہا پر اس کا ہاتھ اٹھ گیا، اسے اپنا گردش کرتا ذہن بھی کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا، ماہا کو سنگین نتائج کی دھمکی دیتے ہوئے اس نے اسے باہر دھکیل دیا تھا۔

مگر اس کے اندر ایک ڈر بیٹھ گیا تھا کہ کہیں ماہا اس راز کو آؤٹ نہ کر دے یا یہ یقین تو اسے واثق ہو چلا تھا کہ وہ منگنی سے انکار کر دے گی، لیکن اس کی توقع کے برعکس اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا، شاید وہ اس سے زیادہ ہی خوفزدہ ہو گئی تھی، ہاں البتہ بعد میں جب ارغان کی فیملی کی طرف رمشاء کے نکاح کا اصرار ہوا تو سب کا مشترکہ خیال تھا کہ ماہا اور حسان کا بھی نکاح کر دیا جائے، لیکن یہاں ہمت سے کام لیتے ہوئے اس نے انکار کر دیا تھا۔
پھر اس نے محسوس کیا ماہا بہت اداس اور ملول رہنے لگی تھی، اس کی آنکھوں میں ہر وقت ایک انجانا خوف اور ایک اضطراب ہلکورے لیتا رہتا تھا، وہ حسان کی طرف سے لاشعوری طور پر کسی بڑے نقصان کے پیش نظر خوفزدہ رہتی تھی، اپنے طور پر اس نے اس کے کمرے کی تلاشی لے کر چھان بین کی کوشش بھی کی تھی، لیکن اس کے ہاتھ سوائے مایوسی کے کچھ نہ آ سکا تھا۔
بالآخر تھک ہار کے وہ اسی شخص کے قدموں میں آ بیٹھی تھی اور روتے ہوئے اس کے ہر انتقام، ہر بدلہ اور ہر نفرت کے احساس کو بہا لے گئی تھی، وہ جو کسی سے نہ ہار سکا، ساری زندگی ایک نفرت کے پیچھے بھاگتا رہا، ایک منزل کی جستجو میں لگا رہا، جب منزل خود چل کر اس کے سامنے آئی تو، تو انجام کیا ہوا؟ وہ جنہیں ہرانا چاہتا تھا ان انتہا پر پہنچ کر خود ہار چکا تھا۔

... کی کون سی منزل تھی کس مقام پہ آ کے ہارے ہیں
... تو تمہیں معلوم ہے تیرے نام پہ آ کے ہارے ہیں
... بھی خود پہ جبر کیا ہم نے کبھی خود کو یوں بے مول کیا
... کے لٹنے والے تھے اک شام پہ آ کے ہارے ہیں
... درد مسلسل رہتا ہے اک بارش اندر ہوتی ہے
... وں جیسے لوگ یہاں الزام پہ آ کے ہارے ہیں
... جیت کا دعویٰ ہم نے کیا یہ ازل ابد کا قصہ ہے
ہم بے خبری کے عالم میں انجام پہ آ کے ہارے ہیں

☆☆☆

آج وہ بے حد خوش تھا، اس کی قربانی رائیگاں نہیں گئی تھی، اس کی توقع سے بڑھ کر رنگ لے آئی تھی، محبتوں، چاہتوں اور رشتوں کی انمول زنجیروں نے حسان احمد جیسے پتھر کو بالآخر بے بس کر ہی ڈالا تھا، آج اس کا فون آیا تھا اور وہ نہایت شکست خوردہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"میں ہار گیا صالح! تم صحیح تھے صالح، نفرت پہ اپنا بھروسہ نہیں کرتے، جو شخص ساری زندگی اپنوں کی چاہتوں کو ترسا ہو، اس کی نفرت کب تک اس کا ساتھ دے سکتی ہے۔"
"یہ تمہاری ہار نہیں فتح ہے حسان! بھلا محبتوں میں حساب کیسا؟ میرے یار، محبت تو حساب کتاب سے بالاتر ہوتی ہے اور جس میں حساب کتاب ہو وہ محبت نہیں ہوتی۔" صالح کے لہجے میں محسوس کی جانے والی چاشنی تھی۔
صالح فون رکھتے ہی وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا، وہاں سے کی رنگ اٹھاتے ہوئے اس کا ارادہ قبرستان جانے کا تھا، پاکستان جانے سے پہلے وہ ایک دفعہ اپنے پیاروں سے مل لینا چاہتا تھا، اس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ باہر کھڑی جوزفین کا ہاتھ جو کال بیل کی طرف بڑھ رہا تھا وہیں رک گیا۔
"تم شاید کہیں جا رہے ہو۔" وہ اسے تیار دیکھ کر متذبذب سی وہیں کھڑی رہ گئی۔
"آ جاؤ جوزفین! اندر آ جاؤ، مجھے ایسی بھی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔" صالح کا موڈ آج چونکہ بے حد خوشگوار تھا، اس لئے اس نے جوزفین کے اس وقت آنے کا برا نہیں مانا تھا۔
ویسے بھی حسان کے جانے کے بعد وہ اکثر اس کے پاس آنے لگی تھی اور دوسری تیسری ملاقات پہ اس نے اپنی آمد کا مقصد صالح پہ واضح کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اردو سیکھنا چاہتی ہوں صالح! کیا تم میری کوئی ہیلپ کر سکتے ہو؟'' اس کی عجیب و غریب خواہش پہ صالح کو خاصی حیرت ہوئی تھی۔

''لیکن تمہیں ایسی کون سی ضرورت آن پڑی جو تمہیں اردو سیکھنا پڑ گئی۔'' وہ اپنی حیرت کو چھپا نہیں پایا تھا۔

''میں نے سوچا کبھی پاکستان ہی جانا پڑ جائے۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

صالح چونک گیا یقیناً وہ حسان کی محبت میں ایسا کر رہی تھی، ایک دفعہ تو اس کا جی چاہا کہ اسے صاف لفظوں میں کہہ دے۔

''اچھی لڑکی! تم کبھی بھی حسان کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتی، اس کا آئیڈیل بالکل مختلف ہے، ایک مشرقی لڑکی، بالکل ویسی جیسی اس کی ماما تھیں اور جس چیز کو اس نے ابتداء میں ریجیکٹ کر دیا ہے اب کبھی بھی اس کے لئے سلیکشن کا درجہ نہیں پا سکتی، اگرچہ اس کی رائے جوزفین کے بارے میں پہلے سے کچھ بدل گئی ہے لیکن پھر بھی یہ رائے پسندیدگی کا درجہ نہیں پا سکتی۔'' لیکن سب چاہنے کے باوجود ایسا کہہ نہ سکا، وہ اس کا دل نہ توڑ سکا۔

اور پھر واقعی حیرت انگیز طور پر جوزفین نے بہت جلدی اردو سیکھنے میں امپروومنٹ کر لی، ہر ہفتے میں وہ دو تین چکر لگا لیتی تھی، کبھی صالح بھی اس کی طرف چلا جاتا لیکن اکثر اوقات وہ کسی پارک وغیرہ میں چلے جاتے تھے، جوزفین نے محسوس کیا تھا اس کی موجودگی میں وہ دس پندرہ منٹ سے زیادہ گھر نہیں ٹھہرتا تھا اور اسی لئے کسی قریبی کھلی جگہ پہ آ جاتا تھا جوزفین کو اسکی احتیاط پسندی بہت اچھی لگتی تھی۔

''تھینک یو۔'' وہ اندر داخل ہو گئی۔

''تم بیٹھو، میں تمہارے لئے کافی لے کر آتا ہوں۔'' اسے لاؤنج میں بٹھا کر وہ خود کچن کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا جب جوزفین نے اسے پیچھے سے آواز دے ڈالی۔

''نہیں صالح! میں بھی اس وقت جلدی میں ہوں کافی پھر کبھی سہی۔'' وہ جانتی تھی صالح کہیں جانے کے لئے ریڈی ہے اس لئے وہ اسے مزید لیٹ نہیں کروانا چاہتی تھی۔

''اچھا!'' اس نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں مجھے ایک فنکشن میں جانا ہے لیکن میں نے سوچا جاتے جاتے سے آج کا لیسن لے جاؤں۔'' وہ کندھے سے لٹکا بیگ اتار کر اس میں سے نوٹس اور پین نکالنے لگی۔

''گڈ، تم ایک اچھی اسٹوڈنٹ ہو۔'' صالح نے اسے سراہا۔

اور پھر اگلے دس منٹ میں وہ اس سے دیا گیا سبق سن کر مزید آگے دے کر فارغ ہو چکا تھا۔

''وہ..... حسان کا فون وغیرہ آیا۔'' نوٹس واپس بیگ میں ڈالتے ہوئے اس نے سرسری سا لہجہ اپنایا تھا، یہ سوال وہ تقریباً ہر ملاقات پہ اس سے پوچھتی تھی، بلکہ کبھی کبھی تو صالح کو ایسا لگتا جیسے وہ اس کے پاس آئی ہی اس مقصد کے لئے ہے۔

''ہاں، ابھی ابھی تمہارے آنے سے پہلے۔'' صالح نے بتایا۔

''اسے گئے چھ ماہ سے اوپر ہونے کو آئے ہیں کچھ واپسی کا پتہ ہے؟'' اس کی آنکھیں تو گویا اسے دیکھنے کو ترس گئی تھیں، وہ ظالم جتنا بھی سنگدل تھا، کم از کم اسے دیکھ کر اس کے دل کو تو قرار آ جاتا تھا۔

''وہ اپنے گھر گیا ہے جوزفین! اور گھر جا کر کون شخص واپس آنا چاہتا ہے؟'' صالح کی بات پر اس نے بے حد چونک کر اسے دیکھا تھا آنکھوں میں امڈتی حیرت کی تحریر صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

اس کے علم کے مطابق تو حسان کی فیملی میں صرف اس کی ماما تھیں جن کی ڈیتھ ہو چکی تھی اور اس کے جانے سے لے کر بعد تک صالح نے کبھی اس سے تذکرہ نہیں کیا تھا کہ حسان پاکستان اپنے رشتہ داروں کے پاس گیا ہے، اسے تو یہی بتایا گیا تھا کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں جا رہا ہے۔

''دیکھو جوزفین! تم بہت اچھی لڑکی ہو، تمہارا ماضی جیسا بھی رہا ہو، لیکن ایک بات میں جانتا ہوں تم نے حسان کی خاطر خود کو بدلنے کی ہر ممکن سعی کی ہے اور اس میں کامیاب بھی رہی ہو، جو بات میں آج تم سے کہنے جا رہا ہوں بہت پہلے سے کہنا چاہتا تھا، لیکن تمہاری دل آزاری کے سبب کہہ نہیں سکا۔'' وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا، جوزفین کسی انہونی کا احساس لئے دھڑکتے دل سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''حسان پاکستان میں اپنی فیملی کے ساتھ رہ رہا ہے وہاں اس کے فادر ہیں، اسٹیپ مدر ہیں بہن بھائی ہیں اور حسان کی انگیج منٹ اس کی پسند سے اپنی تایا زاد سے ہو چکی ہے، وہ اب وہیں رہے گا کیونکہ اس کے اپنے اس کے پیارے اسے کبھی واپس نہیں آنے دیں گے اور واپس آئے بھی تو کس کے پاس؟ کس کے لئے؟''

جوزفین کی سماعت میں گویا صالح نے بم پھوڑ دیا تھا، وہ متحیر زدہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔

''تو گویا حسان کو بھی محبت ہو ہی گئی، لیکن اس سے نہیں کسی اور سے۔'' اسے اپنا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔

''کاش! اسے دعا مانگنے کا ڈھنگ آتا، اس کی دعا قبول بھی ہوئی تو کیسے، وہ یہی مانگتی رہی کہ حسان احمد کاش تمہیں بھی محبت ہو جائے، اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا اس کی دعا پوری ہو گئی تھی۔'' اس کے اندر سے جیسے کوئی بڑی زور سے اس پر ہنسا تھا۔

''تم بہت اچھی ہو جوزفین! کوئی بھی لڑکا راضی خوشی تمہیں اپنا لے گا اور پھر تمہارا کزن پیٹر وہ بھی اچھا لڑکا ہے، تم سے شادی کا بھی خواہشمند ہے وہ یقیناً بہت خوش رکھے گا۔'' اس کی حالت دیکھ کر صالح کو بہت دکھ ہوا تھا۔

''مم..... میں چلتی ہوں۔'' وہ بدقت کہتی اٹھی اور اس کی باتوں پہ کوئی بھی رسپانس ظاہر کیئے بغیر باہر نکل گئی، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی صالح کیا کیا کہتا جا رہا تھا، یاد تھا تو صرف اتنا۔

''حسان کی انگیج منٹ اس کی پسند سے اپنی تایا زاد سے ہو چکی ہے۔'' آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور بے تحاشا تکلیف و درد سے بوجھل دل اسے کسی نامعلوم رستے پہ چلائے جا رہے تھے۔

☆☆☆

کمرے میں دبیز خاموشی چھائی ہوئی تھی، وقفے وقفے سے دو نفوس کے سانس لینے کی آواز آ رہی تھی، پے در پے ہونے والے انکشافات نے ماہا کو تو گنگ کر دیا تھا، اپنے آئیڈیل تایا ابو کی زندگی کا یہ باب اس سے پوشیدہ تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تمہاری تسلی ہو گئی ہو گی۔'' بالآخر اس طویل خاموشی کو حسان نے ہی توڑا تھا۔

ماہا نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا اس کے چہرے پہ بڑی شکست خوردہ سی مسکان تھی، اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''آئم ساری میں پتہ نہیں آپ کے بارے میں کیا غلط سلط گمان کرتی رہی، مجھے کیا علم تھا کہ آپ ہمارے اپنے ہیں۔'' وہ نگاہیں زمین پہ گاڑے بڑے شرمندہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''بس تمہارے اس جملے نے ہر تکلیف کا مداوا کر دیا ہے، جانتی ہو ماہا! جب تم مجھے غیر، اجنبی ہونے کا طعنہ دیتی تھی تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے کسی نے سنسناتا ہوا تیر میرے دل میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیوست کر دیا ہو، لیکن آج تم نے ''اپنا'' کہہ کر میرا سیروں خون بڑھا دیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا جبکہ ماہا کو وہ لمحات یاد آئے جب وہ اسے اسی طرح کے الفاظ کہتی تو اس کی رنگت پل بھر میں متغیر ہو جاتی اور چہرے سے اضطراب چھلکنے لگتا، اس کی یہ حالت ہمیشہ ہی ماہا کو الجھن میں مبتلا کر دیتی، لیکن آج اس کی ہرا لجھن رفع ہو گئی تھی۔

''آئم ساری۔'' وہ مزید کچھ کہنے جا رہی تھی کہ حسان نے درمیان میں ٹوک دیا۔

''اٹس او کے ماہا! تم بھی اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔'' اس نے نرمی سے کہا پھر قدرے توقف سے بولا۔

''میں نے صالح کا اور تم سب کا بہت حق غضب کر لیا، اب مجھے جانا چاہیے تا کہ صالح تم سب سے اور تم سب اس سے مل سکو۔''

''لیکن میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔'' وہ ایک دم ہی جوش میں آ گئی تھی۔

''تو پھر کیا خود ساتھ جاؤ گی۔'' نجانے کیسے یہ جملہ اس کی زبان سے پھسل گیا۔

ماہا کا چہرہ لمحوں میں سرخ ہوا تھا، بڑے عرصے بعد حسان نے اس کا یہ روپ دیکھا تھا، بدقت تمام اس نے اپنی سرکش ہوتی نگاہوں کو چھڑایا تھا۔

''میرا مطلب یہ تھا کہ آپ حقیقت جانے بغیر کیسے جا سکتے ہیں، یقیناً کوئی وجہ تو ضرور ہو گی، جو تایا ابو نے اس شادی کو مخفی رکھا، جب تک وہ وجہ کھل کے سامنے نہیں آ جاتی میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔'' وہ آخر میں پھر پر جوش ہو گئی۔

''یعنی حقیقت سامنے آنے کے بعد تم مجھے یہاں سے دھکا دے دو گی کہ جناب اب آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' اس نے اپنی طرف سے بہت سنجیدہ ہونے کی سعی کی تھی۔

''جی نہیں، ایک تو آپ اتنا نگیٹو پتہ نہیں کیوں سوچتے ہیں۔'' وہ چڑ ہی تو گئی۔

''آپ کا اپنا گھر ہے شرعی اور قانونی آپ کا حصہ اور حق ہے اور ایک بات میں آپ کو بتاؤں اگر آپ کو یقین آ جائے تو۔'' ایک ثانیے کو رک کے اس نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''جو محبت، پیار اور چاہت آپ کو مل گئی ہے ناں، جتنے ناز نخرے آپ کے اٹھائے گئے ہیں اور جو توجہ آپ کو مل چکی ہے وہ کبھی بھی اب صالح کو نہیں مل سکتی، جو آپ کی محبت سب کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے اتنی محبت اب صالح سے بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ پہلے آئے اور سب کی برسوں سے تشنہ محبت کے حقدار ٹھہرے، اب شاید صالح بھی وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔'' ماہا کی بات نے حسان کو حق دق کر دیا تھا۔

''لیکن صالح اس گھر کا حقیقی بیٹا ہے۔'' پتہ نہیں اس نے کس کی نفی کرنا چاہی تھی، اپنے دل کی آواز کی یا ماہا کی بات کی۔

''بیٹا تو بیٹا ہوتا ہے حسان صاحب! حقیقی اور غیر حقیقی نہیں آپ شاید ہماری تائی امی کے ظرف کو صحیح جان نہیں پائے لیکن آزما ضرور لیں گے۔'' اس کے لہجے میں صداقت پنہاں تھی۔

''لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا ماہا! میں کسی کو آزمانا نہیں چاہتا، تم کسی کو میرے بارے میں کچھ مت بتاؤ، میں خاموشی سے چلا جاؤں گا اور صالح یہاں آ جائے گا، ہو سکتا ہے اس گھر کے سب فرد اس حقیقت کو تسلیم نہ کر سکیں، میں نہیں چاہتا کہ یہ محبت بھرا آشیانہ میری وجہ سے بکھرنے لگے۔'' ان سب کو چھوڑنا اس کے لئے آسان نہ تھا، لب بھینچتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور بے اعتباری بھی رکھتے ہیں، دس از ناٹ فیئر۔'' اس نے ہلکے سے سر نفی میں ہلایا۔

''بٹ ماہا!'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''با.....س۔'' ماہا نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

''اتنا تو آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ ماہا ضد کی بہت پکی ہے۔'' وہ دھیمے سروں میں مسکرائی۔

''بہت اچھی طرح۔'' وہ جیسے اس کے آگے شکست مان کے بولا تھا۔

''تو بس پھر خاموش رہیے اور وقت کا انتظار کریں۔'' امید کا دیا اسے تھمائی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ لڑکی بہت یاد آتی ہے
وہ لڑکی بہت یاد آتی ہے

رات کو ان سب کی واپسی ہوئی تھی، عبد الرحمٰن اور عبد اللہ تو آفس کو نکل چکے تھے، جبکہ ینگ پارٹی ناشتے کے بعد اب پوستیوں کی طرح ادھر اُدھر لڑھک رہی تھی، منزہ اور الماس بھی اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں، تو غوری کا کب کا رکا ہوا ریکارڈ فوراً بجنے لگا تھا۔

''تو ساتھ ہی لے آنا تھا ناں اسے، اتنی ہی یاد آ رہی ہے تو۔'' ہالہ حسب عادت بھڑک اٹھی تھی، سنایا بھی تو بطور خاص اسے ہی جا رہا تھا۔

''ہائے اللہ! اتنی جلدی کیسے لے آؤں، ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں۔'' غوری نے بھی شرمانے کی انتہا کر ڈالی تھی۔

''ایسی پڑھائیاں فائدہ نہیں دیتیں۔'' ہالہ بوڑھی عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کے بولی تھی۔

''لیکن ہمیں تو بہت دے رہی ہیں۔'' معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس نے نہایت بے تکا قہقہہ لگایا تھا۔

''خیر تو ہے، کل سے غوری کی باچھیں بڑی کھلی جا رہی ہیں۔'' ماہا اسی وقت اندر داخل ہوئی تھی، ہاتھ میں گرما گرم بھاپ اڑاتا چائے کا مگ تھا، جسے رمشاء نے نہایت للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

''آدھی چائے مجھے دے دو۔'' بالآخر اس سے رہا نہ گیا تو مانگ ہی لی حالانکہ اسے سو فیصد یقین تھا ماہا آدھی تو کیا ایک گھونٹ بھی اسے نہیں دے گی۔

''سوری، وہ سامنے کچن ہے۔'' اس نے لٹھ مارا تھا۔

''دیکھو، ہم آدھی رات کو تھکے ہارے گھر پہنچے ہیں تمہیں چاہیے کہ کچھ تو ہماری سیوا کرو۔'' رمشاء نے انتہائی مسکین شکل بنا کے کہا۔

''جتنی رات کو سیور کر لی ہے اتنی ہی کافی ہے اور ویسے تم کون سا پہاڑ ڈھو کے آ رہی ہو، شادی میں بہتیرے مزے کر لئے ہیں، اب تو تمہیں چاہیے کہ چار دن مجھے بٹھا کے کھلاؤ۔'' وہ الٹا اسی کے سر ہو گئی تو رمشاء نے دیدے پھاڑ کے اسے دیکھا۔

''تم مایوں بیٹھ گئی ہو جو ہم تمہیں بٹھا کے کھلائیں۔'' وہ تپ ہی تو گئی۔

''وہ لڑکی بہت یاد آتی ہے۔'' غوری نے پھر با آواز بلند راگ الاپا۔

''تمہیں کون یاد آ رہا ہے کل سے۔'' ماہا نے رخ روشن غوری کی طرف کیا۔

''اپنی چاچی کی بہن۔'' ہالہ تیکھے چتونوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی، غوری کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا، قدرت نے اسے ہالہ کو تپانے کا اچھا خاصا موقع فراہم کر دیا تھا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ اس کے چاچو کی شادی میں ان کی سب سے چھوٹی سالی غوری کے ارد گرد منڈلاتی رہی تھی، بہانے بہانے سے اسے مخاطب کرتی، کبھی کندھے پر ہاتھ مار دیتی کبھی فضول باتوں پہ قہقہہ لگاتے ہوئے اس کی بال بگاڑ دیتی، غوری ہرگز کسی لڑکی کو اتنا فری نہ ہونے دیتا لیکن اول تو وہ خود ہی بہت بے باک تھی دوم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب وہ ہالہ کی آنکھوں میں شرارے لپکتے دیکھتے تو اسے مزید تنگ کرنے کی خاطر خود بھی سائرہ کے ساتھ ہنسی مذاق کر لیتا۔

جب سے وہ گھر آیا تھا سب سے مسلسل ہالہ کو تنگ کیے جا رہا تھا اور وہ جو بارہا خود سے عہد کر چکی تھی کہ اب اس لنگور کی باتوں پہ آؤٹ نہیں ہو گی ہر دفعہ ہی غصے سے آؤٹ ہو جاتی اور غوری کے بچے کو مزید چٹخارے لینے کے موقع مل جاتا۔

''کیا مطلب؟'' ماہا نے اچنبھے سے ہالہ کو دیکھا، وہ چونکہ شادی میں شرکت نہیں ہو سکی تھی لہٰذا وہ اس رام کہانی سے بھی بے خبر تھی۔

''غوری کے جس چاچو کی شادی ہوئی ہے ان کی بیوی مائرہ کی چھوٹی بہن ہے سائرہ، وہ اپنے غوری پہ ڈورے ڈالنے کے چکروں میں تھی۔'' وہب نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا جس پہ غوری کی گردن میں کلف لگ گیا تھا۔

''آ..... آ..... آ..... چھا۔'' ماہا نے انتہائی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا، پھر بے حد مایوسی سے گویا ہوئی تھی۔

''مجھے تو اس میں کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آئی جس کی بدولت اس پہ ڈورے ڈالے جائیں۔''

''دیکھا، میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن ایک لڑکی نے لفٹ کیا گروالی موصوف خود کو ٹام کروز سمجھنے لگے ہیں۔'' ہالہ بھی چہک کے بولی تھی۔

''ایک لڑکی نہیں ہزاروں فدا ہیں اپنی پرسنالٹی پہ۔'' اس نے شرمندہ ہوئے بغیر فرضی کالر اکڑائے تھے۔

''کیا بات ہے آج کسی کا پڑھائی کا موڈ نہیں۔'' حسان نیچے آیا تو ان سب کو لاؤنج میں دھرنا دیئے بیٹھے کر پوچھنے لگا، کیونکہ یہ وقت تو سب کے کالج یونیورسٹی جانے کا ہوتا تھا اور اس وقت گھر میں خاصی گہما گہمی اور بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔

''آج ہم تھکے ہوئے ہیں۔'' وہب نے اعلان کیا تھا۔

''زبانیں تو صبح سے قینچی کی طرح چل رہی ہیں وہ نہیں تھکیں۔'' ماہا نے اسے گھورا۔

''اس کا جواب ہالہ دے گی۔'' غوری جھٹ سے بولا تھا۔

''یہاں کوئی کوئز پروگرام نہیں چل رہا جو جواب ہالہ دے گی۔'' ہالہ نے منہ بگاڑتے ہوئے اس کی نقل اتاری پھر حسان کی طرف متوجہ ہوئی۔

جو بلیک جینز پہ بلیو ٹی شرٹ پہنے، سلیقے سے بالوں کو جمائے خوشبوؤں میں نہایا، اپنی مسحور کن پرسنالٹی اور دلوں کو موہ لینے والی خوبصورتی سمیت دیکھنے والوں کے دل میں اتر رہا تھا۔

''وہ تمہاری سائرہ بی بی ایک نظر میرے بھائی کو دیکھ لیتی تو تم جیسوں کو گھاس ڈالنا بھی گوارا نہ کرتی، اسے بھی پتہ چل جاتا کہ حسن کسے کہتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں اپنے بھائی کے لئے بے پناہ ستائش تھی۔

''تمہارا بھائی جتنا بھی اسمارٹ سہی، لیکن وہ بک ہو چکا ہے اس لئے دوشیزاؤں کے لئے باعث کشش نہیں۔'' غوری نے اسے مزید چڑایا تھا۔

''کیا بات ہے بھئی، کیا بحث چل رہی ہے، مجھ بیچارے کو کیوں گھسیٹا جا رہا ہے۔'' اتنا تو اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ دونوں طرف محاذ گرم ہے لیکن یہ گولہ باری کس سلسلے میں ہو رہی ہے اس سے نا واقف تھا۔

''چھوڑیں بھائی! ان کو تو رحمت بوا بھی لفٹ کروا لیں تو خود کو آسمانوں پہ اڑتا محسوس کرتے ہیں، وہ تو پھر ایک لڑکی تھی، دو چار دفعہ موصوف کو ہنس کے بلا لیا یہ بیچارے ابھی تک ان کے فراق میں آہیں بھر رہے ہیں۔'' ہالہ نے ناک پر سے مکھی اڑاتے ہوئے خاصا زبردست حملہ کیا تھا۔

مت پوچھ غوری کے بچے کا ہم سے ابھی تک سائرہ کے فراق میں آہیں بھرتا ہے

''واہ..... واہ..... کیا خوب ہے۔'' وہب نے اپنے شعر کچھ خود ہی سر دھننا شروع کر دیا تھا۔

''ابے گھامڑ تو میرا پارٹنر ہے یا مخالف حریف۔'' غور نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

''جو بھی سمجھ لو وقت آنے پہ ہم ہر طرح کے سوانگ بھر لیتے ہیں۔'' اس نے کمال بے نیازی سے سخاوت کا مظاہرہ کیا، سب ہنسنے لگ گئے جن میں پیش پیش ماہا تھی۔

''او کے گائز! مجھے آفس جانا ہے لیٹ ہو رہا ہوں، شام کو ملاقات ہو گی، پھر گپ شپ لگائیں گے۔'' حسان بھی ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا، اتنی دلچسپ محفل چھوڑنے کو تو دل نہیں کر رہا تھا، لیکن اسے آفس جانا تھا، کیونکہ وہ ریزائن دینے سے پہلے اپنا آفس ورک مکمل کر لینا چاہتا تھا تاکہ اس کا ریکارڈ خراب نہ ہو اور وہ با آسانی لندن برانچ میں اپائنٹ ہو سکے۔

☆☆☆

''کتنا فضول کام ہے یہ کپڑے دھونا۔'' رمشاء ٹب میں پڑے کپڑوں کو کھنگالتے ہوئے نہایت جھنجلائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

چونکہ آج اس کی ماہا کی واشنگ مشین لگانے کی ڈیوٹی تھی اور اس کی نہایت منت سماجت کے باوجود منال اور ہالہ میں سے کوئی بھی اس کی ذمہ داری قبولنے کے لئے راضی نہیں تھی، اسی لئے اسے مزید غصہ چڑھا جا رہا تھا۔

''مشقت کا تھوڑا عرصہ ہی باقی رہ گیا ہے میری بہن! جلد ہی تم اپنے گھر سدھار جاؤ گی جہاں تمہیں کپڑے دھونے نہیں پڑیں گے۔'' ماہا نے اسے مستقبل کے حوالے سے تسلی دی، کیونکہ سعدیہ آنٹی کے گھر کام والی اور کپڑے دھونے والی ماسی آتی تھی۔

''اونہہ، مجھے تو لگتا ہے امی نے ان کو بھی کہہ دیا ہے ادھر بھی یہی چھوا چھو۔'' منہ بگاڑ کر کہتے ہوئے اس نے دوپٹہ اتار کر سائیڈ پہ رکھا اور شلوار کے پائنچے چڑھاتے ہوئے تیزی سے ہاتھ چلانے لگی، غصے میں ہاتھ کچھ زیادہ ہی تیزی سے پڑ رہے تھے جو ٹب میں سے پانی اچھل اچھل کر اسے بھگوتا جا رہا تھا۔

''دھیرج، میری بہنا دھیرج، اتنا غصہ نہیں کرتے اور آنے والے وقت کی اچھی امید رکھتے ہیں۔'' ماہا کو اس کی حالت دیکھ کر ہنسی آنے لگی، ماتھے پہ بل ڈالے اپنے کپڑے بھیگنے کی پرواہ کئے بغیر وہ اسی تواتر سے لگی رہی۔

''یہ تم کپڑے دھو رہی ہو یا ان کے ساتھ کشتی کر رہی ہو۔'' ہالہ کسی کام سے ادھر نکلی تو رمشاء کو دیکھ کر کہے بنا نہ رہ سکی، شاید وہ بھول چکی تھی کہ ابھی وہ اس کی ہیلپ کروانے والی ریکوسٹ کو بری طرح ریجیکٹ کر چکی تھی، ورنہ اب بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہ ڈالتی۔

''تمہیں اس سے مطلب، میں کشتی کروں یا کبڈی، تم اپنے کام سے کام رکھو اور خبردار جو آئندہ میرے سوٹوں، جوتوں اور جیولری پر اپنی لالچی نظر رکھی تو، مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔'' کپڑے وہیں چھوڑ چھاڑ وہ پنجے جھاڑ کے اس کے پیچھے پڑ گئی۔

''تم تو مائنڈ ہی کر گئی میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' ہالہ نے کھسیانے لہجے میں کہتے ہوئے کھسک جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

''رمشاء! کدھر ہو بیٹا!'' منزہ کی پکار سنائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی تو وہ فوراً الرٹ ہوئی۔

''ماہا! تم ہی کپڑے پھیلاؤ میں امی کی بات سن کے آئی۔'' ماہا کو ہدایت دیتی وہ اسی سر جھاڑ اور منہ پہاڑ اسی حلیے میں اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''جی امی! آپ بلا رہی تھیں۔'' لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

''ہاں بیٹا! ارغان آیا ہے تم چائے وغیرہ بنا لو اور ہالہ سے کہو وہ ماہا کے ساتھ کپڑے دھلوا دے۔'' منزہ کی بات سن کے اسے کرنٹ لگا تھا، دل اچھل کر حلق میں آ گیا، سامنے دیکھا جو ارغان نہایت پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اف اللہ۔'' مارے خجالت کے اس کا برا حال ہو گیا، دوپٹے سے بے نیاز بھیگے کپڑے بکھرے بال، جوتا ندارد، خود پر اسے جی بھر کے غصہ آیا۔

''جی اچھا۔'' وہ فوراً غڑاپ سے باہر نکل گئی۔

''یہ کدھر سے ٹپک پڑے اور میرا حلیہ، توبہ کیا سوچ رہے ہوں گے۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ کچن کے بیرونی دروازے سے کچن میں داخل ہوئی تھی، کیونکہ اندرونی دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا۔

کیتلی میں چائے کا پانی رکھتے ہوئے اس نے اوپر کی طرف دوڑ لگائی، جلدی میں ماہا کا پریس شدہ سوٹ ہاتھ آیا تھا اسے ہی پہن لیا۔

''خیر تو ہے تم کہیں جا رہی ہو۔'' منال اندر داخل ہوئی تو وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔

''نہیں، نیچے گیسٹ آئے ہیں، تم ذرا کچن میں چلو میں چائے کا پانی رکھ کے آئی تھی، ساتھ میں دیکھو فریج میں کچھ موجود ہے تو نکالو، میں ابھی آ رہی ہوں۔'' بالوں کو ڈھیلی سی چٹیا بناتے ہوئے اس نے آرڈر جاری کیا۔

''ارغان بھائی آئے ہیں؟'' اس کی حالت کے پیش نظر منال نے اندازہ لگایا تھا، کیونکہ ان کے یا ان کی فیملی کے آنے پر ہی وہ یوں ڈھنگ کا حلیہ اپناتی تھی۔

''ہاں۔'' رمشاء نے سر اثبات میں ہلایا تو منال نیچے کچن میں آ گئی۔

''سنا ہے آپ کے میاں صاحب تشریف لائے ہیں۔'' وہ کچن میں داخل ہوئی تو منال کے ساتھ ماہا بھی موجود تھی، جو اسے دیکھتے ہی شرارت سے گویا ہوئی تھی۔

''جی بالکل ٹھیک سنا ہے، اس لئے آپ کو مابدولت کا احترام کرنا چاہیے اور چولہا ہانڈی خود دیکھنا چاہیے۔'' ماہا کو دیکھ کر وہ بھی پھیل گئی تھی، اسی لئے شان بے نیازی سے کہتی چیئر گھسیٹ کے وہیں بیٹھ گئی۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں تو کھانے کی تیاری کرنے لگی تھی، لیکن آپ کے شوہر نامدار نہایت عجلت میں ہیں وہ تو چائے پہ بھی نہیں رک رہے تھے، بڑی مشکل سے تائی امی نے روکا ہے لہٰذا اب آپ یہ چائے کی ٹرالی اندر لے جائیں تاکہ موصوف کے آنے کا مقصد پورا ہو اور ایک نظر آپ کو دیکھنے کے بعد وہ اپنے بقیہ کام نمٹا سکیں۔'' ماہا کی زبان پٹر پٹر چل رہی تھی، منال کی بھی ہنسی نکل پڑ رہی تھی۔

''اتنی جلدی تھی تو آئے کیا لینے تھے۔'' اس کے جلدی جانے کا سن کر اسے خوامخواہ ہی غصہ آیا تھا، منہ بنا کر کہتی وہ اٹھ گئی۔

''ارغان بھائی ڈرائنگ روم میں ہیں۔'' وہ ٹرالی دھکیلتی باہر آئی تو ماہا نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ ہلکا سا ناک کر کے

وہ ٹرالی دھکیلتی اندر آ گئی تھی اسے یقین واثق تھا کہ منزہ اور الماس دونوں کمرے میں ہی موجود ہوں گی۔

''ہائیں، یہ دونوں خواتین کدھر گئیں۔'' اندر صرف ارغان کو موجود پا کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر ان دونوں کو تلاش کرنا چاہا تھا۔

''آہم، میں ادھر موجود ہوں۔'' ارغان نے گلا کھنکار کے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، رمشاء گڑبڑا کے آگے بڑھی۔

''بیچ..... چائے۔'' اس کی مسلسل پرتپش نظریں اسے پزل کیے جا رہی تھیں، لرزتے ہاتھوں سے چائے بنا کر اس نے اس کی طرف بڑھائی تھی۔

''میں چائے پینے نہیں تم سے ملنے آیا ہوں۔'' ارغان نے ایک ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کا لرزتا ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

''کتنے دن ہو گئے تھے تم سے ملے، تم کو دیکھے، صبر کا پیمانہ چھلکا تو مجھ سے رہا نہ گیا اوپر سے تم میرا فون بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی اتنے دنوں سے۔'' اس کے لہجے میں بے قراری کے ساتھ شکوہ کا عنصر بھی موجود تھا۔

رمشاء کو تو اس کی قربت بوکھلائے دے رہی تھی، بڑی مشکل سے اس نے تھوک نگل کے اپنے خشک پڑتے حلق کو تر کیا۔

''ہم سب راولپنڈی گئے تھے، صائمہ پھپھو کے دیور کی شادی تھی، وہاں فون سننا مجھے مناسب نہیں لگا سب موجود ہوتے تھے، گھر آ کر میں نے آپ کو کال کی تھی تو آف جا رہا تھا۔'' اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں، نگاہیں جھکائیں لرزتی پلکوں سمیت وہ مشکل بیان صفائی دے پائی تھی۔

''ہاں وہ پھر میں نے غصے میں آ کر آف کر دیا تھا۔'' وہ دھیرے سے ہنستا ہوا بولا، رمشاء کے ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ کی گرفت میں تھا۔

''ارے یہ تم نے کپڑے کیوں چینج کر لئے کتنی اچھی لگ رہی تھی اس حلیے میں، بالکل بھیگی بلی کی طرح۔'' اس نے گویا تصور کی آنکھ سے دوبارہ اس کو اسی حلیے میں دیکھا تھا، پہلی دفعہ اس نے رمشاء کو یوں بغیر دوپٹے کے گھریلو حلیے میں دیکھا تھا ورنہ عموماً وہ کیٹی کمی سی اس کے سامنے آتی تھی۔

''پہلے میرا خیال تھا کہ تمہیں کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دوں گا بس اپنے پاس بٹھائے رکھوں گا لیکن آج تم گھریلو حلیے میں اتنی نائس اتنی پیاری لگی کہ بے ساختہ میرا جی چاہا کہ اور نہیں تو کم از کم لانڈری والے کی چھٹی کروا دوں۔'' وہ بہت مزے سے کہہ رہا تھا۔

''جی..... ای..... ای۔'' مارے صدمے کے رمشاء سے بولا ہی نہیں گیا، وہ جو شادی کے بعد عیش و آرام کی آس لگائے بیٹھی تھی وہ بھی ٹوٹتی نظر آ رہی تھی، آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔

''ارے..... رے..... رے تم تو پریشان ہو گئی ہو، میں جو ہوں، میں تمہارے ساتھ ملکر ہر کام کروایا کروں گا ناں۔'' اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑتی دیکھ کر اس نے فوراً اس کی ہمت بندھائی تھی۔

''جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے دھوبن بننے کا اور نہ ایسی مجھ سے کوئی امید رکھیے گا۔'' اس نے تڑاخ کر کے دل کی بات اس کے منہ پہ ماری تھی۔

''ہا..... ہا..... ہا۔'' ارغان کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''اب لگا ہے کہ میری رمشاء ہے۔'' وہ ہنسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روکتے ہوئے بولا تھا، رمشاء کے لبوں پہ بھی مدھم مسکان بکھر گئی۔

''او کے مائی لائف! مجھے اب جانا ہے بہت مشکل سے تم سے ملنے کے لئے یہ تھوڑا سا وقت نکالا ہے اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔'' وہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

''لیکن یہ چائے تو پی لیں آپ نے تو کچھ بھی نہیں لیا۔'' اس کے جانے کا سن کر وہ بوکھلا گئی، ٹرالی میں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی، منزہ کے ہاتھوں اس کی شامت ضرور آنی تھی کہ بچے کو کچھ کھلایا پلایا بھی نہیں اور ماہا اور ہالہ نے الگ چھیڑ چھیڑ کے ناک میں دم کر دینا تھا۔

''نہیں یار! پھر سہی ایک بہت ضروری کام سے پاپا نے بھیجا ہے اگر مزید لیٹ ہو گیا تو میری خیر نہیں۔'' وہ واقعی نہایت عجلت میں لگ رہا تھا، رمشاء نے پھر مزید اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''اور ہاں، میرا فون اب آن ہے کبھی آپ بھی کال ملانے کی زحمت کر لیا کریں۔'' وہ جاتے جاتے مڑا تھا۔

''ہم ایسی زحمت کم ہی کیا کرتے ہیں۔'' وہ شان بے نیازی سے کندھے اچکا کے بولی۔

''دیکھ لینا، ایسا نہ ہو کہ سزا کے طور پر میں واقعتاً مستقبل میں لانڈری والے کی چھٹی کروا دوں۔'' اس نے سخت دھمکاتی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ سچ مچ بوکھلا گئی۔

''نن..... نہیں میں روز آپ کو فون کر لیا کروں گی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہ حربہ تو بڑا کارگر ہے، تم سے تو ہر بات منوائی جا سکتی ہے۔'' آنکھوں میں شرارت بھرتے ہوئے وہ معنی خیزی سے بولا تو رمشاء سرخ پڑ گئی۔

وہ ہنستے ہوئے اس کے بالوں کی لٹ کو کھینچتے ہوئے اس کے دائیں رخسار کو ہلکے سے چھو کر باہر نکل گیا۔

رمشا مسکراتے ہوئے اس کے لئے تیار کیا گیا چائے کا کپ خود پینے لگ گئی تا کہ منزہ کی متوقع ڈانٹ سے بچ سکے۔

☆☆☆

کچھ نہ کہنا چپ چپ رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
ہنس کے سارے صدمے سہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
بیٹھے بیٹھے کھو سا جانا یونہی دور خیالوں میں
چلتے چلتے تھکتے رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
مار کے کنکر لہریں گننا بیٹھ کے جھیل کنارے پر
کچھ لوگوں کا ہے یہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

عبدالرحمان اسٹڈی میں بیٹھے کسی کتاب کی ورق گردانی میں مشغول تھے جب دروازہ ہلکی سی دستک سے کھلا، انہوں نے سر اٹھایا تو سامنے ماہا چائے کی ٹرے لئے دروازے کے فریم میں ایستادہ تھی۔

''آ جاؤ بیٹا!'' انہوں نے کتاب بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔

اجازت ملتے ہی وہ اندر داخل ہو گئی اور آتے ہی پہلے سلام کیا، پھر تپائی پر ٹرے رکھتے ہوئے وہ خود بھی چیئر پہ بیٹھ گئی۔

''واہ بھئی واہ، یہ تو میری بیٹی نے بڑا نیک کام کیا ہے۔'' ان کا اشارہ چائے کی طرف تھا۔

''جی بچوں کو ایسے نیک کام کرتے رہنا چاہیے۔'' وہ چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

''بالکل۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی تائید کی اور جزاک اللہ کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام لیا، ہاتھ میں پکڑی کتاب انہوں نے سائیڈ پہ پڑے میز پر رکھ دی تھی۔

''بھئی میری بیٹی چائے بہت مزے کی بناتی ہے، یہ بات میرے لئے تو یقیناً بہت اچھی ہے۔'' انہوں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے

اس کی تعریف کی۔

ماہا مسکرا دی، وہ جانتی تھی تایا ابو چائے کے بہت رسیا ہیں، اسی لئے وہ آج موقع پاتے ہی ان سے بات کرنے کی غرض سے آئی تھی، اتنے دنوں سے وہ کسی موقع کی تلاش میں تھی لیکن تایا ابو اس کے ہاتھ ہی نہیں آ رہے تھے، آج اتفاقاً وہ جلدی گھر آ گئے تھے۔

منزہ اور الماس رمشاء کے جہیز کی کسی شاپنگ کے سلسلے میں نکلی تھیں، ان کی واپسی اتنی جلدی ممکن نہ تھی اور باقیوں کی اسے پرواہ نہیں تھی کیونکہ اسے یقین تھا کوئی بھی ان کی اسٹڈی میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا، کیونکہ دوران مطالعہ وہ کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتے تھے، البتہ ماہا سے کبھی کبھار اس دوران چائے کی فرمائش ہو جاتی تھی، اس لئے آج وہ اس گولڈن چانس کو مس نہیں کرنا چاہتی تھی اور رمشاء کو بتا کر ادھر آ گئی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹا! کوئی پریشانی ہے۔'' اس کے چہرے پہ الجھن اور تذبذب کے آثار دیکھ کر انہوں نے دریافت کیا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو لیکن کہہ نہ پا رہی ہو۔

''وہ..... تایا ابو!'' اس نے ہمت مجتمع کر کے کہنا چاہا۔

''ہاں..... ہاں..... بولو بیٹا! کچھ کہنا ہے؟'' انہوں نے اس کی ہمت بندھائی۔

''کہنا تو بہت کچھ ہے، لیکن..... لیکن سمجھ نہیں آ رہی کہ بات کا آغاز کہاں سے کروں۔'' وہ گومگو کی کیفیت میں گویا ہوئی۔

عبدالرحمن نے چونک کر اسے دیکھا، ان کا دل ایک دفعہ پوری قوت سے دھڑکا تھا، یقیناً کوئی بہت بڑی بات تھی جسے کہتے وقت وہ ہچکچا رہی تھی۔

''جو بات سب سے پہلے تمہاری ذہن میں ہے اسے پہلے کہہ ڈالو، باقی بات پھر وہیں سے چل پڑے گی۔'' انہوں نے گویا خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' اس نے خود سے مخاطب ہو کر کہا، پھر ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے اپنے تایا ابو کی طرف متوجہ ہوئی جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو پتہ ہے صالح جو آپ کا بیٹا بن کر یہاں آیا ہے یہ صالح عبدالرحمن نہیں ہے۔'' جو بات سب سے زیادہ اس کے دل و دماغ میں اودھم مچا رہی تھی، اس نے سب سے پہلے اسے ہی اگلا تھا۔

عبدالرحمن کے سر پہ گویا کسی نے بم پھوڑا تھا، انہوں نے حد درجے بے یقینی سے ماہا کو دیکھا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بیٹا! تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' دل میں ابھرتے خدشات کو دباتے ہوئے انہوں نے نجانے کسے ٹالنا چاہا تھا خود کو یا اسے۔

''مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، انہوں نے نہ صرف خود مجھے بتایا ہے بلکہ صالح سے میری بات کروائی ہے۔'' سب سے بڑا راز افشا کرنے کے بعد وہ پرسکون ہو گئی تھی، اسی لئے اب نہایت مطمئن انداز میں بیٹھی تھی۔

''تو..... تو پھر یہ لڑکا کون ہے اور..... اور صالح کدھر ہے؟'' انہیں اپنی آواز کسی پاتال سے آتی محسوس ہوئی تھی، دل و دماغ میں زبردست جھکڑ چلنے شروع ہو گئے تھے، اپنا دل نہیں ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، کئی انجانے خدشات نے انہیں اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔

''یہ لڑکا احسان احمد ہے تایا ابو! نازنین عبدالرحمن کا بیٹا۔'' نگاہیں ان کے چہرے پہ جماتے ہوئے وہ ٹھہرے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولی تھی۔

"کیا..... آ..... آ....." دھماکہ اتنا زبردست تھا کہ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے یہ دوسرا بم تھا جو ماہا نے ان کی سماعتوں پہ پھوڑا تھا۔

کچھ کہنے کی کوشش میں ان کے لب صرف پھڑ پھڑا کے رہ گئے تھے، نہایت بے چینی و اضطراب کے عالم میں انہوں نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تو اسی لئے..... اسی لئے..... مجھے لگتا تھا۔" کچھ دیر بعد ماہا نے ان کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

"تایا ابو!" چند ثانیے بعد ماہا نے انہیں پکارا۔

"ہوں۔" وہ یوں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے گویا اس کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھے ہوں۔

"نازنین کہاں ہیں اور حسان یہاں کیسے آیا۔" وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئے تو سنبھل کر ماہا سے پوچھنے لگے۔

"آپ بیٹھ جائیں تایا ابو! میں آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گئے۔

اور پھر وہ ساری بات انہیں بتاتی چلی گئی، حسان کا انتقام سے لبریز جذبہ، صالح کی فرط محبت میں دی جانے والی قربانی، گھر والوں کا رویہ، سلوک، حسان کی ذات میں ہونے والی تبدیلیاں، نفرت کا محبت میں بدل جانا اور اب لندن واپسی کا ارادہ، بولتے ہوئے کئی دفعہ اس کی آواز رندھی، دل بھر آیا اور نازنین کی وفات کا بتاتے ہوئے تو آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے تھے، لیکن وہ رکی نہیں ایک تسلسل سے بولتی رہی، بالآخر ساری بات سنا کے وہ خاموش ہو گئی۔

عبدالرحمن کئی لمحات تک بول نہیں پائے تھے، انہیں بھی اپنا چہرہ بھیگتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"تو نازنین تم نے اپنے عہد کی پوری پاسداری کی۔" آنسو ایک تواتر سے ان کے چہرے کو بھگوتے چلے جا رہے تھے۔

"کاش میں تمہیں بتا سکتے کہ میرے دل کا ایک حصہ کب کا تمہارے نام ہو چکا تھا، جہاں ہمیشہ میں نے درد ہی محسوس کیا ہے۔" ان کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔

ماہا نے انہیں رونے دیا تھا، اس کا خیال تھا کہ شاید اسی طرح ان کے اندر کا غبار نکل جائے گا، دل ہلکا ہو گا تو وہ کچھ بتانے کے قابل ہوں گے اور پتہ نہیں اب تایا ابو نازنین سے شادی کے متعلق کون سے راز افشا کریں گے ان کی سیدھی سادی زندگی میں کتنے ٹرننگ پوائنٹ آ گئے تھے کئی باتیں ایسی تھیں جن سے وہ سب ناواقف تھے، کون جان سکتا تھا کہ تایا ابو کے دل میں کس کس کی یاد تھی۔

"بیٹا! مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سی باتیں جاننا چاہتی ہو اور یقیناً تمہارے ساتھ ساتھ حسان بھی جاننا چاہے گا، حسان میرا بیٹا ہے اور اسے اس گھر میں سے پورا حق ملے گا، میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے کے دل پر کوئی بوجھ رہے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"مجھے آپ سے ہی امید تھی۔" ماہا نے دل میں کہا اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا، یقیناً اسے حسان کے سامنے سرخروئی ہو گی۔

"نازنین میری بیوی تھی اور حسان میرا بیٹا ہے مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں، لیکن اس شادی کے پیچھے کون سی وجوہات پوشیدہ تھیں، یہ ایک لمبی کہانی ہے اس بات سے میں اس گھر کے ہر فرد کو باخبر اور آگاہ کرنا چاہوں گا، تم سب سے کہہ دینا کہ کل سب

گھر میں رہیں، میں حسان کو اس گھر میں اس کا حق دلواؤں گا۔" ٹھوس لہجے میں کہتے وہ چیئر پیچھے دھکیل کے کھڑے ہو گئے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے اسٹڈی روم سے باہر نکل گئے۔

ماہا بھی ایک طویل سانس لیتی چائے کے برتنوں کو ٹرے میں رکھتے ہوئی کھڑی ہو گئی، البتہ اس نے سوچا تھا کہ سب کی چھٹی کی اناؤنسمنٹ وہ صبح ہی کرے گی، کیونکہ اگر ابھی بتا دی تو رات بھر اسے کسی نے سونے نہیں دینا تھا، جبکہ وہ کم از کم وہ آج کی رات پرسکون ہو کے سونا چاہتی تھی۔

☆☆☆

صبح ہر طرف کھلبلی مچ گئی تھی، ہر کوئی اپنی طرف سے اندازہ قائم کرنا چاہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے بڑے ماموں ہم سب کی دعوت کرنا چاہتے ہیں۔" یہ غوری تھا، جس نے اپنی طرف سے بڑے نکتے کی بات کی تھی۔

"تمہارے خیالوں کی دنیا تو بس کھانے پینے کے اردگرد ہی گھومتی ہے۔" ہالہ نے چڑ کے اسے ٹوکا تھا۔

"اور تمہاری دنیا بس میرے اردگرد۔" وہ ترنت بولا تھا۔

"نری خوش فہمی ہے تمہاری اور بات کوئی نہیں۔" اس کا پارہ حسب معمول ہائی ہو چکا تھا۔

"خوش فہمی تو تمہیں لاحق ہے، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ تم ہر وقت مجھ پہ ہی تنقید کرتی رہتی ہو اور تم پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھی، پتہ نہیں کیا بات ہے لڑکیاں مجھ سے اس قدر امپریس کیوں رہتی ہیں۔" اس نے بال سنوارتے ہوئے بڑے اسٹائل سے کہا تھا۔

"تم دونوں خاموش رہ کے کیا کسی دوسرے کو سوچنے کا موقع فراہم کر سکتے ہو۔" جب منال نے ناک پر سے پھسلتی عینک کو مطلوبہ جگہ پہ ٹکاتے ہوئے دونوں کو باری باری گھورا تھا۔

"کیا پدی کیا پدی کا شوربہ۔" غوری کی نام نہاد انا نے جوش مارا۔

"دیکھا اب شوربے کو گھسیٹ لیا، محاورے بھی ایسے استعمال کرتا ہے جن میں پیٹ یوجا کا تذکرہ ہو۔" ہالہ کی زبان کہاں بند رہنے والی تھی۔

"افوہ! چپ کر جاؤ۔" منال نے جھنجھلا کر اب کی دفعہ ذرا بلند آواز سے انہیں ڈپٹا تھا۔

"ماہا! تم جو ابو جان کا پیغام لے کر آئی ہو تو تمہیں کچھ نہیں بتایا انہوں نے کہ ہال کمرے میں سب کی میٹنگ یہ کس سلسلے میں طے ہو رہی ہے۔" رمشاء ماہا کے کان میں گھسی بول رہی تھی۔

"اگر تم سب دس پندرہ منٹ صبر کر لو تو یقیناً سب کچھ جان لو گے، مجھے انہوں نے کہا تھا صبح سب سے کہہ دینا ناشتے کے بعد کوئی کہیں نہیں جائے گا، دس بجے سب افراد ہال کمرے میں جمع ہو جائیں، مجھے سب سے ایک ضروری بات کرنی ہے، ان کے دوٹوک لہجے پر مجھے مزید کچھ پوچھنے کی ہمت پیدا نہیں ہوئی، اب تم میں سے جس کے پیٹ میں زیادہ مروڑ اٹھ رہے ہیں وہ خود جا کر پوچھ لے۔" ماہا نے تپ کر بات ختم کی تھی۔

وہ بیچاری صبح سے کوئی دس دفعہ تایا ابو کا پیغام سنا چکی تھی، ہر کوئی آ جا کے اس کے سر ہو جاتا تھا، وہ شکر کر رہی تھی کہ اس نے رات کو نہیں بتایا تھا، ورنہ اب تک تو اس کا بھیجا خالی ہو چکا ہوتا تھا۔

"اب تم کہاں جا رہی ہو۔" اسے اٹھتے دیکھ کر ہالہ نے دریافت کیا تھا۔

"آتی ہوں ابھی، جب تک یہاں رہوں گی تم لوگ میرا دماغ ہی چاٹتے رہو گے۔" مڑ کے ہالہ کو جواب دیتی وہ اوپر کی طرف چل پڑی۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ حسان اس کے اس اقدام سے خوش نہیں تھا کیونکہ جب اس نے جا کر اسے تایا ابو کا پیغام دیا تو اس نے نہایت شکوہ کناں نگاہوں سے ماہا کو دیکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے تمہیں منع کیا تھا ناں ماہا! بات کو یہیں دفن کر دو، پھیلاؤ مت۔" وہ سنجیدہ لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

"کیوں دفن کر دوں؟ آپ کوئی چور ہیں، ایک فرد ہیں اس گھر کے حق دار ہیں حصہ دار ہیں۔" وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی تھی۔

جواباً وہ ایک اچٹتی سی نظر اس پہ ڈالی کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور اس وقت سے لے کر اب تک باہر نہیں نکلا تھا، سب اپنی اپنی سوچوں میں غرق نت نئے اندازے قائم کرنے میں مصروف تھے جبھی کسی کا دھیان اس کی طرف نہیں گیا تھا، البتہ ماہا نے ضرور اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا تھا اور چونکہ وہ اس کی وجہ سے بھی واقف تھی، اسی لئے ان سب کو باتیں کرتا چھوڑ کر خود اوپر آ گئی تھی۔

دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوئی تو صبح کا وقت ہونے کے باوجود کمرے میں اچھا خاصا اندھیرا چھایا ہوا محسوس ہوا تھا، دبیز پردے ابھی تک کھڑکیوں کے آگے موجود تھے، تمام لائٹس بھی آف تھیں۔

"مائی گاڈ! یہ اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں آپ۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہی کمرے کی تمام لائٹس آن کر دی تھیں اور ساتھ ہی کھڑکیوں سے پردے بھی سرکا دیئے تھے، کمرہ یکدم روشنی میں نہا گیا تھا، حسان نے ناپسندیدہ نظروں سے اس کے اس فعل کو دیکھا تھا، البتہ بولا کچھ نہیں۔

"اگر آپ کو میرا تایا ابو کو ساری حقیقت بتانا برا لگا ہو تو آئم سارری، بٹ یہ سب ضروری بھی تھا۔" وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی اور نہایت دھیمے لہجے میں بولی تھی، حسان نے رخ پھیر کر اپنی توجہ دوسری جانب مبذول کرنی چاہی تھی۔

"آپ کے دل میں کیوں یہ خوف بیٹھ گیا ہے کہ آپ کے ساتھ حقیقی بیٹیوں والا سلوک نہیں کیا جائے گا، آپ پر صالح کو فوقیت دی جائے گی، آپ حصہ ہیں اس گھر کا حسان! آپ ہم سب سے الگ نہیں ہیں۔" وہ ایک دفعہ پھر اسے قائل کرنے پہ کمر بستہ تھی۔

"کیسے دی جائے گی مجھے فوقیت؟ جبکہ صالح کے لئے اس والدین شروع سے ہی تمہارے خواب دیکھتے ہیں، کیا وہ اپنے حقیقی، سگے بیٹے کو چھوڑ کر میرے ساتھ تمہاری شادی کر دیں گے؟ اور کیا تمہارے والدین صالح کی بجائے میرا انتخاب کر لیں گے؟ بولو..... جواب دو؟" وہ یکدم اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا۔

ماہا دھک رہ گئی، اس نہج پر تو اس کے تخیل کی پرواز بھی نہیں گئی تھی، وہ تو صرف یہی سوچ کر خوش ہوتی رہی تھی کہ تایا ابو حسان کی اصلیت کھل جانے کے بعد بھی اسے اس گھر میں اس کا صحیح مقام دلائیں گے، وہ جانتی تھی حسان کے ساتھ سب کس قدر اٹیچ ہو چکے ہیں، کوئی بھی اس کی دل آزاری نہیں کرے گا کوئی بھی اسے یہاں سے جانے نہیں دے گا، سب اسے ہمیشہ یہیں روک لیں گے۔

لیکن اس بات کو تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی تو منگنی حسان کے ساتھ ہو چکی تھی، جب صالح یہاں آئے گا تو تائی امی اور خود اس کے پیرنٹس کا انتخاب کون ہوگا، اتنی دور تک تو ابھی اس کی سوچ پہنچی نہیں تھی۔

"خاموش کیوں ہو گئی ہو؟ جواب نہیں ہے ناں تمہارے پاس۔" انگشت شہادت سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر کرتے ہوئے وہ اس کے چہرے پہ نظریں جما کے بولا تھا۔

"جواب واقعی اس کے پاس نہیں تھا۔" ماہا

نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

"تم جان ہی نہیں سکتی ماہا! میں نے کس قدر تم سے محبت کی ہے کبھی کبھار تو میرا دل چاہتا تھا، کسی کو بھی بتائے بغیر تمہیں اپنے ساتھ لندن لے جاؤں، جو ہوگا بعد میں دیکھا جائے گا، لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔" وہ ہاتھ اس کے کندھوں سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے تمہیں کسی اور کا ہوتے دیکھوں اگرچہ وہ میرا مخلص دوست اور بھائی ہی کیوں نہ ہو۔" ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتا وہ اس سے ماہا کو بہت بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

اس کے ہونٹوں پہ تو قفل پڑ گیا تھا، پسینہ پسینہ ہوتے وجود سمیت وہ کسی مجسمے کی طرح وہیں جم گئی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے اب اس کا جسم کبھی حرکت نہیں کر سکے گا۔

"اسی لئے میں تمہیں منع کر رہا تھا، میں جانتا تھا اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں بہت وسعت ہے، ویسے بھی حسان احمد کو تسخیر کرنے والے کوئی عام نہیں ہو سکتے، میں نہیں چاہتا تھا کہ سب کی محبتیں مجھے کمزور کریں اور نہ ہی میں اتنے دلوں کو توڑ سکتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ واپسی میرے لئے مشکل ہو جائے اور یہاں رہنا مشکل ترین، میں نہ ادھر کا رہوں نہ ادھر کا۔" وہ اب اس سے کئی قدم کے فاصلے پر کھڑکی کے پاس جا کے کھڑا ہو گیا تھا، نگاہیں باہر جمائے وہ اپنی دلی کیفیت سے اسے آگاہ کر رہا تھا، جو دل سمیت اس کے پورے وجود کی مالکہ بن بیٹھی تھی۔

"میں ابھی بھی تم سے یہی کہوں گا میں واپس جانا چاہوں گا، میں یہی سمجھوں گا یہ جنت میرے لئے عارضی ٹھکانہ تھی، تم سب کی یادیں میرے لئے بہت اچھی ساتھی اور معاون ہوں گی۔" پتہ نہیں محبت انسان کو کمزور بنا دیتی ہے یا باہمت، بزدل بناتی ہے یا بہادر۔

اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی، جو فیصلہ اس نے کیا تھا اسے کیا نام دیا جائے گا، بزدلی یا بہادری، لیکن ایک بات تو اٹل تھی وہ اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا، آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لئے وہ ابھی سے خود کو تیار کر لینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

ہال کمرے میں اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود ہر طرف ہو کا عالم تھا، عبدالرحمٰن کے چہرے پہ غیر معمولی خاموشی اور سنجیدگی کی چھاپ تھی، جس نے ان سب کے دلوں کو بھی دھڑکا دیا تھا، وہ جو ہر وقت آپس میں چونچیں لڑاتے رہتے تھے اب یوں خاموش بیٹھے تھے گویا منہ میں زبان ہی نہیں، چاروں کونوں میں مکمل سکوت چھایا ہوا تھا، بقول شاعر۔

مرتا ہوں خاموشی پہ دل دھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

عبدالرحمٰن نے ہلکا سا ہنکارا بھرا تھا، گہرے سکوت میں ارتعاش پیدا ہوا تھا وہ سب مزید کالش ہو گئے۔

"میرے بچو! اس گھر کا سربراہ ہونے کی وجہ سے میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ تم لوگوں کو اچھا ماحول پروائڈ کروں، تمہاری تربیت، تمہاری تعلیم اور تمہارا رہن سہن ہر چیز معیاری ہو۔" انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

وہ سب دم سادھے ان کی گفتگو سن رہے تھے، سب کے دل یوں دھڑک رہے تھے گویا ابھی پسلیاں توڑ کے باہر آ جائیں گے، ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا شاید اس سے ہی انجانے میں کوئی سنگین غلطی سرزد ہو گئی ہے جس کی آج اسے سزا ملنے والی ہے۔

"ان تمام اسباب کو مہیا کرنے کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھ سے جہاں تک محنت ہو سکی میں نے کی، الحمدللہ میرے بھائی اور دونوں خواتین نے بھی اس معاملے میں میرا بھرپور ساتھ دیا، اگرچہ بظاہر میری ساری زندگی تمہارے سامنے ہے لیکن پھر بھی بعض حقائق ایسے ہیں جن سے منزہ سمیت تم سب لاعلم ہو۔'' وہ ایک ثانیے کے لئے رکے۔

منزہ نے بے حد چونک کر اپنے شوہر کی جانب دیکھا تھا، نجانے کیوں کسی انہونی کے پیش نظر ان کا دل بہت تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔

''میں بات کا آغاز بالکل ابتداء سے کرتا ہوں، لیکن اس سے پہلے اتنا بتا دوں کہ آپ سب لوگوں کو اب تک لاعلم رکھنے کی وجہ کسی کا وعدہ تھا جو اس نے مجھ سے اس معاملے کو مخفی رکھنے کا لیا تھا، چونکہ وہ ہستی وہ شخصیت اب اس دنیا فانی میں نہیں رہی اور حقیقت کا جاننا تم سب کے لئے بہت ضروری ہو گیا تھا، اس لئے آج میں یہ ساری باتیں آپ سے کہنے جا رہا ہوں۔'' نازنین کے تذکرے پہ ان کا لہجہ نم ہو گیا تھا، لیکن انہوں نے جلد خود پہ کنٹرول پا لیا۔

''یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ایشیاء ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا، یہ کمپنی ہر چھ ماہ بعد مجھے شارجہ بھیجتی تھی۔'' انہوں نے بات کا آغاز کیا تو پھر رکے نہیں ایک ایک کر کے ساری باتیں، سارے راز، سارے پردے ہٹاتے چلے گئے۔

ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ انہوں نے نازنین کے گھر سے بھاگنے والی بات چھپا لی تھی اور یہ بتایا تھا کہ اسے اس کی کاج فیلو فراڈ اور زبردستی سے ابوظہبی لے آئی تھی جس عورت نے ساری زندگی فقط ان کے نام کے سہارے بتا دی تھی وہ اتنی تو اس کی لاج رکھ سکتے تھے کہ اس کا بیٹا سر اٹھا کے سب کے سامنے بات کر سکے۔

وہ سب دم بخود ان کی باتیں سن رہے تھے، ان کی زندگی کے اس پہلو سے ہر شخص ہی ناواقف تھا، حسان اور ماہا بھی سانس روکے ساری بات سن رہے تھے حسان گنگ سا ساری حقیقت کو منکشف ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اسے آج علم ہو گیا تھا اس کی نفرت بے بنیاد تھی تبھی تو اتنی جلدی ختم ہو گئی اور صالح یقیناً ہر بات سے باخبر تھا ماما نے اس کو ہر بات بتا دی ہو گی، لیکن میری طبیعت اور عادت کے پیش نظر اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا اور اگر اس وقت وہ بتا بھی دیتا تو شاید میں یقین بھی نہ کرتا اور ساری زندگی اپنی نام نہاد نفرت کے پیچھے برباد کر دیتا۔

اسے اب یاد آ رہا تھا ماما کو وہ تصویریں بجاشخص اتنا عزیز تھا کہ اکثر وہ کبھی چڑ جایا کرتا تھا، لیکن آج جب حقیقت کھلی تو اسے پتہ چلا کہ اس شخص کے اس کی ماں پہ کتنے احسانات تھے جو اس نے ساری زندگی اس شخص کے نام پر ہی تیاگ دی، یقیناً اتنی اچھی سوچ رکھنے والے صالح عبدالرحمن کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کا بیٹا کہلائے۔

''یہ ہیں وہ ساری باتیں جن کا جاننا تم سب کے لئے بہت ضروری تھا۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ لمحہ بھر کے لئے رکے ان سب نے دیکھا عبدالرحمن کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''حسان! میرے بچے! میرے بیٹے! ادھر آؤ اپنے باپ کے پاس۔'' انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازو وا کرتے ہوئے بھیگے لہجے میں حسان کو پکارا تھا۔

حسان کو ان کے وجود سے ایک مقناطیسی کشش پھوٹتی محسوس ہوئی تھی وہ بے ساختہ اٹھ کے ان کی طرف لپکا، عبدالرحمن نے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں بھر لیا تھا، کبھی وہ اس کا ماتھا چومتے، کبھی سر، کبھی آنکھیں۔

''تمہارا باپ تمہارا مجرم ہے بیٹا! یہ تم سے معافی کا طلبگار ہے۔'' وہ اسے سینے سے لگائے آنسوؤں کے درمیان بولے تھے۔

''نہیں ابو جان! میں ہی غلط تھا۔'' آج اس کی آنکھوں سے صدیوں کا غبار نکل رہا تھا، باقی سب کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔

''بس کریں بھائی جان ہمیں فخر ہے کہ نازنین بھابھی نے اس کی اتنی اچھی تربیت کی اور حسان احمد ہمارا بیٹا ہے۔'' عبداللہ بھی کھڑے ہو گئے تھے، انہوں نے حسان کو ان سے الگ کر کے اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

''منزہ!'' عبدالرحمن نے پکارا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی تھیں، انہوں نے خالی خالی نظروں سے عبدالرحمن کو دیکھا تھا۔

''پتہ نہیں یہ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں کہ آخر میں ان کی سوکن کا بیٹا ہوں ان کے بیٹے کا حق غصب کرنے والا۔'' حسان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

منزہ کو تو گویا حیرت نے جکڑ لیا تھا وہ اپنی جگہ سے کس سے مس نہ ہو سکیں، باقی سب کی بھی بے قرار نظریں منزہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، ایک مرتبہ پھر ان سب کے دل انجانے خوف سے دھڑک اٹھے کہ پتہ نہیں منزہ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے، سب سے زیادہ بے چینی تو ماہا کے وجود سے لپٹی ہوئی تھی، اسے اپنے اس دن کے الفاظ یاد آئے جو اس نے جوش جذبات میں آ کر حسان سے کہے تھے۔

''بیٹا تو بیٹا ہوتا ہے حسان صاحب، حقیقی اور غیر حقیقی نہیں، آپ شاید ہماری تائی امی کے ظرف کو صحیح جان نہیں پائے لیکن آزما ضرور لیں گے۔''

''یا اللہ! میری لاج رکھ لینا۔'' اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا نکلی تھی۔

''منزہ!'' الماس نے ان کا کندھا ہلایا۔

''سب تمہارے فیصلے کے منتظر ہیں۔'' منزہ نے چہرہ گھما کے دیکھا تو سب بچوں کی آنکھوں میں انہیں امید اور التجا نظر آئی تھی، سب کی آنکھیں برس رہی تھیں، وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں کھڑی ہوئیں، حسان کے قریب آ کر انہوں نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا، حسان کا دل بہت رک رک کر دھڑک رہا تھا، وہ خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا، منزہ نے ایکدم اسے پکڑا اور اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

''تم میرے بیٹے ہو حسان! میرے لخت جگر ہو، آئندہ کے بعد یہ مت سوچنا کہ تمہاری ماں اس دنیا میں نہیں، میرا صالح بعد میں ہے اور تم پہلے ہو، اے اللہ! میں تجھ سے ایک بیٹا مانگتی تھی تو نے تو دو دیئے، میں کس زبان سے تیرا شکر ادا کروں۔'' وہ اسے دیوانہ وار چومتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

ماہا کے ساتھ ساتھ ان سب کی رکی ہوئی سانسیں بھی بحال ہو گئی تھیں۔

''میں اتنے چھوٹے دل کی مالک نہیں عبد الرحمن صاحب جو ایک کمزور اور بے سہارا لڑکی سے بیر باندھ لیتی، آپ ایک بار مجھ سے تذکرہ تو کر کے دیکھتے، آپ سے اچھا تو آپ کا بیٹا ہی ہے، جس نے ہمیں دیکھے بغیر ہی ہم پہ اتنا اعتماد کیا ہے کہ اس نے صرف اس اعتماد کے بھروسے پہ ہی اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو بھیج دیا، اسے پتہ تھا جو ماں اپنا جنم دیا ہوا بیٹا وہ بھی اکلوتا بیٹا کسی کے حوالے کر سکتی ہے وہ ہرگز اتنی کم ظرف نہیں ہو سکتی۔'' بھیگتے بھیگتے ان کی آواز رندھ گئی، عبدالرحمن صاحب نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''بھائی!'' ہالہ بھاگتی ہوئی آئی تھی اور اس سے لپٹ گئی تھی، رمشاء بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یار! تم نے بتایا ہی نہیں پہلے بتا دیتے تو اس پہ ایک اچھی خاصی فلم اسٹوری بن سکتی تھی۔" غوری اور وہب بھی اٹھ کے اس کے پاس گئے تھے، غوری اس کے کندھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے بڑے رازدارانہ لہجے میں بولا تھا۔

"چل پگلے! تجھے ہر وقت شرارتیں ہی سوجھتی رہتی ہیں۔" منزہ کے لاڈ سے اس کے پگلے پکارنے پر ساری محفل زعفران بن گئی، حسان نے دیکھا ماما ابھی تک وہیں کھڑی اس ملاپ کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی، اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آ گئی۔

"بھئی اب جلدی سے صالح کو بھی پاکستان بلاؤ، تاکہ ہماری فیملی کمپلیٹ ہو۔" عبداللہ نے صالح کی کمی محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جی چاچو! وہ پرسوں کی فلائیٹ سے آ رہا ہے۔" حسان کا چہرہ اندرونی خوشی سے جگمگا رہا تھا، اسے اتنے سارے رشتے ایک ساتھ مل گئے تھے۔

"زبردست بھئی، یہ تو بڑی اچھی بات ہے، آ لینے دو اسے بہت سارا مزہ چکھائیں گے۔" وہب ذہن میں کوئی پلان ترتیب دیتے ہوئے چٹخارہ لے کر بولا۔

"بالکل۔" سب نے یک زبان ہو کر اس کا ساتھ دیا تھا، ینگ پارٹی کے ارادے جان کر باقی سب بھی مسکرا دیئے تھے۔

☆☆☆

اپنی پیکنگ تو اس نے رات کو ہی کر لی تھی، سب کے لئے تحائف بھی خریدے تھے، ساری رات تو اسے نیند ہی نہ آ سکی تھی، اپنوں سے ملنے کی خوشی اس قدر تھی کہ ہر چیز پہ حاوی تھی، اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے، خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو نماز فجر ادا کر کے اس نے سب کے لئے خیر و عافیت کی دعا مانگی، ازسر نو اپنی پیکنگ کا جائزہ لیا، شاور لے کر وہ کچن میں اپنے لئے ہلکا پھلکا ناشتہ تیار کرنے کی غرض سے داخل ہوا تھا جب اسے ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔

"جوزفین ہو گی۔" صالح نے رسٹ واچ پہ نظر ڈالتے ہوئے اندازہ لگایا اور اس کا اندازہ واقعی درست نکلا تھا، جوزفین اپنے سوٹ کیس لئے باہر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"ہیلو کیسے ہو؟" وہ خیر مقدمی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے بولی۔

"فائن آ جاؤ۔" وہ اس کا سوٹ کیس تھامتے ہوئے بولا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"لگتا ہے تم بھی میری طرح رات بھر نہیں سوئے۔" وہ دونوں سوٹ کیس دیوار کے ساتھ کھڑے کرتے ہوئے صالح کی آنکھوں میں جھانک کے بولی جو رات بھر جاگنے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"نیند کیسے آ سکتی تھی جوزفین! میں بیس سال بعد اپنے وطن اپنے گھر اپنوں کے پاس جا رہا ہوں، میں اس وقت صالح نہیں وہی پانچ سال کا چھوٹا سا بچہ ہوں جو بیس سال پہلے لندن آیا تھا۔" اس کی آنکھوں کے سامنے بیس سال پہلے کا عرصہ گھوم گیا جب وہ راحیلہ اور سعود کے ہمراہ لندن آیا تھا۔

"کہہ تو رائٹ رہے ہو۔" وہ لاجواب ہو گئی۔

"تم سناؤ پیکنگ اچھی طرح مکمل کر لی نا، کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہو کے پوچھنے لگا۔

"بالکل نہیں، ہر چیز مکمل ہے اور صالح ایک بات کہنا تھی تم سے۔" وہ آخر میں کچھ جھجک کی گئی۔

"ہاں...... ہاں...... کہو۔" صالح نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ...... میں نے تمہاری فیملی کے لئے کچھ گفٹس خریدے ہیں، وہ لوگ مائنڈ تو نہیں کریں گے نا۔" رشتوں ناطوں کو نبھانا اسے ہرگز نہیں آتا تھا، کیونکہ اس نے کبھی ایسے رشتے دیکھے ہی نہیں تھے، بچپن سے اکیلی رہی تھی اور ہمیشہ من مانی کی تھی، لیکن جب اس نے دیکھا کہ صالح نے سب کے لئے گفٹس خریدے ہیں تو وہ بھی اگلی شام کو جا کے سب کے لئے کچھ نہ کچھ خرید لائی تھی۔

"ارے بالکل نہیں، ایسا کچھ مت سوچو، وہ سب تو بہت خوش ہوں گے۔" صالح نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

پہلے جب اس نے جوزفین کو بتایا کہ وہ پاکستان جا رہا ہے تو جوزفین نے بھی فرمائش کر ڈالی تھی۔

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ صالح! میں اپنی آنکھوں سے اس لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہوں جسے حسان احمد جیسے شخص نے چاہا ہے۔" صالح تو اس کی فرمائش پہ متحیر رہ گیا تھا، وہ اسے چاہتے ہوئے بھی منع نہیں کر سکتا تھا اور ویسے بھی اس نے کہا تھا۔

"میں زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہروں گی جلد واپس آ جاؤں گی کیونکہ میرا کزن پیٹر یہاں میرا منتظر ہے۔" پتہ نہیں اس نے کیا جتانا چاہا تھا کہ وہ خاموش ہو گیا۔

جوزفین کا حسان سے جو بھی تعلق تھا اس کے جانے کے بعد بہرحال اس نے صالح کا خیال رکھا تھا، کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ صالح سے دوستی اس نے صرف حسان کی وجہ سے کی ہے۔

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں، تم جب تک چاہو وہاں رہ سکتی ہو۔" لہٰذا آج جوزفین اس کے ساتھ ہی پاکستان جا رہی تھی اس نے صالح کو منع کر دیا تھا کہ وہ حسان کو فی الحال اس کی آمد کے متعلق مت بتائے، وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی ہے۔

"ناشتہ کرو گی؟" وہ کھڑے ہوتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

"تم بیٹھو میں ناشتہ بنا لیتی ہوں۔" جوزفین اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی خود کھڑی ہو گئی تھی۔

چائے کے ساتھ چند کوکیز لے کر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے، فلائیٹ کا ٹائم ہونے والا تھا، جوزفین کا کزن پیٹر ان دونوں کو ائیر پورٹ تک چھوڑنے کے لئے آیا تھا، سارا سفر ان دونوں کو اپنے اپنے خیالوں میں مگن گزرا تھا۔

جہاز نے لاہور علامہ اقبال ائیر پورٹ پہ لینڈ کیا تو ان دونوں کے دل مختلف انداز میں دھڑک اٹھے تھے، سامان وغیرہ کی کلیئرنس کے بعد وہ ائیر پورٹ کے اندرونی احاطے میں داخل ہوئے تو صالح کو دور سے ہی حسان کا چہرہ نظر آ گیا تھا وہ جوزفین کو بھی فراموش کیے دیوانہ وار حسان کی طرف لپکا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

ابن انشاء کی کتابیں
طنز و مزاح سفر نامے
○ اردو کی آخری کتاب،
○ آوارہ گرد کی ڈائری،
○ دنیا گول ہے،
○ ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
○ چلتے ہو تو چین کو چلئے،
○ نگری نگری پھرا مسافر،
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

دوسری قسط کا خلاصہ

ابن زیاد نوریہ کو پسند کرتا ہے، مگر نوریہ کے دھیان کے تمام ارتکاز معاذ حسن کی ذات پر مرکوز ہیں۔

تیمور خان جو زینب کی کالج فرینڈ شلالے کا بھائی ہے اور جاگیر دار گھرانے کا سپوت ہے زینب کی محبت بلکہ عشق کا دعویدار ہے، وہ ہر قیمت پہ زینب کو اپنانا چاہتا ہے اور فوری، مگر زینب اتنی جلدی شادی پہ آمادہ نہیں، تیمور کی بہن کی شادی پے تیمور اسے اس تقریب میں مدعو کرنے کا خواہاں ہے۔

منیب الرحمٰن کا انتقال ہوتا ہے تو پرنیاں جو معاذ کے اپنے لئے خیالات سے آگاہ ہو چکی دانستہ یہ خبر شاہ ہاؤس نہیں دیتی ملازمہ کی اطلاع پہ احسان شاہ بیوی بھائی اور بھاوج سمیت وہاں پہنچتے ہیں تو دونوں خواتین پرنیاں کے حسن کو دیکھ کر معاذ کی قسمت پہ رشک کرنے لگتی ہیں۔

معاذ اسپشلائزیشن کے لئے انگلینڈ جانے کو تیار ہے ایسے میں جہان اسے منیب الرحمٰن کی وفات کا بتا کر پرنیاں کا شاہ ہاؤس میں متوقع آمد کا ذکر کرتا ہے جس پہ معاذ ہتھے سے اکھڑ جاتا اور شدید غصے کے عالم میں احتجاجاً گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے، پرنیاں پپا سے گزارش کرتی ہے ہاسٹل میں مقیم رہنے کی، ادھر جہان معاذ کی منت سماجت کر کے گھر لاتا ہے تو پپا کے سامنے یہ ایک بار وہ پرنیاں کے لئے بے زاری کا اظہار کرتا ہے پپا غصے میں اسے پرنیاں کو چھوڑنے کا کہتے ہیں

اب آپ آگے پڑھیے

تیسری قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پپا کے چہرے کی رنگت ایکدم سے متغیر ہو کر رہ گئی، آنکھیں شدت غم سے لہو رنگ ہو کر دہکنے لگیں وہ لمحوں میں جیسے عمر بھر کا سودا ہار گئے، معاذ سے اس حد تک بے اعتنائی اور بد لحاظی کی بہر حال انہیں توقع نہیں تھی، مگر یہ اذیت بار بار سہنا اور پرنیاں کو اس کے نام کے ساتھ لٹکا کے رکھنا بھی بہر طور انہیں گوارا نہیں تھا جبھی پہلو میں اٹھتے درد سے بے نیاز ہو کر انہوں نے اسی پل اس صراط کو عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''ٹھیک ہے دو تم اسے طلاق، ابھی اور اسی وقت کاغذی کاروائی بعد میں ہوتی رہے گی۔'' وہ بولے تو ان کے لہجے میں اندر کی ٹوٹ پھوٹ کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا ویسا ہی ہمیشہ والا مضبوط، ٹوک اور قطعی انداز مگر مما جان ان کے اس مطالبے پہ بے اختیار ہو کر زور زور سے رونے لگ گئی تھیں۔

''خدا کا واسطہ ہے پپا بھی بیگم انہیں روکیے، منع کریں انہیں، اپنی اپنی انا کے حصار میں مقید ان دونوں مردوں کو اندازہ نہیں ہے یہ ایک بے قصور بے گناہ لڑکی کو کیسی شرمناک ذلت سے دوچار کرنے جا رہے ہیں۔'' ان کی آواز میں اتنا کرب اتنی دلگیری تھی کہ مما جان جو خود اس یک بیک پلٹ جانے والی صورتحال سے گنگ ہو گئی تھیں وہ ایک دوسرے کے مقابل مرنے مارنے والے تاثرات لئے کھڑے پپا اور معاذ حسن کی جانب لپک کر آئی تھیں۔

''اللہ کا واسطہ ہے احسان باز آجاؤ، معاذ آپ جاؤ بیٹے اپنے کمرے میں جاؤ، ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے، ہمیں واقعی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، ہمیں معاف کر دو۔'' باری باری دونوں کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر منت کرتے ہوئے وہ بھی خود پہ ضبط کھو بیٹھی تھیں، معاذ جو کچھ ڈھیلا پڑ گیا ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گیا، کچھ فاصلے پہ پپا بھی ہارے ہوئے انداز میں نڈھال سے ہو کر صوفے پہ بیٹھ گئے تھے، ماحول میں ایک بار پھر جیسے سناٹا چھا گیا تھا، بس مما کی سسکیاں اور مما جان کی تھکی تھکی سی آواز وقفے وقفے سے گونجتی تھی، معاذ کچھ دیر یونہی سر جھکائے کھڑا رہا پھر ایک جھٹکے سے مڑا ابھی چوکھٹ سے قدم باہر رکھے تھے جب مما کچھ گھبراہٹ میں اس کے پیچھے دوڑی آئی تھیں۔

''کہاں جا رہے ہو معاذ!''

''میں یہاں نہیں رہ سکتا مما! مسئلہ آپ کی چہیتی کی رہائش کا ہے نا اسے آپ یہاں رکھیں وہ انہیں کسی روٹھے ناراض بچے کی طرح سے لگا تھا، وہ اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔

''وہ جتنی بھی چہیتی ہو مجھے اپنے بیٹے سے بڑھ کر نہیں ہے۔'' انہوں نے اس کا لاڈ جس کا اثر اس پہ نظر نہیں آیا، مصروف سے انداز میں دراز کھول کر اپنے ڈاکومنٹس کی فائل نکالتا تھا۔

''ایسے کیوں ہو رہے ہو معاذ!'' وہ روہانسی ہونے لگیں۔

''آپ سب لوگ سمجھتے ہیں میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، ایسا نہیں ہے مما میرے ساتھ کی گئی ہے، میرے سارے حقوق سلب کر لئے گئے زبردستی بلیک میلنگ کے ذریعے مقصد حاصل کیا گیا، مما اگر آپ سمجھیں تو شادی محض جذبات کو تسکین کا نام نہیں ہے، میں اپنے لیول کے مطابق شریک حیات کا متمنی تھا، اگر محض پہلی بات میرے نزدیک اہم ہوتی تو میں کی کسی بھی لڑکی سے شادی رچا کے بیٹھ جاتا، مجھے افسوس ہے آپ لوگوں نے مجھے سمجھا نہیں

تو بالکل بھی نہیں۔'' وہ گہرے دکھ سے دوچار ہو کر بولتا چلا گیا، اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے سلگنے لگیں، توہین کا احساس روح میں کچوکے لگانے لگا۔

''بیٹے آپ محض غلط فہمی کا شکار ہو، پرنیاں ہر لحاظ سے تمہارے قابل ہے، اجلی میدے جیسی بے داغ رنگت، بے حد گلابی ہونٹ، بادامی آنکھیں جن کی رنگت سنہرے پکھراج جیسی ہے، میری جان یقین کرو میرا تو دل صحیح معنوں میں اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔'' وہ جتنے جوش سے بتا رہی تھیں اسی قدر بے دلی سے چپ ہوئیں وہ واش روم میں گھسا ہوا تھا اور اپنا شیونگ کا سامان سمیٹ رہا تھا، وہ وثوق سے نہیں کہہ سکتی تھیں اس نے ان کی بات سنی بھی تھی یا نہیں اس کے چہرے پہ کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

''تو آپ نہیں رکو گے؟'' انہوں نے اس کی تیاری کے مرحلے کو دیکھ کر بے چینی و اضطراب میں مبتلا ہو کر سوال کیا تھا، معاذ جو وارڈ روب کھولے کھڑا تھا ہاتھ روک کر کچھ بے بس سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا ان کے چہرے پہ جو بے بسی تھی وہ اس کا دل جکڑنے لگی۔

''مجھے کچھ دنوں بعد ویسے بھی اس گھر کو چھوڑنا تو تھا مما! ابھی سہی۔''

''چند دنوں بعد کیوں؟'' وہ ہول سی گئیں۔

''اسپیشلائزیشن کے لئے میں انگلینڈ جانے والا تھا وہاں کی یونیورسٹی میں مجھے ایڈمیشن مل گیا ہے، ایک ماہ بعد مجھے جوائن کرنا ہے۔''

یہ اتنی بڑی کامیابی کی خبر ایسے حالات میں ملی تھی کہ وہ کوئی تاثر دیئے بغیر بس ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔

''آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ افسردگی سے ہنسا۔

''خدا مبارک کرے مزید کامیابیوں سے نوازے، مگر بیٹے خفا ہو کر مت جاؤ۔''

''میں آپ سے خفا نہیں ہوں مما!''

''اپنے پپا سے بھی مت ہو، بلیومی بیٹا آپ کو کبھی احساس ہو گا انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی برا نہیں کیا۔''

''یہ آپ کا خیال ہے نا۔'' وہ منہ پھلا کر بولا تو مما نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

''ایک ماہ بعد جب جانا ہی ہے تو پھر تب ہی جانا، یہ وقت ہمارے ساتھ گزار لو بیٹے، پلیز فار گاڈ سیک۔'' وہ باقاعدہ منت پہ اتر آئیں وہ بے بس سا ہو گیا۔

''پپا کو اعتراض ہو سکتا ہے مما! پھر آپ کی بہو اتنا عرصہ کہاں رہے گی، یہ طے ہے اس کی موجودگی میں، میں یہاں پر نہیں رہوں گا۔'' انہوں نے دیکھا اس کے اکھڑے اکھڑے سے چہرے پہ بھی ایک غیر محسوس قسم کی سرخی تھی، وہ غیرت مند باپ کا بیٹا تھا ناپسندیدگی بے زاری اور اکتاہٹ اپنی جگہ، جو لڑکی اب اس کے نام سے منسوب تھی خاندان کی عزت تھی وہ در بدر ہو یہ اسے گوارا نہیں تھا، اس کی کیفیت سمجھیں اور جیسے ایکدم سے مسکرا دیں۔

''جب اتنا خیال ہے اس کا تو پھر تھوڑا سا کیئر و مائز بھی کر لو نا میری جان رہ لو اس گھر میں اس کے ساتھ۔'' مسکراہٹ دباتے وہ کس قدر شرارت سے بولیں تو معاذ نے جھنجھلا کر بے حد ناراض سے انہیں دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ پھر مجھے غصہ دلانے والی بات کر رہی ہیں۔" اس کا موڈ واقعی ہی بدلنے لگا تھا مما کو ہی سنبھلنا پڑا۔

"او کے بیٹا! مگر اس کی تم فکر نہ کرو، وہ ہاسٹل چلی گئی ہے، یہاں نہیں رہے گی۔"

"واٹ ہاسٹل کیوں؟ جب گھر ہے تو.....؟"

"ہم نے کہا تھا مگر مانی نہیں ایکچوئلی وہ پہلے بھی ہاسٹل میں رہتی تھی نا تعلیم کے سلسلے میں۔"

"بڑی اکڑ ہے محترمہ میں۔" وہ نخوت سے ناک چڑھا کر بولا البتہ تعلیم کی تفصیلات میں پڑنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی، مما کو پھر مایوسی ہوئی۔

"اس اکڑ میں نسوانیت کا وقار ہے جبھی بری نہیں لگ رہی، وہ ان چاہی بن کر یہاں نہیں آنا چاہتی ستم یہ ہوا کہ اس پہ ساری بات عیاں ہوگئی ہے۔" وہ کس قدر دکھی نظر آنے لگیں، معاذ نے کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھا پھر نخوت سے بولا تھا۔

"بہت اچھا ہوا پتہ چل گیا سمجھ دار ہوں گی تو خود فیصلہ کر لیں گی، مجھ پر بھی پپا کا عتاب نازل نہیں ہوگا۔" بیٹے کی اس درجہ بے حسی کے مظاہرے نے مما کا دل دکھ سے لبریز کر دیا۔

"ہم بھی بیٹیوں والے ہیں بیٹا ایسی بری باتیں منہ سے نکالنے سے خدا ناراض بھی ہو سکتا ہے، ہم اپنی بیٹیوں کو یوں زبردستی کسی کے پلے نہیں باندھتے پھرتے جیسے ان لوگوں نے باندھا، ذرا تصور کریں ان بزرگ صاحب نے پپا کو کتنا فورس کیا ہوگا کہ پپا میرے ساتھ اس حد تک مس بی ہیو کر گئے۔" اس کا غیض پھر آسمان کو چھونے لگا۔

"وقت اور حالات روادار مہذب اور باوقار لوگوں کو بھی مجبور اور بے بس کر دیا کرتے ہیں بیٹے! یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں تھی۔"

"حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا کوئی بہادری اور دانشمندی نہیں ہے، ان حالات کو سدھارنا اور مقابلہ کرنا ہی مردانگی کی شان ہے۔"

اس کی اپنی سوچ اپنے نظریات تھے جن سے وہ انچ بھر بھی سرکنے کو تیار نہیں تھا، مما کو اس کے نخوت سے خوف آیا۔

"خدا کا خوف کھاؤ معاذ حسن! خدا فرماتا ہے یہ گردش کے دن ہیں اور آزمائشیں ہر انسان پہ آیا کرتی ہیں آج ان پہ تھی کل ہم بھی اس سے دوچار ہو سکتے ہیں۔" اب کی مرتبہ وہ مصلحتاً خاموش رہا یہ جانے بنا کہ آنے والے وقتوں میں تقدیر اس کے لئے کیسی پسپائی منتخب کر چکی ہے، خدا ترس پہ اکڑ کر چلنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور معاذ ہی غلطی کر رہا تھا۔

☆☆☆

چلتے ہونٹوں پہ تبسم جو مچلتا ہے کبھی
زخم دھل جاتے ہیں ساون جو برستا ہے کبھی
میں نے سوچوں میں تراشے ہیں خدوخال تیرے
میرے بارے میں بتا تو نے بھی سوچا ہے کبھی
چڑھتے سورج سے کبھی تو نے ملائی ہے نظر
تو نے کرنوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے کبھی

لوگ پتھر میں کھلاتے ہیں امیدوں کے گلاب
یہ بھی ممکن ہے بتا ایسا بھی ہوتا ہے کبھی
میں سمجھتا تھا کہ وہ لوٹ کے آ جائے گا
بھلا آنکھ سے بچھڑا ہوا اشک بھی لوٹا ہے کبھی

بہت دنوں بعد طبیعت کچھ ذرا سنبھلی تو ہاتھ لے کر ٹیرس پہ آ گئی، نگاہ کی بے اختیاری پہ بس نہیں رہا اور شاہ ہاؤس کے وسیع لان پہ نگاہ بھٹک گئی، سنہری دھوپ میں سبز مخملیں گھاس کا فرش چمک رہا تھا، کین کی کرسیاں ترتیب سے بچھی تھیں اور صرف ایک پہ ماریہ موجود تھی اور شاید رخ پھیرے بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی، اس کی نگاہ وہاں سے پھسل کر پورچ کی جانب اٹھی، وہاں جو گاڑی کھڑی تھی وہ معاذ کی نہیں تھی، اس کے دل سے ہوک سی اٹھی، کچھ جذبے کیسی ناقدری اور بے حسی کی بھینٹ چڑھ جایا کرتے ہیں، ایسے جذبے کسی پھوڑے کی مانند محسوس ہوتے ہیں، ساری عمر سسکتے ہیں نہ ان سے نجات ملتی ہے نہ درد سے چھٹکارا یہ ساری عمر اپنا احساس بخشش کر پتہ نہیں کیا جتانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، شاہ ہاؤس میں بھی اس کی بیماری کی خبر پہنچی تھی، سب سے پہلے ابن زیاد بھاگا آیا تھا۔

"کیا ہو گیا تمہیں لڑکی! کل تک تو اچھی بھلی تھیں۔" وہ اس کی نبض چیک کر رہا تھا۔

"اب بھی اچھی بھلی ہوں۔" اس کا دل جانے کیوں روٹھا تھا۔

"خاک چہرا دیکھا ہے ایک دن میں برسوں کی مریضہ نظر آنے لگی ہو، ہم ناشتہ کر رہے تھے جب زینی نے تمہاری بیماری کا بتایا، مما نے معاذ بھائی سے کہا ابھی نوری کو دیکھ کر آؤ میں نے کہا میں بھی تو ڈاکٹر ہی ہوں میں دیکھ کر آتا ہوں۔" وہ اپنا کارنامہ بتا رہا تھا اور نوریہ کا دل پھر سے سسکنے لگا تھا، معاذ حسن کا وجود درد سے بھرنے لگا۔

"کیا ہو گیا ایکدم سے تمہیں؟" زیاد کی حیرانی بجا تھی، وہ کیا بتاتی وہ کیسی عجلت میں اجڑی ہے کہ خود کو بچانے سنبھالنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

"آپ تو ڈاکٹر ہیں زیاد بھائی آپ کو بھی اگر بتانا پڑے گا تو پھر اتنی ساری ڈگریاں جمع کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟" حوریہ نے الٹا اس پہ گرفت کر لی، مگر ابن زیاد کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا تھا۔

"کوئی گہرا ذہنی صدمہ، شدید ٹینشن ہے وجہ تو نوریہ ہی بتا سکتی ہے، میری ڈگری بیچاری کی پہنچ یہیں تک جاتی ہے۔" وہ نوریہ کی پیلی ہوتی رنگت کو دیکھ رہا تھا۔

"ذہنی صدمہ؟" پھپھو اور حوریہ بھی ٹھٹک گئیں۔

"کیا بات ہے بیٹے؟" ان کی تشویش فطری تھی۔

"کن کی باتوں میں آ گئی ہیں مما جان! ان کی ڈگری کی معلومات فضول ہیں، موسمی بخار ہے بس۔" نوریہ کو بات سنبھالنا مشکل ہوا مگر کوشش تو کرنا تھی، اب تو بات کھلنے کا بھی فائدہ نہ ہوتا۔

"ہاں ٹھیک ہے زیاد بھائی کی تو ابھی تعلیم بھی ادھوری ہے، رات کو معاذ بھائی کو چیک کرائیں گے پھر بیماری پتہ چلے گی۔" حوریہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی مگر دوسری بات نے نوریہ کے پھر اوسان خطا کر دیئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کدھر کے نجومی ہو گئے کہ سب کچھ معلوم کر لیں، میں ٹھیک ہوں کوئی ضرورت نہیں چیک اپ کی۔" زیاد مسکرا دیا تھا۔

"گڈ ان سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں وہ بھی میری موجودگی میں۔"

(تمہاری موجودگی میں ہی یہ حادثہ ہو گیا، جس کا ازالہ شاید ممکن بھی نہیں) نوریہ سر جھکائے ملول تھی۔

"او کے چلتا ہوں رات کو پھر چکر لگاؤں گا، ویسے یہ زینی کیا تم سے خفا ہے؟" وہ اٹھتے ہوئے جیسے کسی خیال کے زیر تحت بولا تو نوریہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں تو کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں پہلے تم وہاں اور وہ یہاں پائی جاتی تھی ایک دو دنوں سے ایسی کوئی سرگرمی نہیں ہے نا۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، زینی بھی شاید کچھ بزی ہو۔" نوریہ نے بات بنادی شاید وہ مطمئن بھی ہو گیا تھا، پھر شاہ ہاؤس سے بھی اس کی خبر گیری کو آتے رہے تھے سوائے معاذ حسن اور زینب کے، معاذ تو اپنے چکروں میں الجھا ہوا تھا، البتہ زینی یقیناً خفا تھی وہ اس کی ناراضگی کا سوچتی واپس کمرے میں آئی اور سیل فون اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کیا جو آف جا رہا تھا اس نے لینڈ لائن ٹرائی کیا کتنی دیر بیل بجتی رہی تھی پھر کال پک کر لی گئی، دوسری جانب معاذ حسن تھا بھاری بیس والی دلکش مردانہ آواز اس کی سماعت میں اتری تو وہ جو اس سے خائف تھی کچھ اس طور بوکھلائی کہ اگلے لمحے لائن ڈراپ کر دی، اس درجہ گھبراہٹ اور غیر اخلاقی حرکت نے اسے خفت سے دوچار کر دیا، جسے باقاعدہ سر جھٹک کر ذہن سے ہٹاتی رہی اس کے بعد بھی وہ شام تک زینب کا نمبر ملاتی رہی مگر وہ اس کی کال نہیں لے رہی تھی، مجبور ہو کر نوریہ کو خود آنا پڑا تھا، مگر پہلے ہی مرحلے پہ اس کا سامنا معاذ حسن سے ہو گیا۔

"ارے تم آج کیسے راستہ بھول پڑیں؟" وہ نک سک سے درست کہیں جانے کو نکلا تھا یہ سامنا گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ہوا تھا، بلیک جینز شرٹ میں ملبوس اپنی غضب کی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ وہ بائیک پہ سوار ایک پیر زمین پہ ٹکائے آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھا رہا تھا۔

"وہ..... زینی سے ملنی آئی تھی نا (یہ میرے آنے جانے کا کب سے حساب رکھنے لگے بھلا)۔" وہ بے حد حیران تھی۔

"طبیعت کیسی ہے، سوری میں تمہیں دیکھنے نہیں آ سکا کچھ بزی تھا۔" وہ جیسے رواداری نبھا رہا تھا نوریہ کا دل بہت زور سے پھر بھی دھڑکا۔

"اٹس او کے، ویسے مجھے تو شکوہ کرنے کا حق بھی نہیں، آپ تو اپنی زندگی میں اہم مقام پانے والوں کو بھی اگنور ہی کرتے ہیں۔" جانے کیسے اس کی زبان پھسل گئی تھی ورنہ وہ اتنی جرأت مند ہرگز نہیں تھی، معاذ نے بہت چونک کر اور کس قدر حیرانی سے اسے دیکھا جواب خائف سی کھڑی تھی۔

"آئی ایم ساری مم..... میں....." اس کی نگاہوں کی تپش سے وہ بوکھلا گئی مگر اس کا موڈ بحال نہیں کر سکی۔

"جس کی ہمدردی کے سب کو بخار چڑھ رہے ہیں نا وہ ایک تھرڈ پرسن ہے، آپ لوگوں کا تعلق واسطہ مجھ سے ہے تو لازمی نہیں آپ لوگ میرے احساسات کو سمجھیں بھی اور مجھے اس کی قطعی ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ زور سے پھنکارا تھا اور نوریہ کی سراسیمگی کا گراف بڑھا دیا اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی وضاحت پیش کرتی وہ بائیک کو کک لگائے زن سے نکلتا چلا گیا، نوریہ ملول سی وہیں کھڑی اڑتی دھول کو نم آنکھوں سے دیکھتی رہی، یہ حقیقت ہے کہ انسان جب خود نا آسودہ ہوتا ہے تو شعوری یا لاشعوری طور پہ وہ اپنے سے وابستہ لوگوں کو بھی زک پہنچانے کی سعی کرتا ہے، وہ بھی غلطی کر بیٹھی تھی، وہ اتنی بے دل ہوئی تھی کہ وہیں سے پلٹ جاتی اگر جو زینب آ کر اسے نہ تھام لیتی۔

"واؤ امیزنگ! تم پہلے سے سمجھ دار اور عقل مند نہیں ہو گئیں؟ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے تمہیں بھائی کے پاس کھڑے ان سے بات کرتے دیکھا۔" نوریہ نے نم ناک نظروں سے دلگیری کے انداز میں اسے دیکھا مگر وہ اسی جوش بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"کیا کہہ رہے تھے وہ تم سے؟"

"تم اتنی خفا تھیں مجھ سے ملنے تک نہ آ سکیں؟"

"او..... وف یہ کہا، یار عین ممکن ہے اب ان کے دل میں تمہارے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہو۔" وہ بے ساختہ خوشی محسوس کر کے ہنسی تو نوریہ نے تاسف سے اسے گھورا تھا۔

"احمق ہو تم بھی، میں تم سے پوچھ رہی ہوں یہ؟" وہ سخت جھلائی تو زینب نے منہ لٹکا لیا۔

"مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو، میری بات کا جواب دو نا۔"

"کچھ نہیں بلکہ مجھے لگ رہا ہے میں نے انہیں خفا کر دیا۔" نوریہ کو پھر سے اضطراب نے آن لیا۔

"کیا کہا تم نے ان سے؟" زینب کے سوال پہ نوریہ نے ساری بات بتائی تو زینب نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

"بالکل صحیح کہتے ہیں وہ، تمہیں ضرورت کیا ہے ایسی فضول باتوں کی۔" وہ ناگواری سے بولی تو نوریہ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

"بہرحال وہ صحیح تو نہیں کر رہے جو کر رہے ہیں۔"

"تمہیں ہمدردی کا شوق کیوں چرا رہا ہے آخر؟ تم جیسی عاقبت نا اندیش لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو خود اپنی راہوں میں کانٹے بچھا لیا کرتی ہیں اور پھر ساری عمر سر پکڑ کے رویا کرتی ہیں۔"

"مجھے تقدیر پہ یقین ہے زینی! مجھے شکوہ نہیں ہے، وہ اگر میرا نصیب ہوتے تو مجھ سے انہیں کوئی چھین نہیں سکتا تھا۔" وہ صبر کی جانے کس منزل پہ کھڑی تھی زینب نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر بیمار کیوں پڑی رہی ہو، کیوں نہ تقدیر کے فیصلے کو قبول کر لیا، کیوں روتی ہو؟" وہ پھٹ پڑی نوریہ مکمل سی مسکرائی۔

"انسان ہوں نا کم ہمتی میری فطرت میں شامل ہے جذبات رکھتی ہوں تو حادثات کا اثر تو لوں گی، مگر وقت کے ساتھ سنبھل بھی جاؤں گی۔"

"تمہاری منطقیں میری سمجھ سے باہر ہیں، کمپرومائز اور ایڈجسٹمنٹ ان لوگوں کی زندگی کا حصہ بنا کرتے ہیں جو کم ہمت اور بے حوصلہ ہوتے ہیں اور کسی حد تک بزدل بھی اور تم نے ثابت کیا کہ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کم ہمت بے حوصلہ ہی نہیں بزدل بھی ہو، معاذ بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے، سر اٹھا کے جینے والے لوگ کبھی حالات کے آگے ہتھیار نہیں ڈالا کرتے۔'' زینب کی جذباتی تقریر شروع ہو چکی تھی، وہ سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

جواب اس کے پاس ابھی بھی بہت تھے مگر بحث کی ہمت ناپید تھی جبھی خاموشی اختیار کر لی جسے زینب نے اس کی ہار سمجھا اور نخوت سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دی، اسے ہمیشہ دوسروں کو اپنے آگے جھکا کر ہرا کر بہت تسکین ملا کرتی تھی۔

☆☆☆

فراق یار کی بارش ملال کا موسم
ہمارے شہر میں اترا کمال کا موسم
وہ اک دعا جو میری نامراد لوٹ آئی
زباں سے روٹھ گیا پھر سوال کا موسم!
بہت دنوں سے میرے ذہن کے دریچوں میں
ٹھہر گیا ہے تیرے خیال کا موسم
جو بے یقین ہوں بہاریں اجڑ بھی سکتی ہیں
تو آ کے دیکھ لے میرے زوال کا موسم
محبتیں بھی تیری دھوپ چھاؤں جیسی ہیں
کبھی یہ ہجر کبھی یہ وصال کا موسم

رات بارہ کے بعد کا عمل تھا، اس وقت سردی کی شدت بھی گویا عروج پہ تھی فضا میں تیرتا دھندلا غبار موسم کی شدت کا پتہ دیتا تھا، وہ ٹیرس پہ تھا اور ہونٹوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ تھا، عجب بے صبری کا عالم تھا کہ سگریٹ سلگ سلگ کر ختم ہونے کو ہو گیا پیش اس کے ہونٹوں کو سیلگانے لگی مگر وہ گم صم کھڑا تھا، ایک منظر تھا جو نگاہ کے تمام پردوں پہ آ کر گویا ٹھہر گیا تھا، کتنی پیش تھی کتنی حدت اس ایک منظر میں کہ اس کی روح تک جل اٹھی تھی وہ خاک ہو رہا تھا یا راکھ ہو رہا تھا، فارن کمپنی سے آئے ڈیلیگیشن کے ساتھ اس کی میٹنگ فائیو اسٹار ہوٹل میں طے تھی لنچ اسے انہی کے ساتھ کرنا تھا، اپنے دھیان میں وہ ہوٹل کی انٹرنس سے داخل ہوا تھا اور سیل فون پہ کوئی میسج وصول کرتے اس کی نگاہ سرسری انداز میں سامنے اٹھی تھی اور اسے لگا تھا زمین آسمان اس کی نگاہ میں گھوم گئے ہوں، وہ یونیفارم پر بڑی سی شال میں اچھی طرح لپٹی ہوئی اپنے سامنے بیٹھے دراز قامت بے حد وجیہہ آدمی کی کسی بات پہ دھیمے سے مسکرائی ہوئی۔

یہ مسکراہٹ بیٹھنے کا پرسکون انداز اور گفتگو کی روانی صاف چغلی کھاتی تھی یہ شناسائی کتنی پرانی ہو سکتی ہے، زینب کے انداز و اطوار اسے اس سے پہلے بھی متعدد بار ٹھٹکا چکے تھے، مگر معاملہ اس حد تک آگے تک ہو گا یہ جہان کے گمان سے باہر کی بات تھی، وہ دونوں اتنے مگن تھے کہ جہان کا وہاں آنا ان کا دیکھ لیا جانا کچھ بھی محسوس نہیں کر پائی اور جہان کھولتے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا، حالانکہ کتنا غیض اترا تھا اس کے اندر چند قدموں کا وہ فاصلہ مٹا کر اسے گھسیٹتے ہوئے ساتھ لے جانے کی خواہش اس کا منہ پھاڑوں سے سرخ کر دینے کی مچلتی ہوئی

تمنا، مگر اس نے اپنے اعصاب کو کنٹرول میں رکھا تھا وہ کسی فلمی ہیرو کی طرح سے ایکٹ کرنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں تھا کہ وہ زینب کو عزت دار گھرانے سے یوں سرعام کھیلنے کی اجازت بھی دے دیتا، شام کو وہ خلاف معمول بہت لیٹ آیا تھا اور آنے کے بعد اپنے کمرے میں گھس گیا تھا، چائے نہ کھانا وہ باہر ہی نہیں نکلا تو سب کو تشویش ہونے لگی، جہان کو خود کو سنبھالنا پڑا مگر خود کو نارمل کرنا بھی آسان نہیں تھا، خاص طور پہ معاذ کھٹکا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں جے؟'' وہ اس کی سرخ آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''کچھ نہیں سر میں درد ہے۔'' جہان کو بہانہ بنانا پڑا۔

''ڈاکٹر سے جھوٹ بول رہے ہو۔'' معاذ کی گھوریوں نے اسے نروس کر دیا تھا۔

''میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔'' وہ نظریں چرا گیا، معاذ نے چپ سادھ لی مگر اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا جب وہ اپنے کمرے میں آیا وہ بھی چلا آیا تھا۔

''کیوں اپ سیٹ ہو؟''

''تم جان کو کیوں آ گئے ہو یار میں اپ سیٹ نہیں ہوں۔'' وہ جھنجھلا سا گیا۔

''جے مجھ سے بھی چھپاؤ گے۔'' معاذ خفا ہونے لگا۔

''ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں جو بتاؤں۔''

''میں مان ہی نہیں سکتا۔'' معاذ کا اعتماد قابل دید تھا، جہان نے چپ سادھے رکھی۔

''محبت کرتے تھے تم کسی سے یہ پکی بات ہے، شاید یہ دن سائٹ لو تھا آج اسی وجہ سے کوئی اور بات ہوئی ہے نا.....؟''

ایسا اعتماد ایسا یقین اور ایسی قیاس آرائی، جہان تو دنگ رہ گیا جبکہ معاذ اس کے تاثرات سے اپنی کامیابی پا کر کھل اٹھا تھا۔

''دیکھا میں جانتا تھا، اب بتاؤ کون ہے وہ.....؟'' وہ فٹافٹ اگلا مرحلہ طے کر لینا چاہتا تھا، جہان اسی قدر خائف ہو گیا۔

''معاذ پلیز لیو می الون۔'' وہ اتنا ملتجی ہو کر بولا کہ معاذ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے جے!''

''جب کہنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو پھر لاحاصل ہے، بٹا ہوا غم نہ بٹے ہوئے غم سے زیادہ بوجھل کر دیا کرتا ہے میں خود کو سنبھال لوں گا۔'' اس کی آنکھوں کی حدتیں بڑھ رہی تھیں۔

''ایسا کیوں سوچتے ہو پگلے ہم ایک دوسرے کی ذات کا حصہ ہیں، روشن خیال بنو مجھے دیکھو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ بات جان کر میں تم سے الجھ جاتا غیرت کا مسئلہ بنا لیتا کہ ابھی کل ہی تو مما سے مجھے پتہ چلا ہے کہ پپا مستقبل میں زینب اور تمہارا انگوج کرنا چاہتے ہیں یہ بات مجھے بھی بہت بعد آئی تھی جے، زینی کے لئے تم سے بہتر کوئی چوائس نہیں ہو سکتی مگر تمہیں من پسند شریک زندگی چننے کا حق سب کو ملنا چاہیے۔'' معاذ اپنے دھیان میں کہہ رہا تھا، زینب کے نام کے ساتھ جو اذیت جو کرب جہان کے چہرے پہ اترا معاذ اسے محسوس کرنے سے قاصر رہا تھا، جہان نے کسی کرب سے گزرتے ہوئے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

''تم ٹھیک کہتے ہو معاذ مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہر کسی کو ملنا چاہیے، میں بھی اس امر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سوچوں گا اور خود کو اتنا وسیع القلب کرنے کی کوشش کروں گا۔'' اس کی آواز جتنی مدھم تھی اس سے کہیں بڑھ کر بوجھل معاذ نے متحیر ہو کے اسے دیکھا۔

''واٹ یو مین یہ تم کسے اجازت دینے کی بات کر رہے ہو؟''

''ہے کوئی؟'' وہ خود اذیتی میں مبتلا ہو کر بولا تھا، معاذ نے اسے گھورا تھا۔

''میں تمہاری بات کر رہا تھا۔''

''مگر میں اپنی بات نہیں کر رہا تھا۔'' وہ تلخی سے جواب دے رہا تھا معاذ جھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو، سیدھی طرح سے بات کیوں نہیں کرتے۔''

''معاذ ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو پلیز آئی پرامس وِد یو تمہیں کبھی نہ کبھی لازمی بتاؤں گا۔'' وہ اتنی عاجزی سے بولا تھا کہ معاذ کو ہار ماننا پڑی تھی۔

''اوکے فائن! میں ماریہ کے ہاتھ تمہیں کچھ ٹیبلٹس بھجواتا ہوں کھا کر آرام کرنا صبح تازہ دم اٹھو گے۔'' وہ اس کا کاندھا تھپکتا چلا گیا، معاذ کی ہدایت پہ عمل کرنے کے باوجود وہ نیند کو ترستا رہا تھا اور اب آدھے گھنٹے سے مسلسل ٹیرس پہ کھڑا موسم کی سختی سہہ رہا تھا، معاً وہ چونک گیا، زینب کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جل رہی تھی۔

''وہ جاگ رہی ہے کیوں؟'' وہ اضطراب کا شکار ہوا تھا کہ وہ تو ایگزیم کے دنوں میں بھی راتوں کو جاگ کر پڑھنے کی عادی نہیں تھی، اسے اپنی صحت خاص طور پہ اپنی آنکھوں کا بہت خیال رہتا تھا، شاید جبھی وہ اتنی حسین تھی ایک تو قدرتی طور پہ بے بہا ملنے والی خوبصورتی اس پہ اس کی بے انتہا کیئر اور ناز برداری شاہ ہاؤس میں اس کے مقابلہ کی کوئی اور لڑکی نہیں تھی، وہ کچھ دیر وہیں کھڑا لب بھینچے کچھ سوچتا رہا پھر جانے کیا دل میں سمائی کہ سلیپنگ سوٹ پہ گاؤن پہنتا ہوا راہداری عبور کر کے اس کے کمرے تک آ گیا، دستک دینے سے قبل وہ اندر سے ابھرتی اس کی مدھر ہنسی کی آواز سن کر اپنے اعصاب چٹختے ہوئے محسوس کرنے لگا تھا، دوسری احتیاط سے دی گئی دستک پہ دروازہ کھل گیا وہ ڈھیلے ڈھالے نائٹ ڈریس میں کھلے ریشمی سلکی بالوں کے ساتھ بنا دوپٹے کے چوکھٹ میں حیران پریشان اس کے سامنے کھڑی تھی، جہان نے شاید پہلی مرتبہ اسے یوں اپنے مقابل پایا تھا، اس کے وجود اور حسن کی چکاچوند کے آگے اسے اپنی نگاہیں خیرہ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں، یوں جیسے جھلمل جھلمل کرتی ڈھیر ساری روشنیوں پہ نگاہ ٹھہر گئی ہو۔

''مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے۔'' پہلے اس نے نگاہوں کو جھکایا تھا پھر نخوت سے بولا، اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پہ ناگواری تھی۔

''اس وقت؟ خیر آیئے۔'' وہ دروازے سے ہٹ گئی جہان چند لمحوں کی الجھن تذبذب اور کشمکش کے بعد اندر داخل ہو گیا تھا، زینب کچھ حیران ضرور تھی مگر ظاہر نہیں کیا، وہ اس کی نگاہ کا اس پہ اٹھنا ٹھٹھک جانا محسوس کر چکی تھی، وہ خود آگاہ تھی اور آج پہلی مرتبہ اس نے جے کو اپنے آگے بے بس پایا تھا، وہ جیسے اندر سے شانت تھی۔

''ایسی کون سی بات تھی جسے کرنے کو آپ کو اس وقت کا انتظار کرنا پڑا؟'' وہ اس کے سامنے بیڈ کے کنارے آ ٹکی، جہان نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا مگر اسے ہنوز دوپٹے سے بے نیاز

کر اگلے لمحے پھر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

''جو باتیں پردے کی ہوں انہیں ایسے ہی وقتوں میں کرنا مناسب ہوا کرتا ہے شاید تا کہ ان کے اثر سے دیگر لوگ محفوظ رہ سکیں۔'' طنز اس کی عادت تھی نہ فطرت مگر آج معاملہ دوسرا تھا، وہ سرتا پا سلگ بھڑک رہا تھا، زینب اس کی بات کی گہرائی کو سمجھے بنا ناز سے مسکرائی۔

''اچھا ایسی کیا بات ہے؟''

''تم پہلے اپنا دوپٹہ لو پھر بات کرتے ہیں۔'' جہان سے رہا نہیں گیا نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ بے حد کڑا ہو گیا تھا، زینب پہ جیسے گھڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا، اس کی گلابی رنگت خفت سے انگارہ ہونے لگی۔

''سوری مجھے خیال نہیں رہا۔'' وہ سرعت سے اٹھ کر وارڈ روب کے آگے جا کھڑی ہوئی۔

''کچھ باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ کسی بھی بگاڑ کا باعث بن سکتی ہیں۔'' وہ طنز نہیں کر رہا تھا انداز ناصحانہ اور ہارا ہوا سا تھا، مگر زینب کو آگ لگ گئی تھی، جہان کی بات کو اس نے سراسر مائنڈ کیا تھا، اس کے خیال میں وہ اس کی انسلٹ کر چکا تھا۔

''کیا یہ فرمان یا حد صرف خواتین پہ لاگو ہوتی ہے، مرد حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں؟'' وہ کاٹ دار انداز میں بولی تو جہان نے چونک کر اسے دیکھا اس کے ہاتھ جو دوپٹہ لگا تھا وہ گلابی رنگ کا تھا گہرے گلابی رنگ کا جسے اس نے عجلت میں اوڑھا تھا اس کے ریشمی بال کاندھوں پہ ڈھلک آئے تھے کچھ ریشمی لٹیں گردن اور چہرے پہ بھی جھول رہی تھیں جہان نے جانا دوپٹہ اوڑھ کر بھی اس کی سحر انگیزی طلسماتی کشش میں کچھ خاص فرق نہیں آیا، وہ ہنوز حواسوں پہ چھا رہی تھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' وہ سنبھل کر اور نظر چرا کر بولا۔

''اگر ایسا ہے تو پھر آپ کو رات کے اس پہر میرے کمرے میں آنے سے بھی اجتناب برتنا چاہیے تھا۔'' اس نے جیسے اپنا بدلا چکایا اور پرسکون ہو گئی، مقصد جہان کو شرمندہ کرنا تھا اور وہ کامیاب رہی تھی، وہ کتنی دیر اس خجالت سے باہر نہیں آ سکا۔

''آپ کچھ کہنا چاہتے تھے۔'' زینب کو ہی اسے احساس دلانا پڑا جہان نے دیکھا وہ تیکھے چتونوں سے اس کی سمت ہی متوجہ تھی۔

''تم اس وقت کیوں جاگ رہی تھیں؟''

''کیا اس پہ بھی کوئی پابندی ہے؟'' وہ جی بھر کے تلخ ہوئی اور جہان اسی قدر ہرٹ۔

''آج میں نے تمہیں ہوٹل میں دیکھا تھا، کس کے ساتھ تھیں تم؟'' سوال اس قدر غیر متوقع تھا کہ زینب کو سانپ سونگھ گیا، یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا اگر وہ پکڑی گئی کبھی تو کیا کرے گی، وہ بہت محتاط رہتی تھی مگر آج تیمور خان کی ضد کے سامنے اسے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے، وہ وادی سے اسپیشلی اس سے ملنے کی خاطر یہاں آیا تھا اسے اپنا اصول توڑنا پڑا تھا۔

''کچھ پوچھا ہے تم سے میں نے؟'' جہان نے کسی قدر تیکھی سے استفسار کیا تو زینب نے خائف ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''مم...... میں...... نہیں تو جے آپ کو غلط فہمی......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی جہان نے بہت سختی سے اس کا بازو دبوچ کر اپنے مقابل کیا اور اپنی سرد نگاہیں اس کی خوفزدہ آنکھوں میں گاڑھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیں۔

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، تمہارے معاملے میں مجھے غلط فہمی کبھی نہیں ہوسکتی سمجھیں، میں صرف سچ سننا چاہوں گا، یاد رکھنا زینب اس گھرانے کی عزت یوں نیلام کرنے کی اجازت تمہیں ہرگز نہیں دی جاسکتی ہے۔" اس کی نگاہوں میں چنگاریاں اڑ رہی تھیں، لہجے میں اتنی سختی تھی کہ زینب کو اپنی جان ہوا ہوتی محسوس ہوئی مگر اس نے فی الفور بہت سرعت سے خود کو سنبھالا دیا تھا۔

جہان نے غم و غصے کی زیادتی میں سہی مگر اسے جس طرح سے پکڑا تھا، درمیانی فاصلے ایک طرح سے سارے مٹ گئے تھے، اس نے جو دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا وہ شیفون کا دوپٹہ تھا جسے سنبھالنے کو اس نے چہرے کے گرد ہالہ بنا کر ایک ہاتھ سے گردن سے باقاعدہ دبوچ رکھا تھا مگر جہان نے جب اس کا بازو پکڑا اس کے ہاتھ سے دوپٹے کی یہ گرفت چھوٹ گئی تھی اب صورت حال یہ تھی کہ سوائے بازو کا وہ حصہ جہاں جہان کی گرفت تھی اس کے سوا سارا دوپٹہ کاندھوں اور سر سے پھسل کر کارپٹ پہ ڈھیر ہو چکا تھا ریشمی بال کچھ پشت پہ لہرا رہے تھے کچھ کاندھے سے ڈھلک کر سینے پہ سیاہ مخمل کی مانند بکھرے ہوئے تھے اور اس حالت میں وہ کتنی سحر انگیز کس درجہ ہوش ربا لگ رہی تھی یہ وہ اچھی طرح اندازہ کرسکتی تھی، جبھی خوف کی جگہ ایک اطمینان اور بے نیازی نے لے لی تھی۔

"کیوں خاص طور پہ میری طرف سے کسی قسم کی غلط فہمی کیوں نہیں ہوسکتی آپ کو؟ اس کی کوئی خاص وجہ ہے بتائیں؟" وہ جس انداز میں بولی تھی جہان نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے اس آکورڈ پوزیشن کا خیال آتے ہی بدک کر فاصلے پہ ہوا اور باقاعدہ نظریں چرانے لگا، زینب جھک کر دوپٹہ اٹھانے کے بہانے اپنی مسکراہٹ چھپانے لگی۔

"تم نہیں بتاؤ گی اصل بات مجھے۔" جہان نے زچ ہو کر اسے دیکھا، وہ معصومیت کا تاثر دینے کو مسکرائی۔

"میں نے کہا نا جے آپ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں؟"

"اچھا! وہ سب پھر میری نگاہوں کا دھوکہ ہوگا۔" وہ جیسے خود اپنا تمسخر اڑانے لگا۔

"ایسی بات نہیں ہے، ایکچوئلی وہ میرا کلاس فیلو ہے بہت عرصے سے پیچھے پڑا ہوا ہے محبت کا دعویدار ہے میں اس کو سمجھانے آئی تھی کہ وہ اس حماقت سے باز آجائے، اتنی سی بات ہے میری ذاتی کوئی انوالومنٹ نہیں اس سے۔"

اس نے جو داستان سنائی وہ اتنی بودی تھی کہ جہان کی آنکھیں جل اٹھیں اس کا صاف مطلب تھا وہ اس سے اگلوانے میں ناکام رہا تھا، اسے ایک دم جیسے بہت سی تھکن نے آن لیا۔

"آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا جے؟" وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی جہان نے سرد آہ بھری۔

"میں صرف ایک بات کہوں گا زینب لڑکیوں کی عزت آبگینے سے بھی نازک ہوتی ہے، ہلکی سی ٹھیس بھی اسے بکھیر دے تو پھر اسے سمیٹنے اور جوڑنے کی ہر کوشش رائیگاں جایا کرتی ہے، سو بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم اوکے؟"

"اوکے اوکے اینڈ تھینکس۔" وہ دل آویزی سے اسے دیکھ کر مسکرائی تو جہان گہرا سانس بھرتے آہستگی سے پلٹ گیا، اس کی چال کا اضمحلال بہت واضح تھا، زینب اتنی آسانی سے جان

چھوٹ جانے پہ شکر گزار تی اپنے بستر پہ ڈھیر ہوگئی تھی۔

☆☆☆

غم زندگی نے لا کے ہمیں اس جگہ پہ مارا
جہاں اس طرف کنارا نہ اس طرف کنارا
یہاں کس کو اتنی فرصت کہ ہمارا حال پوچھے
یہ مزاج ہے سبھی کا نہیں ذکر بس تمہارا

وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، ہلکی نمی لئے بال کھلے تھے اور اس کے نازک وجود کو ڈھلک کر تقریباً پورا چھپا لیا تھا، ٹیپ ریکارڈر بج رہا تھا اور وہ جیسے خود سے کٹتی جا رہی تھی، دل کی کیفیت بھی کچھ ایسی تھی آنکھیں خوامخواہ بھیگنے لگیں، کتنا چاہتی تھی اس بے پناہ مغرور نقوش والے چہرے کو بھلا دے جس سے وابستہ کتنی اذیتیں تھیں ان سے بھی چھٹکارا مل جائے مگر وہ اس کوشش میں ہمیشہ ناکام ہو جاتی، کیا دیا تھا اس بندھن نے اسے سوائے بے مائیگی کے شدید احساس کے۔

کئی کام رہ گئے ہیں تیرے عشق کی وجہ سے
تیرے ساتھ بھی خسارہ تیرے بعد بھی خسارہ
یہ عجیب ساجہاں ہے یہاں سب ڈسے ہوئے ہیں
تیرے ساتھ بھی خسارہ تیرے بعد بھی خسارہ
تیرے ساتھ بیتے لمحے میری زندگی کا حاصل
تیرے بعد پھر کسی نے نہیں پیار سے پکارا

ثناء چائے بنا کر لائی تو اسے اس پوزیشن میں پایا جیسے چھوڑ گئی تھی، ٹیپ ریکارڈر بھی یونہی چل رہا تھا وہ گہرا سانس بھر کے آگے بڑھی اور چائے کا بھاپ اڑاتا مگ اس کے پاس رکھ دیا۔

"پری کہاں کھوئی ہو یار؟" وہ زور سے چیخی ساتھ ہی ٹیپ بند کر دیا، پریاں نے چونکے بنا سر اٹھایا ثناء کو اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی لگیں۔

"تم پھر روتی رہی ہو؟" وہ اسے گھور کر بولی۔

"دردایاد آرہے تھے۔" اس کے پاس بہت معقول جواز موجود تھا آنسوؤں کا۔

"تم لاکھ یہ بات کہو پری کہ تمہیں صرف یہی ایک دکھ ہے میرا وجدان مجھے کیوں وارن کر رہا ہے معاملہ کچھ اور بھی ہے۔" ثناء ایک بار پھر پیچھے پڑی، وہ اس کی روم میٹ ہی نہیں ایسی زبردست سہیلی بھی تھی جس نے اس کی سمت آنے اور دوستی کے سارے تقاضے تن تنہا نبھائے تھے، وہ پریاں کی بے بہا اور بے تحاشا خوبصورتی پہ بری طرح فدا ہوگئی تھی اور اس کی تمام تر خشک مزاجی کے باوجود اس سے دوستی کر کے دم لیا تھا۔

"اور کیا بات ہوگئی، میری زندگی میں اور کچھ رہا ہی نہیں دردا کے بعد۔" وہ ہنوز اداس تھی۔

"اچھا اور وہ جو بہت سوبر اور ڈیشنگ سے انکل تمہیں ہر چوتھے دن ملنے آئے ہوتے ہیں وہ کون ہیں؟" ثناء نے فوراً اس پہ گرفت کی تھی۔

"وہ انکل ہیں بس۔" پریاں کے انداز میں فرق نہیں آیا۔

"ان کا کوئی ویسا ہی بانکا سجیلا جوان گھبرو بیٹا بھی تو ہوگا نا مائی ڈیئر۔" ثناء کی آنکھوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرارت ناچ رہی تھی، پرنیاں کی رنگت یکلخت پھیکی پڑ گئی، اس کے اندر ایک بے نام سی وحشت اتر آئی جو چبھن بن کر اسے چبھنے لگی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے تم فضول کے اندازے مت لگایا کرو۔" اسے اتنا ناگوار گزرا تھا یہ تذکرہ کہ اسے جھڑکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"افوہ چائے تو پی لو۔" ثناء نے ٹوکا مگر وہ ان سنی کیے دروازہ کھول کر باہر آ گئی سیڑھیاں اتر کر نیچے سرسبز لان میں بنے سنگی بینچ پہ بیٹھ گئی، شام ڈھل رہی تھی، دھوپ بہت آہستگی سے سمٹی جا رہی تھی، اس کا اضطراب ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہا تھا، مستقبل کا خوف ابھی سے آکٹوپس بن کر چمٹنے لگا تھا۔

"پرنیاں حسیب وارڈن کا پیغام ہے آپ کے گھر سے کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔" وہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی جب اس آواز نے اسے چونکایا، سامنے وارڈن کی ہلپر کھڑی تھی وہ گہرا سانس بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی، ان دو ہفتوں میں غالباً پاپا کا یہ اس کے پاس چوتھا یا پانچواں چکر تھا، شاید وہ بیٹے کی زیادتی کا ازالہ کرنے کی کوششوں میں تھے جب بھی آتے اس کے لئے ڈھیروں چیزیں ساتھ ہوتیں، وہ کبھی شرمندہ ہوتی کبھی جھنجھلا جاتی، پچھلی مرتبہ جب انہوں نے اس کی مٹھی میں ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھمانے چاہے وہ کیسے بدک گئی تھی۔

"پلیز انکل مجھے ان کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں پیسہ تو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے بیٹے!" ان کا لہجہ و انداز کتنا خاص کتنا مشفقانہ ہوا کرتا تھا اس کے ساتھ اس نے کبھی باپ کی محبت کو محسوس نہیں کیا تھا مگر جو رویہ جو سلوک انہوں نے اس کے ساتھ روا رکھا تھا اسے لگا تھا اگر اس کے بابا زندہ ہوتے تو لازمی ان کی محبت کا انداز اور رنگ اس محبت سے جدا ہرگز نہ ہوتا۔

"ہماری زمینیں ہیں نا، وہاں سے ہی پہلے بھی میری ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔" اس نے جیسے جتایا تھا، پپا کچھ دیر کو خاموش ہو گئے تھے۔

"بیٹے اب آپ کی ہر ذمہ داری ہماری ہے آپ ہماری فیملی کا حصہ ہو، یونو نکاح کے بعد لڑکی والدین کی نہیں شوہر کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے اور وہ معاذ وہ بھلے برسر روزگار ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی سیلری مہینے کے چند دن ہی اس کا ساتھ دے پاتی ہے پھر وہ بھی مجھ سے ہی پیسے لیتا ہے بہت فضول خرچ ہے نا، کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ میں آپ پہ کوئی احسان کر رہا ہوں، باپ بیٹیوں اپنی کمائی خرچ کر کے بہت سکون اور خوشی محسوس کرتے ہیں بیٹا! میں اس نالائق کے حوالے سے آپ کو دیکھتا ہی نہیں آپ میرے لئے زینب اور ماریہ کی طرح ہی ہو، اگر آپ نے یہ نہ لئے تو میں آپ ایک باپ کو ہرٹ کریں گی اور میری بیٹی اتنی بے حس نہیں ہو سکتی۔" انہیں بات کرنے کا ہی سلیقہ تھا وہ قائل کرنے کے ہر انداز سے آگاہ تھے پرنیاں نے یہ بات اچھی طرح سے جان لی تھی وہ ان سے صرف ایک بات منوا سکی تھی، باقی ساری مانتی آئی تھی بھلے بعد میں دل پہ کتنا ہی بوجھ بڑھتا ہو۔

"السلام علیکم انکل!" وہ اندر آئی تو انہیں اخبار میں مصروف پایا اس کی آواز پہ متوجہ ہو کر اخبار ٹیبل پہ رکھ کر مشفقانہ مسکراہٹ سمیت اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور باقاعدہ ٹوکا۔

"انکل نہیں پپا!" یہ ہر مرتبہ کی ٹوک تھی وہ جھینپ سی گئی۔

"آج میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے مل لوں، یہ آپ کی مما اور بڑی مما نے کچھ چیزیں آپ کو بھیجی ہیں۔" انہوں نے ہمراہ لائے بڑے شاپرز کی سمت اشارہ کیا وہ حیران رہ گئی۔

"ان میں کیا ہے؟"

"کھول کر دیکھ لیں چونکہ مجھے تو ان خواتین پہ کسی قسم کا شبہ نہیں تھا جبھی تو چیکنگ نہیں کی۔" ان کا انداز متبسم تھا وہ جھینپ کر ہنس دی۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی پپا! اینی ویز آپ انہیں میری طرف سے تھینکس کہہ دیجئے گا۔"

"نہ بھئی یہ اتنا بھاری بوجھ مجھ سے نہیں اٹھایا جاتا آپ کی مما تو آپ سے ملنے کو بے قرار تھیں میں خود ہی نہیں لے کر آیا ویسے اگر یہ تھینکس ضروری ہے تو ایک فون کال کر لیجئے گا، وہ بہت خوش ہوں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے تو پرنیاں بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھیے نا پپا میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں بیٹے اس وقت لیٹ ہو رہا ہوں، ایک ضروری کام سے بھی جانا ہے، اپنا خیال رکھیے گا، ٹیک کیئر۔" وہ اس کا سر تھپک کر چلے گئے، پرنیاں نے گہرا سانس کھینچا اور کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھی تو نگاہ شاپرز پہ جا پڑی، اس نے تجسس میں پپا! ہو کر شاپرز کے قریب آ کر جھانکا ایک میں موسم کی مناسبت سے خوشنما اور بے حد اسٹائلش اور نفیس قسم کے چار جوڑے تھے دوسرے میں چھوٹے بڑے ڈبوں میں مختلف چیزیں تھیں، دیسی گھی، پنجیری، خشک میوہ جات اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، وہ عجیب سے احساسات میں گھری کھڑی رہ گئی، کسی ایک کی وجہ سے وہ اتنی ساری بے لوث نعمتیں آخر کہاں تک نظر انداز کرتی، ایک شیشی میں خالص دیسی سرسوں کا تیل بھی تھا اسے یاد آیا مما نے حویلی میں دو دن کے قیام کے دوران اس کے سر کے بالوں کی مالش کی تھی۔

"اتنی ٹف پڑھائی ہے سب سے زیادہ بالوں کا حشر ہوتا ہے، جب تک معاذ پڑھتا رہا ہر روز رات کو مجھ سے تیل کی مالش کروایا کرتا تھا وہ تو ماشاءاللہ اس کے بال ویسے بھی گھنے ہیں کچھ اس کی کیئر جبھی سلامت رہ گئے، زیاد نے پرواہ نہیں کی جبھی ایک حصہ بال جھڑ گئے ہیں ابھی سے اس کے میرے چننے کی بھی پرواہ نہیں اسے، مگر بیٹا آپ ضرور رات کو مساج کیا کرو، بال آپ کے جتنے پیارے ہیں کیئر لیس ہونے سے نقصان ہو سکتا ہے، خیر اب تو آپ ہمارے ساتھ چلیں گی تو میں خود یہ کام کر لیا کروں گی، زینب تو بہت چیختی ہے مساج سے مگر میں پرواہ نہیں کرتی۔" ان کی باتوں میں صرف معاذ کا ہی نہیں ان کے سب بچوں کا بار بار تذکرہ آیا کرتا تھا مگر ہر بار معاذ کے نام پہ اس کا دل گہرائیوں میں ڈوب کر بہت دیر سے ابھرتا، دونوں شاپر اٹھائے وہ اوپر اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور ہاتھ میں تیل کی شیشی اٹھائے گم صم کھڑی تھی جب ثناء کی ہنسی پہ چونکی۔

"یار اس میں ایسی کیا اٹریکشن ہے خالی خولی آئل ہی تو ہے، تمہارے کپڑے تو اتنے شاندار ہیں کہ لگ رہا ہے سسرال سے بری آئی ہو، انہیں دیکھو یار۔" ثناء اس کی ساری چیزیں پھیلائے بیٹھی تھی بلکہ کھانے والی ساری چیزیں تو وہ چکھ بھی چکی تھی، اس کی بات پہ پرنیاں کا رنگ پہلے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تحاشا سرخ ہوا پھر اتنا ہی پھیکا پڑ گیا۔

''بہت دیالو ہیں بھئی تمہارے انکل آنٹی وغیرہ، سگے انکل ہیں چچا یا ماموں؟'' ثناء بے حد متاثر تھی اس کے ایک سوٹ پہ جو بروشے کا تھا ڈل گولڈن لانگ اے لائن شرٹ ٹراؤزر اور آف وائیٹ کلر کا خوب لمبا چوڑا دوپٹہ جس کی شیفون اتنی سلک اور نفیس تھی کہ اکٹھی کر کے مٹھی میں بند کی جا سکتی تھی، دوپٹے کے چہار اطراف چار انگلی چوڑی گولڈن پٹی تھی جس پہ گولڈن ہی بہت نفیس موتیوں کا کام بنا ہوا تھا، ثناء کو بے حد پسند آیا تھا۔

''یوں تو سارے ہی سوٹ بہت اسٹائلش ہیں مگر اس کی ٹور الگ ہے یار ایک ہفتہ قبل میں نے طارق روڈ پہ ایک بوتیک میں اسے دیکھا تھا، پندرہ ہزار کا ٹیگ دیکھ کر خواہش کو اندر ہی دبا لیا۔''

''تم لے لو۔'' پرنیاں نے سوٹ نہایت فراخدلی سے اس کی جانب بڑھا دیا۔

''پاگل ہوئی ہو، تمہیں ملا ہے یار میرا کہنے کا مقصد یہ تھوڑی تھا۔'' ثناء خفت زدہ ہو گئی۔

''دوستوں میں سب چلتا ہے ثناء رکھ لو یار۔''

''ہاں رکھ لوں تاکہ کل تمہارے انکل آنٹیں اور مجھے سوٹ پہنا دیکھ کر مجھ پہ کیس کر دیں۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''سوٹ تو نہیں البتہ کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی تکلف نہیں برتوں گی ابھی سن لو۔'' ثناء نے صاف کہہ دیا، پرنیاں محض مسکرا دی تھی۔

''یار اپنی اتنی دیالو آنٹی کو ایک تھینکس کا فون ہی کر دو۔'' ثناء اسے بستر پہ دراز ہوتے اور کتابیں کھولتے دیکھ کر چیخی تو وہ تھم سی گئی، یہ بات تو پپا نے بھی کہی تھی، کچھ سوچ کر اس نے کچھ تذبذب سے شاہ ہاؤس کا نمبر ملا لیا، فون کی بیل ہونے تک اس کا دل جانے کیوں تیز تیز دھڑکتا رہا، رابطہ بحال ہونے پہ دوسری جانب سے آئی مردانہ بھاری مگر فریش آواز پہ وہ ایکدم ساکن ہو گئی۔

''ہیلو۔'' اس نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیری۔

''جی کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟''

''آپ..... آپ کون؟'' اس نے گھبراہٹ میں ایک بے تکا سوال کر دیا۔

''محترمہ تعارف کرانے کی ضرورت آپ کو ہے فون آپ نے کیا ہے، بہرحال میں معاذ حسن ہوں، اب فرمائیے؟'' ہلکی سی جھنجھلاہٹ لئے بھاری بھرکم آواز اس کے اوسان خطا کر گئی، سیل فون اس کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا، وہ لمحوں میں پسینوں میں نہا گئی تھی گویا صد شکر کہ ثناء واش روم میں تھی ورنہ اس کی حالت پہ اس کی جان کو آ جاتی، اس نے بے ترتیب دھڑکنوں کے شور میں جھک کر بے چارگی سے سیل فون کو دیکھا جو اس کی گود میں گرا تھا کال ابھی چل رہی تھی اور اسپیکر سے معاذ حسن کی جھنجھلائی ہوئی ہیلو ہیلو کی مدھم آواز وہ سن سکتی تھی، اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون ڈسکنیکٹ کر دیا۔

''مائی گاڈ کیا ہو گیا تھا مجھے۔'' سر زور زور سے جھٹکتے ہوئے وہ گویا خود اپنے اوپر خفا ہو رہی تھی جب ثناء واش روم سے برآمد ہوئی۔

''ہو گئی تمہاری بات؟''

''آں ہاں ہاں ہو گئی۔'' اس نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا تھا مگر جواب میں اس کی بوکھلاہٹ پہ چونک اٹھی۔

''خیریت اتنی سراسیمہ کیوں ہو؟ آنٹی کی بجائے ان کے بیٹے سے بات ہوئی ہے کیا؟ اور وہ شکل وصورت میں ڈریکولا سے ملتا جلتا ہے۔'' ثناء کو شرارت سوجھ رہی تھی، پرنیاں محض اسے گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔'' وہ ڈائننگ ہال میں آیا تو پپا کو سامنے ہی موجود دیکھ کر زور دار طریقے سے سلام کیا لہجے میں تبسم کی شوخی اور کھنک بھی مقصد ان پہ اپنی آمد کو جتلانا ہی نہیں اپنے اعتماد کو واضح کرنا بھی تھا، انہوں نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور کوئی تاثر دیئے بنا اپنی پلیٹ کی سمت متوجہ ہو گئے۔

''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔'' اس شوخی کا جواب بھی شوخی میں موصول ہوا تھا، ابن زیاد کی مسکراہٹ بہت خیر مقدمی اور فریش تھی۔

''کیا بنا ہے آج کھانے میں؟'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے جانے کسے مخاطب کر کے بولا تھا۔

''آپ کی فیورٹ سندھی بریانی اور رائتہ کوفتے بیٹھے میں ٹرائفل ہے۔'' جواب مما نے دیا تھا اور بہت دلار سے۔

''یہ چاولوں کی ڈش دیجئے پلیز!'' وہ جس کرسی پہ بیٹھا تھا وہ پپا کے مدمقابل تھی اب اس نے جسے مخاطب کیا تھا وہ بھی پپا ہی تھے، ٹیبل کے گرد بیٹھے دیگر نفوس نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی سب جانتے تھے وہ جتنا جذباتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر حساس غصے اور خفگی میں جتنی بھی بری طرح سے سامنے والے کو ہرٹ کر کے غصہ اترنے پہ جب تک ازالہ نہ کر لے اسے چین نہیں پڑا کرتا تھا، پپا نے اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ بنا اسے دیکھے اس کی مطلوبہ ڈش اپنے سامنے سے اٹھا کر اس کے آگے رکھ دی۔

''جزاک اللہ!'' وہ بے پناہ مشکور ہوتا اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

''بھائی آپ کی ٹکٹ کنفرم ہو گئے؟'' ماریہ نے اچانک سر اٹھا کے پوچھا، وہ چونک گیا۔

''ہاں پندرہ دن بعد کی فلائیٹ ہے، اس لئے جو بھی لوگ مجھ سے خفا ہیں انہی پندرہ دنوں میں مجھے منا لیں۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی، ڈائننگ ہال میں دبی دبی ہنسی پھیل گئی، کیا شان بے نیازی تھی اور تو اور پاپا جان بھی مسکرا دیئے تھے۔

''آپ سے ٹریٹ نہ لے لیں، ان پندرہ دنوں میں گفٹس نہ بٹور لیں۔'' ابن زیاد نے جواب دیا اور زینب نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''بالکل بھائی یہ تو ہمارا حق بنتا ہے اتنی بڑی کامیابی ملی ہے آپ کو۔''

''تو میری محنت کی بدولت ملی ہے نا تمہارا کیا کمال اونہہ تحفے ٹریٹ۔'' وہ نخوت سے بولا تو ابن زیاد چیخا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"صرف آپ کی محنت کا کمال نہیں ہے، ہماری دعائیں بھی رنگ لائی ہیں، ہم لازمی ٹریٹ لیں گے اور شاپنگ بھی کریں گے آپ کے پلے سے۔" ماریہ بھی ساتھ مل گئی تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

"اوکے اوکے لے لینا بھئی۔" تینوں نے جواباً نعرہ لگایا تھا، ڈائننگ ہال ان کی چہکاروں سے گونج اٹھا معاذ نے مسکراتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل کر دیکھا پپا اسی سنجیدگی متانت سمیت کھانے سے فراغت کے بعد نیپکین سے ہاتھ پونچھ رہے تھے۔

"پپا آپ نے سنا پندرہ دن بعد میں ایک لمبے عرصے کے لئے بہت دور جا رہا ہوں۔" اس نے جیسے انہیں چھیڑا مگر کامیابی نہیں ہوئی، مما بے چین ہو رہی تھیں۔

"فی امان اللہ! خدا کامیابیاں عطا فرمائے آمین!" وہ کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولے اور پلٹ کر باوقار انداز میں چلتے ڈائننگ ہال سے نکل گئے۔

"بس اور کچھ نہیں؟" وہ ان کے پیچھے بھاگ کر آیا اور برآمدے اور راہداری کے درمیان انہیں جالیا۔

"جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں والدین سے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی ما سوائے۔" وہ گہرا سانس بھر کے بولے تھے، معاذ نے سر کو فی میں جنبش دی۔

"مجھے آپ کی شفقت محبت اور سب سے بڑھ کر آپ کی مسکراہٹ بھی چاہیے، ود آپ کی معافی کے مجھے معاف کر دیں پپا اس دن سے میں نے بہت گستاخیاں کی آپ کے ساتھ۔" وہ ایکدم سے ان سے لپٹ گیا، پپا کچھ دیر ساکن کھڑے رہے پھر اسے بازوؤں کے حلقے میں بھینچ لیا تھا مخصوص انداز میں پیشانی چومی اور پھر اس کے گھنے بال بکھیر دیئے۔

"میں خفا نہیں ہوں۔"

"تھینکس پپا!" وہ بچوں کی طرح سے کھلکھلایا۔

"آپ کہیں گے تو آپ کی اجڈ پینڈو بہو کو رخصت بھی کرالاؤں گا، واپس آ کر مگر میری شرط اپنی جگہ پہ قائم ہے، میں اپنی پسند کی شادی ضرور کروں گا، زندگی ایک بار ملتی ہے پپا!" پپا کے چہرے کا نرم تاثر پل بھر میں زائل ہو گیا، انہوں نے سختی سے ہونٹ بھینچے تھے۔

"اس احسان کی ضرورت نہیں ہے، آج میں خود اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔" انہوں نے سرد مہری سے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے، وہ کاندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"گاڑی تیار ہے بیگم صاحبہ!" ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے بیٹھیں وہ اپنے گلے میں نازک سا نیکلس پہن رہی تھیں جب دروازہ ناک کرنے کے بعد مودب سی ملازمہ نے اطلاع دی۔

"اوکے میں آ رہی ہوں ہنی جاگ گئی؟" انہوں نے اٹھتے ہوئے اپنا براؤن لیدر کا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے اگلا سوال کیا تو ملازمہ کچھ گڑبڑا گئی کہ وہ ان کی ہدایت پہ ہر دس منٹ بعد ژالے کے کمرے میں جھانکنا بھول گئی تھی۔

"جج..... جی بیگم صاحبہ میں ابھی دیکھتی ہوں۔"

"واٹ نان سنس، سیلری کس کام کی ملتی ہے ہر ماہ تمہیں نکمی کام چور عورت، کام وام تم سے ہوتا نہیں ہے۔" ان کے تاثرات ایکدم سے حقارت آمیز ہو گئے ملازمہ ان کے عتاب کو محسوس کرتی تھر تھر کانپنے لگی کہ ان کے وحشیانہ غصے سے وہ کیا سارے ملازمین خائف رہا کرتے تھے۔

"مم..... معاف کر دیں بیگم صاحبہ!" وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"ناؤ گیٹ لاسٹ۔" انہوں نے دھاڑ کر کسی قدر تضحیک آمیز انداز میں کہا اور نازک ہیل کے جوتے پہن کر ایڑی کی ٹک ٹک کا سر تال بجاتی ہوئیں خود ژالے کے بیڈروم کی سمت آ گئیں، ناب گھما کر دروازہ اوپن کیا تو کمرا دن کے دس بجے بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تھی تمام کھڑکیاں مضبوطی سے بند تھیں اور الیکٹرک ہیٹر سست روی سے حدت چھوڑ رہا تھا، انہوں نے جہازی سائز بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹی ژالے کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کا پھیلا کمبل درست کرتے ہوئے سلکی بال سمیٹنے لگیں۔

"ژالے اٹھ جاؤ میری جان!" وہ ذرا سا کسمسائی تھی مگر بولی نہیں۔

"آج پھر آپ نے کالج ٹائم مس کر دیا، بیٹا کم از کم گریجویشن تو کر لو۔"

"یعنی مزید دو سال کالج جاؤں مجھے نہیں منظور مما!" وہ خمار آلود آواز میں بسوری تھی۔

"ایسے تو نہیں چلے گا مما کی جان!" انہوں نے جھک کر نرمی سے اس کی پیشانی چومی تب ژالے نے پہلی بار آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا، وہ انہیں کچھ سست کچھ نڈھال لگی۔

"ابھی تک بستر میں کیوں پڑی ہو؟ طبیعت ٹھیک ہے نا؟" ان کے لہجے میں خدشات کی بخار اور لرزش تھی، ژالے کے چہرے پہ زہر خند پھیلنے لگا۔

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

"مما آپ تو اسی خوف سے مجھے سونے بھی نہیں دیتیں کہیں مر نہ جاؤں۔" اس کے لہجے میں صرف جھنجھلاہٹ نہیں تھی بے زاری اکتاہٹ اور تلخی بھی نمایاں تھی، مسز آفریدی کا کلیجہ جیسے کسی نے بے دردی سے بھنبھوڑ ڈالا، انہوں نے متغیر ہوتی رنگت کے ساتھ ڈوبتی نظروں سے ژالے کو دیکھا جو تمام تر نزاکت معصومیت اور دلربائی کے باوجود اکثر دل نوچ لیا کرتی تھی ان کا، پتہ نہیں وہ اتنی سفاک کیوں تھی۔

"اگر تم ایسی باتوں سے باز نہ آئیں تو میرا ہارٹ لازمی کسی روز فیل ہو جائے گا کسی دن پھر روتی رہنا۔" وہ جی بھر کے خفا ہوئی تھیں، ژالے ایکدم سے ہنس پڑی۔

"کم آن مما! رخصت تو آپ نے کرنا ہے مجھے رونا تو آپ نے ہے۔" وہ بے حد بے رحمی سے کہہ کر اپنے لمبے گھنیرے بالوں کو سمیٹنے میں مصروف ہو گئی، مسز آفریدی کا دھواں دھواں ہوتے چہرے پہ نگاہ ڈالے بنا جو ضبط کھو کر ایکدم سے بلک اٹھی تھیں۔

"میں اسی خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی ہوں مگر تمہیں یہ بھی گوارا نہیں، اتنی ظالم کیوں ہو جاتی ہو کبھی کبھی تم ژالے۔" وہ ہچکیاں بھر بھر کے روتے ہوئے کہہ رہی تھیں، ژالے ہونٹ بھینچے انہیں دیکھ رہی تھی کچھ کہے بغیر ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے، بہت دیر بعد جب وہ بولی تو اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز بھیگ چکی تھی۔

"میں آپ کو حقیقت پسند بنانا چاہتی ہوں مما! تاکہ آپ کو میرے بغیر جینے کا ڈھنگ آ جائے۔" وہ چھوٹی سی بہت دلکش سی لڑکی بہت بہادری سے مسکرا رہی تھی۔

"کینسر اب لا اعلاج مرض نہیں رہا ہے ژالے! میں علاج کے لئے تمہیں باہر لے کر جاؤں گی سب ٹھیک ہو جائے گا، ایک بہت پیارا سا لڑکا ڈھونڈ کر میں تمہاری شادی کروں گی پھر اتنے ڈھیر سارے میرے نواسے نواسیاں ہوں گی۔" وہ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہی تھیں اور بھیگی آنکھوں سے مسکرا رہی تھیں اور ژالے ہونٹ بھینچے جیسے کسی اذیت سے گزر رہی تھی۔

"کیوں کرتی ہیں ایسی باتیں جنہیں کبھی پورا نہیں ہونا؟ اس لئے بھی کہ میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔" وہ آج جانے کیوں انہیں زچ کرنے اذیت دینے پہ آمادہ تھی، معمول سے کہیں زیادہ مایوس کہیں بڑھ کے دل گرفتہ، اس کی باتوں پہ مسز آفریدی کا رنگ پھیکا پڑتا چلا گیا تھا، حتیٰ کہ وہ اتنا پھیکا پڑ گیا کہ بڑے سے دریچے کی کھلی کھڑکی سے اندر آتی دھوپ ان کے چہرے کی رنگت کے مقابلے میں رنگین لگنے لگی، ضبط کی کوشش میں ہار کر ان کے ہونٹ تشنج زدہ مریض کی طرح کپکپانے اور لرزنے لگے، کچھ دیر ان کی یہی کیفیت رہی پھر وہ دھیرے دھیرے نارمل ہونے لگیں، خود کو سنبھال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"ناشتہ تمہارا تیار ہے، ٹائم پہ کر لینا، میں اب چلتی ہوں، ٹیک کیئر۔" پھر سے مغرور بے نیاز اور بے حس سی مسز آفریدی تھیں مشہور بزنس وومین، جن کا لاکھوں کا نہیں کروڑوں کا کاروبار تھا۔

"آپ جا رہی ہیں؟ آپ کو معلوم ہے مما میں آپ کے بغیر ناشتہ نہیں کرتی۔" ژالے کی آواز پہ ان کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"میں خود ہمیشہ آپ کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتی ہوں جانو! مگر آپ...... مگر ابھی تو آپ میری شادی اور بچوں کے خواب سجا رہی تھیں ساری عمر اپنے ساتھ رکھیں گی تو مل گئیں ایسی تعبیریں۔" وہ ان کا دل بہلا رہی تھی، وہ بہرحال انہیں ہرٹ نہیں دیکھ سکتی تھی، اس کی کوشش ناکام نہیں گئی وہ واقعی ہی بہل گئی تھیں۔

"میں ایسا لڑکا ڈھونڈوں گی جو گھر داماد بن سکے۔" وہ مسکراتے ہوئے جوش سے بولیں۔

"اور اگر وہ اس پہ آمادہ نہ ہوا تو......؟"

"کیوں نہیں ہوگا، یہ اتنی وسیع جائیداد دیکھ کر تو لوگ غلامی کو بھی تیار ہو جائیں گے۔"

"ایسے لالچی انسان سے شادی کرنے سے بہتر ہے یونہی کنوارا رہنا۔" وہ جواباً منہ پھلا کر بولی تو مسز آفریدی نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"تم جتنا مرضی بہانے گھڑ لینا مگر شادی میں ضرور کروں گی تمہاری، اتنی جائیداد بینک بیلنس کوئی وارث بھی تو ہونا چاہیے، ایک ہی بیٹی ہے ہماری!" دلار سے بولیں تو ژالے ایک بار خاموش ہو گئی تھی، یہ موضوع طول پکڑ رہا تھا اور وہ اسے طول دینا نہیں چاہتی تھی، دو سال قبل وہ سولہ سال کی ہوئی تو تب اس پہ یہ جان لیوا انکشاف ہوا تھا کہ وہ بلڈ کینسر کی مریضہ ہے، بیماری آخری اسٹیج پہ نہیں تھی مگر جان لیوا ضرور تھی، وہ زندگی کی امنگوں سے بھرپور لڑکی صرف ایک انکشاف سے ہی تو زندگی سے دور نہیں ہوئی تھی، اسے اذیت پسند بے حس اور کٹھور بنا

ایک اور شرمناک حقیقت بھی تو تھی جس کے منکشف ہونے کے بعد اس نے یکدم لڑکپن سے بڑھاپے میں قدم رکھ دیا تھا، وہ ایکدم سے اپنی عمر کے پچاس سال پھلانگ گئی تھی، اس کے بعد وہ کبھی دل سے نہیں ہنس سکی تھی، اس کے بعد وہ راتوں کو کبھی سکون کی نیند نہیں سو سکی تھی تو اس کی وجہ کوئی اور نہیں مسز آفریدی تھیں، اس پہ یہ جسم سے روح کھینچ لینے والا خود سے نگاہیں ملانے کے قابل نہ چھوڑنے والا انکشاف کرنے والی ہستی کوئی اور نہیں اس کی ماں مسز آفریدی ہی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ ڈپریشن میں اپنے ساتھ انہیں بھی اذیت سے دوچار کر دیا کرتی تھی۔

☆☆☆

فلک تک چل ساتھ میرے
فلک تک چل ساتھ چل
یہ بادل کی چادر یہ تاروں کے آنچل
میں چھپ جائیں ہم پل دو پل
فلک تک چل ساتھ میرے
فلک تک چل ساتھ میرے

معاذ حسن کے ٹکٹ کنفرم ہو کر آئے تھے وہ سب باقاعدہ لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ گئے، معاذ حسن کو ان کا قافلہ لے کر نکلنا پڑا تھا، ابن زیاد، پپا کی پراڈو کی چابی مانگ لایا تھا اور اب ڈرائیونگ سیٹ پہ اکڑ کر بیٹھا اپنی من پسند کیسٹ منتخب کر کے لگا چکا تھا۔

"پہلے ڈنر پھر شاپنگ اس کے بعد آئسکریم کھاتے ہوئے گھر واپسی۔" پروگرام کو فائنل ٹچ بھی زیاد نے ہی دیا تھا۔

"آئسکریم کھاتے ہوئے نہیں جوتے کھاتے ہوئے، اتنے پیسوں میں، میں انگلینڈ پہنچ سکتا ہوں جتنے اماؤنٹ کا تم بل بنائے بیٹھے ہو۔" معاذ نے اسے لتاڑ کے رکھ دیا تھا۔

"وہاں میموں کی زلفوں سے جبھی تو آپ ہی کھیلیں گے یہاں ذرا سا دل کو بڑا کر لیں۔"

"تم مجھے ایسا بہکا ہوا سمجھتے ہو؟ اور بڑا دل بیماری ہے احمق!" معاذ نے پہلے آنکھیں نکال کر اسے گھورا پھر بدکا تھا۔

"وہ والا بڑا دل نہیں سخاوت والا اور آپ اتنے پرہیزگار کب سے ہو گئے جناب؟" ابن زیاد پہ حیرانی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"جب سے پابند ہوئے ہیں۔" اسی وقت جہان آیا تھا اس نے آخری بات سن کر لقمہ دیا، معاذ اس کی بات کی معنی خیزی کو پا کر یکایک سنجیدہ ہوا تھا۔

"سب سن لیں میرا موڈ خوشگوار ہی رہنے دیا جائے۔" اس نے جیسے درپردہ تنبیہ کی بلکہ دھمکی دی مگر اس کا الٹا مطلب نکالا گیا۔

"پھر تو چرچ روڈ سے بیک ٹرن لے کر گرلز ہاسٹل سے بھابھی کو پک کرنا پڑے گا، وہیں ہوتی ہیں نا وہ پپا تو کئی بار ان سے ملنے بھی گئے ہیں نا۔" معاذ کی خوفناک نظروں کو اپنے چہرے کا مرکز بنتے دیکھ کر وہ آخر میں زبان کو لڑکھڑانے سے نہیں روک سکا۔

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ ابن زیاد دبک سا گیا جہان نے الگ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظروں ہی نظروں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''یہ تم لوگ ولیمے پہ نہیں جا رہیں جو ایسی سج دھج کی ضرورت تھی، چلو بیٹھو پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔'' ابن زیاد کا سارا نزلہ زینب اور ماریہ پہ نکلا تھا جو اسی وقت چادریں اوڑھے پورٹیکو میں آئی تھیں۔

''اتنی بھی دیر نہیں ہوئی ہے بھائی!'' زینب منمنائی۔

''نوریہ، حوریہ کو بھی لے لینا تھا۔'' معاذ کو کچھ خیال آیا تو اس نے زینب کو مخاطب کیا، زینب کے ساتھ ابن زیاد بھی کھل اٹھا۔

''آپ نے پہلے بتایا ہوتا اب وہ لوگ تیاری نہ ہونے کا بھلے بہانہ بنا دیں۔'' زینب جو گاڑی میں بیٹھ رہی تھی دوبارہ باہر آتے ہوئے بولی۔

''تو تم لوگوں کو نہیں پتہ تھا؟'' معاذ نے زینب کے اعتراض پہ اسے گھورا تو وہ کچھ کہے بغیر نوریہ کے گھر کی جانب بڑھ گئی، گیٹ سے اندر آئی تو نوریہ لان میں ہی ایزی چیئر پہ بیٹھی چائے سے شغل کرتی مل گئی۔

''چلو فٹافٹ حوری کو بلاؤ باہر گاڑی تیار ہے۔''

''یا وحشت کہاں لے جا رہی ہو اتنی افراتفری میں۔'' نوریہ اس کے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لینے پہ بوکھلائی۔

''ہم معاذ بھائی کے ساتھ ٹریٹ پہ چل رہے ہیں شاپنگ بھی انہی کے ذمے۔''

''تو جاؤ میں کس خوشی میں جاؤں؟''

''اس خوشی میں کہ معاذ بھائی نے بالخصوص تمہیں بلوایا ہے۔'' زینب کا جو انداز تھا اس نے نوریہ کے دل کی دھڑکنوں کو غیر معمولی حد تک بڑھا دیا۔

''واٹ؟'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''یقین نہیں آ رہا نا، رئیلی یہ سچ ہے۔'' وہ مسکرائی تو نوریہ گم صم سی ہوگئی تھی، پھر اسے معاذ کا سامنا دشوار محسوس ہوتا رہا تھا، مگر معاذ جو ہر بات سے لاعلم تھا نارمل بی ہیو کرتا رہا، کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا، معاذ نے مما کے ساتھ پپا، پپا جان اور مما جان کی پسند کا کھانا بھی پیک کروا لیا تھا، بھابھی اور جنید بھائی آج کسی تقریب میں انوائیٹڈ تھے۔

''بھائی آپ مجھے ڈریس کی بجائے گولڈ کی رنگ لے دیں نا۔'' زینب کی فرمائش نے معاذ کو چکرا کے رکھ دیا تھا۔

''لڑکی بالکل کنگال کر کے بھیجوں گی، وہاں سے واپسی پہ لا دوں گا، ابھی بس ڈریس لو۔'' وہ انہیں صدر لے آیا تھا، یہاں طارق روڈ کی نسبت قیمتیں مناسب تھیں، زینب کا موڈ آف ہو کر رہ گیا۔

''اپنی وائف کو بھی یہیں سے شاپنگ کروایا کیجئے گا، ساری کفایت شعاری بس ہمارے لئے رہے۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی، وہ ساری بڑے سارے میں پھیل گئیں اور اپنی پسند کے کپڑے منتخب کرنے میں مصروف ہوگئیں۔

''جے تم بھی دیکھ لو اپنے لئے کوئی ڈریس۔''

''مجھے تمہیں کنگال کرنے کا کوئی ارمان نہیں ہے۔'' وہ ہنسنے لگا، معاذ جھینپ کر رہ گیا۔

''اب ایسی بات بھی نہیں تم لے لو۔''

''چھوڑ دو یار میں کوئی بچہ ہوں۔''

''مگر مجھے اچھا لگے گا۔'' معاذ کے جواب پہ جہان نے کاندھے اچکا دیئے، تب وہ مطمئن ہوا تھا، وہ مما اور مما جان کے لئے کوئی ڈریس دیکھنا چاہ رہا تھا مگر کچھ سمجھ نہیں آئی تو زینب کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں وہ کچھ فاصلے پہ نوریہ کے ساتھ بھاؤ تاؤ میں مصروف نظر آئی تو اشارے سے بلایا تھا۔

''جی بھائی!'' زینب سب کچھ چھوڑ کر اس کی جانب آ گئی۔

''مما کے لئے کوئی سوٹ دیکھو نا مجھے تو سارے عام سے لگ رہے ہیں۔'' وہ الجھ کر کہہ رہا تھا، یہی وہ لمحہ تھا جب وہ کوٹ کی جیب سے والٹ نکالتے ہوئے زینب سے بات کر رہا تھا اور ثناء کے ہمراہ اپنے دھیان میں کپڑے دیکھتی پرنیاں کے قدم اسے روبرو پا کے ٹھٹھک گئے، وہ یکلخت ساکن ہوگئی تھی، وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا اور یہ غنیمت تھا وہ اس کی نظروں میں آنے سے قبل وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی، جبھی ثناء کا ہاتھ دبوچا اور اسے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹتی ہوئی شاپ سے باہر جانے والے راستے پہ دوڑ پڑی، اسی افراتفری کا نتیجہ تھا کہ اپنے دھیان میں اسی سمت آتے حسان سے اس کی ٹکر بہت زور دار طریقے سے ہوئی تھی، حسان لڑکھڑایا مگر سنبھل کر معذرت کرنا چاہتا تھا مگر وہ اسے موقع دیئے بغیر آندھی طوفان کی طرح باہر نکلتی چلی گئی تھی، ثناء کی احتجاجی چیخوں پہ کان دھرے بغیر۔

(باقی اگلے ماہ)

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفرنامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلیے،
- نگری نگری پھرا مسافر،

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے کہنا دسمبر آگیا

ہما راؤ

''ارمان! صرف ایک بار تم اس سے مل لو، پھر جیسے کہو گے میں مان لوں گا۔'' ارسلان نے منت آمیز انداز میں کہا۔

''سوری! یہ میرا شعبہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ایسے معاملات میں دلچسپی ہے۔'' ارمان نے معذرت چاہی۔

''ٹھیک ہے، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت بھی نہیں ہے، میں اسے خود اپنے دل کی بات پہنچاؤں گا۔'' ارسلان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''گڈ! یہ ہوئی نہ بات، میں نے بھی اپنا حال دل زویا تک پہنچانے کے لئے کسی کی مدد قبول نہیں کی تھی، نتیجہ آج وہ میری محبت میں گرفتار ہے۔'' ارمان نے فخر سے بتایا، (حالانکہ یہ سو فیصد جھوٹ تھا۔

''مجھے تم سے اور تمہاری زویا سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی اپنے فضول مشورے مجھ تک پہنچایا کروں، میری سماعت پہ ناگوار گزرتے ہے۔'' ارسلان چڑا۔

ناولٹ

''ٹھیک ہے یاد رکھنا اپنی بات، میرا دعویٰ ہے کے تمہیں اسی ہفتے میرے نادر مشورے کی ضرورت پڑے گی۔'' ارمان نے اعتماد سے کہا، ارسلان نی ان سی کر کے باہر نکل گیا۔

یونیورسٹی کے پوائنٹ کے انتظار میں وہ حسب معمول بس اسٹاپ پہ کھڑی تھی، اس کے ساتھ اس کی دوست بھی تھی، ارسلان نے ادر گرد دیکھا، اسٹاپ پہ معمول کا رش تھا، وہ اپنی دوست کے ہمراہ رش سے قدرے دور کھڑی تھی۔

''کاش! اس کا نام اور ڈیپارٹمنٹ کا پتہ چل جائے۔'' ارسلان نے حسرت سے سوچا اور ان کے قریب ہی چند قدم کے فاصلے پہ کھڑا ہو گیا، وہ اپنی دوست سے باتوں میں مگن تھی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارسلان کے وہاں جا کے کھڑے ہونے کا اس نے نوٹس لیا، ایک پل کو اس کے چہرے پہ ناگواری کے تاثرات نمایاں ہوئے، لیکن دوسرے ہی پل وہ ہمیشہ کی طرح بے نیاز دکھائی دینے لگی، ارسلان اس کی ناگواری پہ شرمندہ ہوا۔

بس کے رکنے سے پہلے ہی تمام اسٹوڈنٹ اس کی جانب دوڑے، اسے اس کی دوست کے ہمراہ بس میں بیٹھتے دیکھ کے ارسلان بھی مایوسی سے اسٹاپ سے پلٹ آیا۔

وہ یونیورسٹی اپنی بائیک پہ آتا جاتا تھا، لیکن اسٹاپ پہ جب تک کھڑا رہتا، جب تک وہ مہ جبین بس میں نہیں بیٹھ جاتی تھی، ارسلان اپنی اس روزمرہ کی حرکت پہ خود بھی نادم ہوتا تھا، لیکن اس معاملے پہ وہ بے اختیار ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

''ارمان! دو دن میں یونیورسٹی سے فارغ ہو جاؤں گا، لیکن مجھے اب تک اس کا نام اور ڈیپارٹمنٹ نہیں پتہ چلا۔'' ارسلان افسردہ ہوا۔

''یار چ تم اسٹاپ پہ اس سے پوچھ لو، ورنہ ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔'' ارمان نے مشورے سے نوازا۔

''نہیں یار عجیب سا لگتا ہے، اس طرح اس کا بھی امیج خراب ہوگا اور میرا بھی مجھے تو اپنا اسٹاپ پہ کھڑا ہونا بھی بے معنی لگتا ہے۔'' ارسلان بے بسی سے بولا تھا۔

''پھر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، یوں کر اس کی دوست سے بات کر لے، ہو سکتا ہے وہ کچھ مدد کر دے۔'' ارمان نے مزید مشورہ دیا۔

''نہیں نہ یار اگر مجھے بات کرنی ہو تو میں ڈائریکٹ اس مہ جبین سے بات کر لوں، لیکن اپنے انداز رکھ رکھاؤں، شخصیت سے وہ یہ تاثر دیتی ہے کہ اگر اس سے میں نے مخاطب ہونے کی غلطی کی تو وہ لمحہ بھی ضائع کیے بنا مجھے زوردار تھپڑ رسید کریں گی۔'' ارسلان نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

ارسلان اور ارمان کزن تھے۔

ارمان کے والد احتشام اور ارسلان کے والد حسام دو ہی بھائی تھے، احتشام کی تین اولادیں تھیں، سب سے بڑا بیٹا ارمان، جو کے پرائیویٹ جاب کرتا تھا، سعدیہ، ارمان سے چھوٹی تھی، وہ شادی شدہ تھی اور کراچی میں ہی رہائش پذیر تھی، سعدیہ کے بعد دانیہ تھی جو بی اے کر رہی تھی، احتشام احمد گورنمنٹ آفیسر تھے، ان کی اہلیہ خالص گھریلو خاتون تھیں۔

حسام احمد حیدر آباد میں رہائش پذیر تھے، حسام احمد گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے، ان کی اہلیہ ہاؤس وائف تھیں، ان کی دو اولادیں تھیں، سب سے بڑا ذیشان جس نے والد صاحب کا پیشہ درس و تدریس اختیار کیا، ذیشان گورنمنٹ کالج میں انگلش کا لیکچرار تھا، وہ شادی شدہ تھا، زینب سے اس کی شادی خالص والدہ کی رضا مندی تھی، شادی سے قبل اس نے زینب کی تصویر بھی نہیں دیکھی تھی، بہرحال اب وہ انتہائی آسودہ زندگی بسر کر رہے تھے۔

ارمان نے بی ایس سی کے بعد جاب کے لئے اپلائی کیا، جاب اسے کراچی میں ملی تھی، حسام احمد خفا تھے کے وہ تعلیم ادھوری چھوڑ کے نوکری کے چکر میں پڑ گیا ہے، لیکن ارسلان کراچی یونیورسٹی سے ایوننگ میں ماسٹر کر رہا تھا۔

ارسلان کی زندگی کراچی آنے کے بعد بھی اسی سادگی سے گزر رہی تھی، وہ صبح ارسلان کے ساتھ ہی جاب کے لئے نکلتا تھا، دونوں مختلف آفس میں ملازمت کرتے تھے، لیکن ٹائمنگ ایک ہی تھی، ارمان چار بجے آفس سے واپس آتا

تھا اور گھر آ کے نیند پوری کر کے وہ کمپیوٹر کو زیادہ ٹائم دیتا تھا۔

ارسلان چار بجے گھر کے بجائے یونیورسٹی جاتا تھا اور رات کو تھکا ہارا گھر آتا تھا اور گھر آ کے اسائنمنٹ نوٹس تیار کرنا، اسٹڈی کرنا، ایسے میں اسے ارمان پہ رشک آتا تھا، جو رات کو فریش ہوتا تھا، کبھی دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کر رہا ہے کبھی ٹی وی اور کمپیوٹر کے ساتھ مصروف اپنے پسندیدہ پروگرام دیکھ رہا ہوتا، دراصل اسٹڈی کے ساتھ جاب وہ شوقیہ کر رہا تھا، لیکن اب اس تھکا دینے والی بور بدمزہ روٹین سے کبھی کبھار وہ اکتا جاتا تھا، کیونکہ اس میں انجوائے منٹ کا کوئی پہلو نہیں تھا، ایک دن ارمان بہت خوش نظر آ رہا تھا، لیکن بات کرتے کرتے وہ کہیں کھو جاتا تھا۔

''ارمان! کیا ہوا، آج تم کس سوچ میں گم ہو؟'' ارسلان نے یہ تبدیلی فوری بھانپ لی تھی۔

''یار! مجھے لو ہو گیا ہے۔'' ارمان نے مزے سے بتایا۔

''لو۔'' ارسلان چونکا۔

''ہاں یار لو۔'' ارمان مسکرایا۔

''یہ لو تو آج کل عام ہو گیا ہے، کوئی رانگ نمبر آیا، آپ نے رپلائی کیا، لو ہو گیا، جہاں کمبائن اسٹڈی ہو رہی ہے، وہاں لو ہو گیا، جہاں ساتھ جاب کر رہے ہیں، وہاں لو ہو گیا، میں سمجھا نجانے کون سی بات ہے۔'' ارسلان لو کا سن کر بدمزہ ہو گیا تھا۔

''یار! مجھے زویا سکندر سے لو ہو گیا اور یہ تمہارے لئے معمولی بات ہے۔'' ارمان خفا ہوا۔

''یار! اس میں خاص کیا ہے۔'' ارسلان قطعی متاثر نہیں ہوا، ارمان کی سنجیدگی پر۔

''عام ہو گا، لیکن میرے جذبے میرے لئے بہت خالص اور خاص ہے، یہ کوئی دل لگی

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-

خمار گندم 200/-

دنیا گول ہے 225/-

آوارہ گرد کی ڈائری 200/-

ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-

چلتے ہو تو چین کو چلیے 130/-

نگری نگری پھرا مسافر 175/-

خطِ انشا جی کے 200/-

بستی کے اک کوچے میں 165/-

چاند نگر 165/-

دل وحشی 165/-

آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-

انتخاب کلام میر 160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-

طیف غزل 120/-

طیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے۔" ارمان بالآخر برا مان گیا۔

"او کے یار! میں مان لیتا ہوں، تمہارا لو کچھ اسپیشل ہو گا، اب بتاؤ کون ہے وہ؟" ارسلان قدرے سنجیدہ ہوا مبادا کہیں ارمان خفا نہ ہو جائے۔

"زویا سکندر سے۔" ارمان اس کے تصور میں گم ہوگیا۔

"نام سے آگے بھی بڑھ جاؤ، وہ کون سی مخلوق سے تعلق رکھتی ہے، انسان، جن زادی حور، پری۔"

"جو مرضی کہہ لو مگر جن زادی بول کے اس کے خوبصورت سراپے کی توہین مت کرو۔" ارمان نے تڑپ کے اس کی بات کاٹی۔

"او کے تمہارا یہ جھوٹ بھی مان لیتا ہوں، اس کی رہائش کہاں ہے؟ یقیناً پرستان میں ہو گی۔" ارسلان نے مذاق اڑایا۔

"وہ قائد آباد میں رہتی ہے۔" ارمان بولا۔

"کب سے جانتے ہو؟"

"تقریباً دو ماہ سے۔"

"اس کا فیملی بیک گراؤنڈ؟" ارسلان نے سنجیدگی سے جرح کی۔

"میں نہیں جانتا، بس یہ جانتا ہوں کے اس نے بی کام کیا ہے، اس کے والد کلرک ہیں، وہ ملازمت کرتی ہے۔"

"کیا تم نے اسے بتایا؟" ارسلان نے پوچھا۔

"نہیں وہ بہت باکردار سنجیدہ مہذب لڑکی ہے، کام کے سوا فضول باتیں نہ کرتی ہے نہ سنتی ہے۔" ارمان نے بتایا۔

"ڈائریکٹ رشتہ بھجوا دو۔" ارسلان نے مشورہ دیا۔

"یہی سوچا ہے لیکن اس کی رضا مندی سے بھجواؤں گا۔"

"کیا وہ بہت حسین ہے؟" ارسلان نے ارمان کی بے خودی سے یہ ہی اخذ کیا۔

"نہیں خوش شکل ضرور ہے، دیکھنے میں اچھی لگتی ہے۔" ارمان بولا۔

"اگر وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہوئی تو؟" ارسلان نے چھیڑا، ارمان کے چہرے پہ تاریک سایہ گزرا۔

"تو وہ میری قسمت۔" ارمان نے اداسی سے اپنے آپ سے جیسے کہا۔

"یار! تم تو سنجیدہ ہو؟" ارسلان نے اپنا تجزیہ سنایا۔

"اب کیا خیال ہے میرے لو کے متعلق؟" ارمان نے طنز کیا۔

"اپنے نظریے پہ میں قائم و دائم ہوں، جہاں لڑکے نے کسی دلکش لڑکی کو دیکھا، وہاں سے لو ہو گیا۔" ارسلان نے جواب دیا۔

"اللہ کرے تجھے کسی سے محبت ہو جائے اور پھر وہ تجھے ملے بھی نہ، جب تو اس کے ہجر میں تڑپے گا، تب تجھے پتہ چلے گا۔" ارمان نے جل کے بددعا دی۔

"میں شادی اپنی امی کی پسند سے کروں گا اور اس کے ہجر میں تڑپوں گا نہیں۔" ارسلان نے حتمی انداز میں کہا۔

دوسرے دن وہ ہفتے کے لئے حیدر آباد چلا گیا، حیدر آباد آنے کی وجہ وہ پیاری سی گڑیا "دعا" تھی جس کا وہ خوش نصیبی سے اکلوتا چاچو بنا تھا، یہ خوشی ایسی تھی جس کا سن کے اسے صبر نہیں ہوا اور وہ دیکھنے کے لئے بے تاب ہو گیا تھا، دعا بہت پیاری اور بھولی بچی تھی۔

"بھابھی! یہ کتنی پیاری ہے، کیا اس سے زیادہ کوئی پیاری بچی ہوگی۔" ارسلان نے گود میں لیٹی دعا کو چوما۔

"یہ بالکل آپ پہ گئی ہے۔" ارسلان نے سچائی سے کہا۔

"تمہارے بھائی بضد تھے کہ یہ ان پہ گئی ہے، جب کے میرا خیال ہے یہ میرا بچپن ہے۔" بھابھی نے دعا کو بغور دیکھا۔

"تھوڑی آپ پہ، کچھ بھائی پہ ہے۔" ارسلان بولا۔

"میں تمہاری دولہن پیاری سی لاؤں گی، پھر تمہاری بیٹی بہت پیاری ہوگی۔" بھابھی نے شرارت سے چھیڑا۔

"اور اگر وہ بہت پیاری نہ ہوئی تب۔" ارسلان کی آنکھوں کے آگے سانولی سلونی پرکشش سیپ جیسی آنکھوں والی کا سراپا آگیا۔

"تب بھی وہ پیاری ہوگی، کیونکہ تم خود جو اتنے ہینڈسم ہو۔" انہوں نے یقین سے جواب دیا۔

"ہاں یہ ممکن ہے۔" وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"ویسے جناب کے کیا ارادے ہیں؟ امی اب تمہاری شادی کے لئے سنجیدہ ہیں۔"

"بھابھی! ابھی بالکل نہیں، میں معاشی طور پر اتنا مستحکم نہیں ہوں کے آنے والی کو ایک پر آسائش زندگی دے سکوں۔" ارسلان سنجیدہ ہوا۔

"آنے والی اپنا نصیب اپنے ساتھ لاتی ہے، محبت ہو تو تھوڑی بہت تنگی، پریشانی سے میرڈ لائف پہ اثر نہیں پڑتا۔" بھابھی نے ارسلان کو آمادہ کرنا چاہا۔

"بھابھی! اب محبت اور ترجیحات بدل رہی ہیں آج کل کی لڑکیاں صابر نہیں ہوتی، مالی طور پہ تنگدستی ہو تو گھبرا جاتی ہیں اور جاب ڈھونڈنے گھر سے نکل جاتی ہیں۔" ارسلان نے طنز کیا۔

"مجھ پہ طنز کر رہے ہو۔" بھابھی نے فوراً کہا۔

"ارے نہیں بھابھی میرا مقصد آپ کو سنانا ہرگز نہیں ہے، آپ تو درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہیں، اسے میں جاب نہیں سمجھتا۔" ارسلان نے وضاحت کی۔

"میں، تمہیں دقیانوسی نہیں سمجھتی تھی۔" بھابھی نے حیرت سے جواب دیا۔

"بھابھی! میں نہ ہی دقیانوسی ہوں اور نہ قدامت پرست ہوں، میرا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر شوہر کی تنخواہ کم ہے تو عورت کی سمجھداری اس میں ہے کہ وہ اپنی ضرورتیں محدود کرے اور برے وقت میں صبر کر لے، نہ کہ شوہر کا سکون اڑائے ہر وقت تنگی کا رونا رو کے اور خود بھی پریشان ہو۔" ارسلان نے مزید وضاحت کی۔

"لیکن اگر وہ جاب کر کے شوہر کا بوجھ کم کرنا چاہے تو اس میں کیا حرج ہے۔"

"حرج نہیں ہے بھابھی! قدرت کے نظام کے مطابق معاش کی ذمہ داری مردوں کی ہے اور گھریلو امور کی ذمہ دار عورت ہے، اگر ہم اس نظام کو لے کر چلیں تو زیادہ بہتر ہے، ورنہ آج کل میں نے دیکھا ہے کے خواتین صبح سے شام تک آفس میں سر کھپاتی ہے، اس کے بعد وہ تھکی ہاری گھر آتی ہے، ایسے میں نہ ان کے پاس بچوں کی اخلاقی تربیت کا وقت ہوتا ہے، نہ گھر کے لئے، گھر، گھر نہیں لگتا، بچے دن بھر میں کیبل دیکھتے ہیں، جو ان کی مما خود ان کے کارٹون نیٹ ورک دیکھنے کے لئے لگواتی ہیں، تا کہ یہ تنگ نہ کریں جب کہ بچوں کی فطرت میں تجسس ہے، وہ ہر چیز کو جاننا چاہتے ہیں، بہت دن وہ ایک چیز پہ نہیں ٹکتے، نتیجہ وہ کارٹون سے بہت جلد ہی ٹی وی ڈرامے پہ آجاتے ہیں پھر اس سے اکتا کے دوسرے چینلز کی طرف نکل جاتے ہیں جن کی وجہ سے آج یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے معاشرے کا حال ہے۔'' ارسلان تلخ ہوا۔

''تم تو بہت حساس اور سنجیدہ ہو، ورنہ ابھی تک میری نظر میں تمہاری شخصیت کا جو تاثر تھا وہ شوخ لاابالی اپنی من مانی کرنے والا تھا۔'' بھابھی نے متاثر ہو کے کہا۔

☆☆☆

ارسلان کو کراچی آئے ہفتہ ہو گیا تھا، ارمان بہت خفا تھا، کے وہ اب تک واپس کیوں نہیں آیا، جبکہ ارسلان کا آ کے جانے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا، دعا اسے بہت عزیز تھی، دل ہی نہیں کرتا تھا اسے چھوڑ کے جانے کو، امی ابو بھائی بھابھی سب اسے جانے بھی نہیں دے رہے تھے، فی الحال وہ بھی سکون محسوس کر رہا تھا، ہال البتہ ارمان کو اور اس اجنبی لڑکی کو یاد کرتا تھا۔

رات کے دو بجے کا وقت تھا، جب اس کے موبائل پہ ہپ ہوئی، وہ جاگ رہا تھا، کوئی نظم تھی جو Unkown نمبر سے تھی۔

کوئی تو ہوتا
میں جس کے دل کی کتاب بنتا
میں جس کی چاہت کا خواب بنتا
میں ہجر موسم کی لمبی راتوں میں یاد بن کر
عذاب بنتا
کوئی تو ہوتا
جو میری خواہش میں اٹھ کے
راتوں کو خوب روتا
دکھوں کی چادر لپیٹ کر وہ
ہجوم دنیا سے دور ہوتا
میں روٹھ جاتا
مناتا مجھ کو
کہ چاہے میرا قصور ہوتا
کوئی تو ہوتا

''واقعی کوئی تو ہوتا۔'' ارسلان پڑھ کے زیر لب خود سے بولا۔

''وہ ہے تو لیکن میرے جذبات، میری خالص کھری بے غرض محبت سے بے خبر، خیر ایک دن اسے سب بتاؤں گا۔'' ارسلان سوچ کے مسکرایا۔

☆☆☆

''کاش میں زویا سکندر کو اپنا حال دل سنا سکوں۔'' ارمان بے قراری سے آفس میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا، کال کر کے زویا سکندر کو بلایا۔

''مس زویا! آپ اپنا پورا ایڈریس لکھوائیں۔'' نجانے کس خیال کے تحت وہ پیپر لے کے بیٹھا۔

''وہ کس لئے سر!'' زویا نے دریافت کیا۔

''وہ اس لئے کہ مس زویا یہ ہمارے آفس کا اصول ہے، آپ کا ایڈریس ریکارڈ سے مس ہو گیا۔'' وہ بنا سوچے سمجھے جھوٹ بول گیا۔

''جی سر لکھیں۔'' زویا ایڈریس لکھوا کے چلی گئی، ارمان اس کی بے نیازی اور ریزو طبیعت کی بناء پر بہت محتاط تھا۔

''ارسلان کو فون کرتا ہوں۔'' پھر ارمان نے سوچا۔

''ارسلان! میں کیا کروں یار مجھے سمجھ نہیں آتی میں کیا کروں۔'' ارمان جھنجھلایا۔

''یار! تم خوش نصیب ہو نام اور ایڈریس سے واقف ہو، رشتہ بھجوا سکتے ہو اگر شریفانہ طریقہ اختیار کرو، مجھے دیکھو نام سے بھی بے خبر ہوں۔'' ارسلان نے آہ بھری۔

''پھر وہاں کیوں بیٹھا ہے، یہاں آ مردانہ وار ہمت سے کام لے۔'' ارمان نے للکارا۔

''جی اور ہمت کے نتیجے میں اسٹاپ پہ دیگر لڑکوں سے مار کھاؤں۔'' ارسلان نے طنز کیا۔

''تم بہت بزدل ہو تم کامیاب ہونے والے نہیں، تم جیسے لوگ محبت کے قابل نہیں، ایک لڑکی فتح کر نہیں سکے، چلے ہو محبت اور عشق کی منزلیں طے کرنے۔'' ارمان چڑا۔

''آپ جناب کے کیا کہنے آپ تو سکندر اعظم ہیں، آدھی دنیا فتح کر چکے ہیں۔'' ارسلان نے طنز کیا۔

''تم سے بہر حال بہتر ہوں، تمہیں خوش خبری جلد ہی سناؤں گا۔'' ارمان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ تم کوئی خوش خبری سناؤ۔'' ارسلان نے خلوص دل سے کہا۔

''تم واپس آ جاؤ یار بور کر دیا ہے۔'' ارمان بولا۔

''بس دس دن صبر کر لو۔'' ارسلان مسکرایا۔

''کیا بکواس ہے دس دن۔'' ارمان چلایا۔

''بہت کم ہیں یار دس دن۔'' ارسلان نے چھیڑا ارمان نے غصے میں فون بند کر دیا۔

☆☆☆

موسم سرما شروع ہو گیا تھا، دسمبر تھا، ارسلان ٹیرس پہ چائے کا مگ لئے کھڑا تھا، وہ تنہا تھا، آج سب کسی دعوت میں گئے تھے، تب ہی موبائل پہ ہپ ہوئی، اسی Unkown نمبر سے میسج تھا۔

اسے کہنا دسمبر آ گیا ہے
دسمبر کے گزرتے ہی برس اک اور ماضی کے
گھپ اندھیرے میں ڈوب جائے گا
اسے کہنا دسمبر لوٹ آئے گا
مگر جو خون سو جائے گا جسموں میں
نہ جائے گا
اسے کہنا ہوائیں سرد ہیں
اور زندگی کہرے کی دیواروں میں لرزاں ہے
اسے کہنا شگوفے ٹہنیوں پہ سو رہے ہے
اور ان پر برف کی چادر بچھی ہے
اسے کہنا اگر سورج نہ نکلے گا
تو کیسے برف پگھلے گی
اسے کہنا کے لوٹ آئے

کچھ دیر ارسلان نظم کے سحر میں ڈوبا رہا۔

''کوئی ہے یہ آدھی رات کو میسج کر کے نظموں کے ذریعے اپنے جذبات پہنچا رہا ہے، ویسے یہ بھی مہذب طریقہ ہے۔'' ارسلان نے سوچا۔

''ہیلو! میں ارسلان ہوں۔'' ارسلان نے کچھ دیر میں اسے ری پلائے کیا، تاکہ وہ غلط فہمی میں نہ رہے۔

''میں جانتی ہوں آپ ارسلان حسام احمد ہیں۔'' فوراً جواب آیا، یہ پڑھ کے ارسلان بری طرح چونک گیا۔

''یہ کون ہے؟ یہ لڑکی ہے اور مجھے جانتی ہے۔''

جبکہ حلقہ احباب میں ارسلان کسی لڑکی سے دوستی تو دور دعا سلام بھی نہ تھی، وہ اپنی کزنز سے بھی حد میں رہ کے کام کی بات کرتا تھا، یہ ہی حال یونیورسٹی اور آفس میں تھا، یہاں تک کے وہ چچا کے گھر میں رہ کے دانیہ سے بھی فرینک نہیں تھا اور دانیہ بھی سنجیدہ مزاج تھی، اپنی ذات اور گھر کے کاموں میں اور پڑھائی میں مگن، اس نے اسے کبھی بلا ضرورت مخاطب نہیں کیا، دیگر کزنز سے کبھی کبھار ہی ملنا ہوتا تھا۔

''پھر کون ہو سکتی ہے؟'' ارسلان الجھا۔

''آپ اپنا نام بتائیں۔'' ارسلان نے میسج سینڈ کیا۔

''محبت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔'' بے تکا جواب پڑھ کے ارسلان بدمزہ ہوا۔

''مجھے صرف آپ کا نام جاننا ہے، آپ مجھے میسج کیوں کرتی ہیں۔'' ارسلان نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے کہنا کہ پلٹ آئے کہ اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے

جواب میں شعر پڑھ کے ارسلان کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

''محترمہ! آپ کیا چاہتی ہیں؟'' ارسلان نے لکھا۔

''کیا بتانا ضروری ہے، آپ اتنے نادان تو نہیں لگتے۔''

''مس! آپ کی ادھوری باتیں مجھے سمجھ نہیں آتی، پلیز اپنا نام بتائیے اور اپنا مقصد۔'' ارسلان نے لکھا۔

اسے میں نے ہی لکھا تھا
کہ لہجے برف ہو جائیں تو پھر پگھلا نہیں کرتے
پرندے ڈار کے اڑ جائیں تو لوٹا نہیں کرتے
اسے میں نے ہی لکھا تھا
یقین اٹھ جائے تو شاید کبھی واپس نہیں آتا
ہواؤں کا کوئی طوفاں بھی بارش نہیں لاتا
اسے میں نے ہی لکھا تھا۔
اسے لکھنا وہ بے معنی ادھورا خط
اسے میں نے لکھا تھا

اسے کہنا کے دیوانے مکمل خط نہیں لکھتے

جواب میں نظم پڑھ کے اسے یقین ہو گیا کہ محترمہ کی دماغی حالت درست نہیں۔

''مجھے جان کے دکھ ہوا کے آپ کا دماغی توازن درست نہیں۔'' ارسلان نے لکھا۔

''آپ علاج کر دیں افاقہ ہو گا۔'' اس نے فرمائش کی۔

''آپ کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کریں۔'' ارسلان نے مشورہ دیا۔

''میرا مرض لاعلاج ہے، ڈاکٹر حکیم جواب دیں چکے ہیں۔'' محترمہ نے ڈھٹائی سے اعتراف کیا۔

''اوصبر کیجئے، اللہ سے رجوع کریں، آپ کے پاس وقت کم ہے، میسج پہ ضائع مت کیجئے جائے نماز بچھائے اور مغفرت طلب کریں۔'' ارسلان نے جواب دیا۔

''مایوسی کفر ہے، مجھے دماغ کا نہیں دل کا مرض لاحق ہے اور اس کا علاج صرف آپ کر سکتے ہیں۔'' محترمہ کا جواب پڑھ کے ارسلان نے موبائل آف کر دیا۔

''نجانے کون پاگل ہے، کہیں ارمان تو نہیں۔'' ارسلان نے سوچا اور سکون سے لیٹ کے سو گیا۔

☆☆☆

''آج میں زویا سکندر سے بات کر کے ہی رہوں گا۔'' ارمان نے پکا ارادہ کیا۔

زویا سکندر کو آج بخار تھا، اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''اسے آج کیا ہوا؟'' ارمان کو تشویش لاحق ہوئی۔

''لگتا ہے طبیعت خراب ہے، آج اسے آفس نہیں آنا چاہیے تھا۔'' ارمان نے ہمدردی سے سوچا۔

''مجھے چھٹی لے لینی چاہیے۔'' زویا نے درخواست لکھی، ہاف لیو۔

''سر قیوم کہاں ہیں؟'' زویا نے کلرک سے پوچھا۔

''مس! وہ گھر چلے گئے۔'' کلرک نے جواب دیا۔

''یہ اپیلی کیشن ہے، میں کیے دوں۔'' زویا نے دریافت کیا۔

''سر ارمان کو دے دیں۔'' کلرک نے کہا، زویا نے گیٹ ناک کیا۔

''یس کم آن!'' ارمان نے بنا دیکھے کہا،

وہ مکمل طور پہ کمپیوٹر پہ متوجہ تھا۔

پل میں اس کے وجود کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی، ارمان اس وقت چائے کے انتظار میں تھا، بارہ بجے چائے ملتی تھی، اس کی آمد متوقع تھی، ارمان نے چونک کے دیکھا۔

سی گرین کاٹن کے سمپل سوٹ میں وہ ہاتھ میں فولڈ کیا کاغذ لئے اس کی منتظر تھی۔

''اے کاش وقت تھم جائے۔'' ارمان نے دعا کی۔

''جی مس!'' ارمان کھڑا ہوا۔

''سر! میری طبیعت ٹھیک نہیں، میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے، مجھے چھٹی چاہیے۔'' زویا بولی۔

''وائے ناٹ! مس زویا سکندر آپ ایسا کریں کل اور پرسوں بھی نہ آیئے، آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں اور اگر میری مدد کی ضرورت ہو مجھے بتائیں، لیکن آپ کل نہیں آئیں گی۔'' ارمان نے تیزی سے کہا۔

''جی سر!'' زویا نے حیرت سے دیکھا اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''امی آج مجھے جانا ہو گا، آفس سے فون آ رہا ہے۔'' ارسلان نے اجازت طلب کی۔

''کہا تھا مت جا لیکن تو نے نہیں ماننی۔'' وہ خفا ہوئیں۔

''میری پیاری امی صرف ڈیڑھ برس کی بات ہے۔'' ارسلان نے دلاسہ دیا۔

''پھر تو یہی نوکری کرے گا نا؟'' انہوں نے خوشی سے پوچھا، ارسلان کی ضد سے واقف جو تھیں۔

''نہیں امی وہاں ہی جاب کروں گا، لیکن اس سے بہتر ہو گی اور آتا جاتا رہوں گا۔''

ارسلان بولا۔

''اور تیری بیوی کہاں رہے گی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کون سی بیوی؟'' وہ مسکرایا۔

''جس سے تیری شادی ہو گی۔'' وہ بولیں۔

''ابھی دور ہے امی، ابھی سیٹل ہونا ہے۔''

''پیسہ انسان ساری زندگی ہی کماتا ہے اور اسے یہ ہی لگتا ہے کہ ابھی اور کمانا ہے، لیکن مجھے بھی تو فرض ادا کرنا ہے۔'' انہوں نے فکرمندی سے کہا۔

''امی! مجھے ڈیڑھ سال ہر حال میں درکار ہیں، پلیز جب تک میری اسٹڈی کمپلیٹ نہیں ہو جاتی، آپ اس موضوع پر مجھ سے بات نہیں کریں گی۔'' ارسلان نے دھیمے سے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن اس کے بعد میں ایک نہیں سنوں گی۔'' انہوں نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔

''امی! اس کے بعد میں خود آپ سے کہوں گا اور مہ جبین کے گھر بھیجوں گا۔'' ارسلان نے شرارت سے کہا۔

''او تو ایسی بات ہے، کون ہے وہ، کہاں رہتی ہے، ساتھ پڑھتی ہو گی ہے نہ۔'' انہوں نے اشتیاق سے پوچھا، پھر خود ہی قیاس آرائی کی۔

''امی! میں تو مذاق کر رہا تھا، ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ارسلان گھبرایا۔

''اچھا اب ماں سے بھی چھپائے گا، میں تیری ماں نہیں دوست بھی ہوں۔'' انہوں نے سادگی سے کہا۔

''امی بے شک آپ میری بہت اچھی دوست بھی ہیں لیکن جیسے ہی مجھے اس کا نام پتہ ملا، میں آپ کو ہی بتاؤں گا، پھر آپ اور بھابھی جانا اس کے گھر۔'' ارسلان مسکرایا۔

''ساتھ پڑھتی ہے اور نام بھی تجھے نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتہ، حد کر دی۔'' انہوں نے اعتراض کیا۔
''امی! وہ میری کلاس میٹ نہیں ہے، وہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے، اس کا ڈیپارٹمنٹ الگ ہے۔'' ارسلان بولا۔
''پھر تو نے کیسے دیکھا، یوں کیسے جانے گا تو اس کے بارے میں۔'' انہوں نے مایوسی سے کہا۔
''امی! آپ دعا کرنا، مجھے وہ مل جائے۔'' ارسلان نے بے خیالی میں دل کی بات کہہ دی۔
''تو معاملہ یہاں تک آن پہنچا۔'' وہ مسکرائیں۔
''نہیں، میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔'' وہ شرمندہ ہوا۔
''ٹھیک ہے میں دعا کروں گی۔'' وہ بولیں۔
''امی! آپ خوش ہیں نہ؟'' ارسلان نے پوچھا۔
''بیٹا! ماں کی خوشی بچوں کی خوشی میں ہے۔'' وہ محبت سے بولیں، ارسلان مطمئن سا ہو گیا تھا اور واپسی کی تیاری کرنے لگا۔

☆☆☆

''یار! اتنے دن لگائے میں بچ میں بور ہو گیا تھا۔'' ارمان نے گلہ کیا۔
''بور کیوں، وہ مس زویا سکندر کیسی ہے؟''
''یار! ٹھیک ہے، اسے بخار تھا، اب ٹھیک ہے، میں نے اس کا ایڈریس لے لیا ہے۔'' ارمان نے قدرے فخر سے بتایا۔
''صرف ایڈریس ہی لیا، دل وغیرہ۔'' ارسلان نے چھیڑا۔
''یار! وہ کہاں موقع دیتی ہے۔'' ارمان نے چائے کا کپ اٹھایا۔
''میں نے کہا تھا نہ تم نہیں کر پاؤ گے بات۔'' ارسلان مسکرایا۔
زندگی اپنی روٹین لائف پہ آ گئی تھی، ارسلان کے سمسٹر چل رہے تھے، وہ بزی تھا، ارمان ان دنوں اپنی والدہ کو منانے میں مشغول تھا۔
''امی! آپ صرف ایک مرتبہ میری خوشی کے لئے اس کے گھر جائیں، وہ بہت سویٹ ہے۔'' ارمان بولا۔
''ہرگز نہیں جب مجھے وہاں رشتہ کرنا نہیں ہے پھر کیوں جاؤں، میں تیرے لئے فاروق بھائی کی ملیحہ لاؤں گی۔'' وہ برہم ہوئیں۔
''امی! مجھے اس ملیحہ سے کسی صورت شادی نہیں کرنی، آپ بے شک زویا سے مت کریں، میں برداشت کر لوں گا، لیکن ملیحہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔'' ارمان چلایا۔
''کیوں کیا خامی ہے، اتنی اچھی اور پیاری لڑکی ہے۔'' وہ غصے میں آ گئیں تھیں۔
''آپ براہ کرم اس اتنی اچھی اور پیاری لڑکی کو اس کے گھر میں ہی رہنے دیں، امی مجھے ایسی لڑکیاں پسند نہیں ہیں، وہ میری آئیڈیل نہیں ہے۔'' ارمان چڑ گیا تھا۔
''ٹھیک ہے اگر ملیحہ نہیں تو زویا بھی نہیں۔'' انہوں نے فیصلہ کیا، ارمان بے بسی سے انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''ارسلان امی آمادہ نہیں ہیں۔'' ارمان افسردہ تھا۔
''میری والدہ ماجدہ راضی نہیں زویا سکندر کے لئے۔'' انہوں نے صاف انکار کر دیا۔
''انکار کی وجہ۔'' ارسلان نے پوچھا۔
''مس ملیحہ فاروق۔'' ارمان نے دانت پیسے۔

''یہ ہوئی نہ بات، ویسے ملیحہ ٹھیک رہے گی۔'' ارسلان خوش ہوا۔
''میرے لئے نہیں تیرے لئے پرفیکٹ رہے گی، یاد ہے مونا کی شادی میں بہانے سے تیرے اردگرد گھوم رہی تھی۔'' ارمان نے جل کے کہا۔
''اس سے کیا فرق پڑتا ہے، منصور کی شادی میں وہ کامران پہ جی جان سے عاشق تھی، مریم کی شادی میں علی سے اس کا افیئر زوروں پہ تھا۔'' ارسلان نے حساب برابر کیا۔
''اب میں کیا کروں۔'' ارمان نے سر تھاما۔
''اصل میں آنٹی بہت بھولی ہیں، وہ ملیحہ کی چلتر بازیوں کو اس کا مذاق سمجھتی ہیں، انہوں نے تمہارے لئے شروع سے ملیحہ کو سوچا تھا، اب زویا کا سن کے فوراً آمادہ نہیں ہو گی۔'' ارسلان نے رسان سے کہا۔
''ایک حل یہ ہے کہ ملیحہ فاروق کو کوئی زبردست سا رشتہ آ جائے۔'' ارمان نے کہا۔
''جی! اور ماموں جان کو وہ ارمان احمد سے ہر لحاظ سے موزوں لگے۔'' ارسلان بولا۔
''ایسا رشتہ خاندان میں کیا دور تک حلقہ احباب میں نہیں۔'' ارمان نے فرضی کالر جھاڑے۔
''بجا فرمایا، اس لئے ماموں جان صرف تمہارے لئے رضامند ہونگے، میں آنٹی سے آج ہی کہتا ہوں کے ملیحہ، ارمان کے لئے بہتر ہے اور آپ کی اکلوتی بھتیجی کو اس سے اچھا لڑکا کہیں نہیں ملے گا۔'' ارسلان مطمئن ہوا۔
''یہ غضب مت کرنا، امی جان کو نجانے کیا اس میں نظر آتا ہے۔'' ارمان بیزاری سے بولا۔
''ہیرے کی پہچان جوہری کو ہوتی ہے، تم اس کی سلیقہ مندی سے واقف نہیں۔'' ارسلان بولا۔
''یار! ایک حل ہے۔'' ارمان جوش سے بیڈ سے اٹھ کے پاس آیا۔
''کون سا؟'' ارسلان حیران ہوا۔
''مجھ سے بہتر رشتہ مل گیا۔'' ارمان خوش ہوا۔
''مجھے سو فیصد یقین ہے، ماموں کو اپنی دختر نیک اختر کے لئے تجھ جیسا خوبرو نیک شریف النفس داماد کہاں ملے گا۔'' ارمان نے سنجیدگی سے کہا۔
''کیا مطلب؟'' ارسلان کو جیسے کرنٹ لگ گیا۔
''مطلب یہ کے دوست، دوستی قربانی مانگ رہی ہے۔'' ارمان رنجیدہ ہوا۔
''کیسی قربانی؟'' ارسلان مشکوک ہوا۔
''مجھے پہلے یہ بتا کے ایک طرف ہماری بچپن کی دوستی ہے اور ایک طرف تیری بس اسٹاپ کی، جمعہ، جمعہ آٹھ دن کی محبت ہے، تو کسے چوز کریں گا۔'' ارمان نے جذباتی انداز میں پوچھا۔
''دوستی۔'' ارسلان نے لمحہ بھر میں جواب دیا۔
''مجھے تجھ سے یہ ہی توقع تھی۔'' ارمان نے جھٹ ارسلان کو گلے لگایا۔
''دور ہو یار! ہفتے میں ایک بار تو نہاتا ہے، اب تک لائف بوائے کی آ رہی ہے۔'' ارسلان نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے برا منہ بنایا۔
''لیکن تجھ میں سے مجھے خلوص کی چاہت کی، خوشبو آ رہی ہے۔'' ارمان نے خوش دلی سے کہا۔
''وہ تو ہمہ وقت آتی ہے۔'' ارسلان اترایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یار! بس اب یہ کرتے ہیں، تیرا رشتہ ملیحہ کے لئے بھجواتے ہیں، وہ او کے ہو جائے گا، امی زویا کو میرے لئے او کے کر دیں گی۔'' ارمان نے اپنا منصوبہ پیش کیا۔

''کیا مطلب؟ یہ کیسا بے ہودہ مذاق ہے۔'' ارسلان چلایا۔

''مذاق نہیں حقیقت اور بے ہودہ نہیں، بہت سہانا خواب ہے۔'' ارمان فوراً بولا۔

''لیکن میں کہاں سے آ گیا۔'' ارسلان پریشان ہوا۔

''اس لئے کے تو نے دوستی پہ اپنی محبت قربان کر دی۔'' ارمان نے یاد دلایا۔

''جی لیکن ہرگز آپ کے ماموں جان کی دختر نیک اختر کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی مجھ سے اتنی بڑی قربانی کی امید رکھنا۔'' ارسلان صاف گوئی سے بولا، ارمان بھی سن کر تپ گیا۔

''تجھ جیسے دوست دوستی پہ دھبہ ہے، تجھے کیا پتہ دوستی کی قدر و قیمت کا، میں نے غلطی کی جو تجھے اپنا عزیز دوست سمجھا۔''

''واہ ابھی مجھ سے چاہت اور خلوص کی سچی دوستی کی خوشبو آ رہی تھی۔'' ارسلان نے یاد دلایا۔

''دفعہ ہو جا، میری نظروں سے دور۔'' ارمان کمرے سے باہر نکل گیا۔

''بیچارہ زویا سکندر کے عشق میں غرق ہو گیا، کیوں نہ میں اس کی سنجیدگی سے مدد کروں، تو اسے بھی اس کی منزل مل جائے گی۔'' ارسلان نے سوچا۔

☆☆☆

آج صبح سے موسم بہت اچھا تھا، گہرے سیاہ بادلوں نے آسمان کو چھپایا ہوا تھا، ٹھنڈی ہوا کے سرد جھونکے جہاں انسان کو سرشار کر رہے تھے، وہی درختوں اور پتوں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے، ارسلان خوشگوار موڈ میں کیفے ٹیریا میں گرم چائے اور کیک آڈر کیے بیٹھا تھا، موسم کی مہربانی کی وجہ سے آج معمول سے زیادہ رش تھا، گروپ کے گروپ تھے، ان کے اونچے اونچے قہقہے گو کہ سکون میں گراں تھے، لیکن ارسلان بھی سب بھلا کے موسم انجوائے کرنے لگا، تب ہی اس کی نظر ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھی اس مہ جبین پر پڑی، فاصلہ زیادہ نہیں تھا، ارسلان کا دل انجانی خوشی سے دھڑکنے لگا۔

''عظمیٰ میں نے ابو سے کہا کے میں اب جاب چھوڑ دوں گی، خرم سعودیہ میں سیٹل ہو گیا ہے، اس نے پیسے بھیجنے شروع کر دیئے، زوہیب کو ابو کی جگہ اپائنٹ کر لیا، اب مشکلیں ختم ہو گئیں۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا، پھر کب چھوڑ رہی ہو جاب؟'' اس کی دوست نے دریافت کیا۔

''دسمبر کا ایگری منٹ تھا، اب جون میں جان چھوٹے گی، ایم ڈی صاحب بھی نہ بس اپنی کرتے ہیں۔'' اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

''اور تمہارے چچا زاد کے پرپوزل کا کیا ہوا؟'' عظمیٰ کے پوچھنے پہ وہ تڑپ اٹھا، یہ خیال ہی جان لیوا تھا، کہ کوئی اور اسے لے جائے۔

''امی نے منع کر دیا، مجھے سخت چڑ ہے، اس جیسے عاشق، آوارہ لوگوں سے۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''وہ تمہارے مسٹر سوبر نظر نہیں آ رہے۔'' عظمیٰ نے چھیڑا۔

''یہ اب دوسرا کون آ گیا۔'' ارسلان کی تشویش بڑھ گئی۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ کوک پینے لگی۔

''یار! وہ بیچارہ شکل اور حرکات سے سوبر لگتا ہے، لیکن تمہیں دیکھ کے کبھی کبھار اپنی آنکھوں

اختیار کھو بیٹھتا ہے۔'' عظمیٰ کہہ کے ہنسنے لگی۔

''تمہیں بہت فکر ہو رہی ہے۔'' اس نے گھورا۔

''فکر تو انسانیت کے ناطے ہو رہی ہے، کہاں مہینوں دھوپ گرمی میں ثابت قدمی سے اسٹاپ پہ کھڑا رہتا تھا اور کہاں اتنے اچھے موسم میں غائب ہے۔'' عظمیٰ کی بات پہ اس کی خوشی دیدنی تھی۔

''یہ میری باتیں کر رہی ہے، انہوں نے مجھے نوٹس کیا ہے، وہ انجان نہیں میرے جذبوں کی صداقت سے۔'' ارسلان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

''کوئی اور نظر آ گئی ہو گی، یہاں تو ویسے ہی اتنی خوب صورت شوخ، بے باک لڑکیاں وافر تعداد میں ہے۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا، ارسلان نے ایک خفا سی نظر اس پہ ڈالی اور نجانے وہ کن خیالوں میں تھا، غصے میں اس انجان لڑکی کے قریب جا پہنچا۔

''مس! آپ بے شک میرے جذبوں کی صداقت پہ یقین نہ کریں، لیکن میری توہین کرنے کا بھی حق نہیں۔'' ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

اچانک اس افتاد پہ وہ دونوں بوکھلا گئیں اور حیرت سے اسے دیکھتی رہے گی، تب تک وہ تیزی سے لمبے لمبے قدم چلتا غائب ہو گیا، کچھ دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

''یہ کہاں سے آ گیا تھا، اسے کیسے پتہ چلا؟'' عظمیٰ حیرت سے چلائی۔

''شاہ جنات۔'' عظمیٰ کی دوست زیر لب کہہ کے مسکرانے لگی۔

''کتنا ہرٹ ہوا ہو گا۔'' عظمیٰ کا نرم دل ہوا لیکن وہ جواباً اپنی توجہ چاٹ پر مرکوز کیے ہوئے تھی، لیکن ذہن آج کے واقعے کی طرف تھا۔

☆☆☆

''مس زویا سکندر کیا آپ کہیں انگیج ہیں؟'' ارمان بالآخر آج پوچھ بیٹھا۔

''سوری سر! یہ پرسنل میٹر ہے۔'' زویا سکندر بے نیازی سے بولی۔

''بالکل لیکن ہم کولیگ ہیں اور کولیگ کا اتنا بھی حق نہیں، ایک دوسرے کے بارے میں باخبر رہیں۔'' ارمان نے شکوہ کیا۔

''لیکن میری اپنے کسی کولیگز سے اتنی دوستی نہیں کہ میں ان سے ذاتی معاملات میں بات چیت کروں۔'' زویا نے ارمان کو دیکھ کے باور کروایا۔

''ٹھیک ہے، میں نہ آپ سے کولیگز کا رشتہ رکھنا چاہتا ہوں، نہ دوستی کے رشتے کا طلبگار ہوں، کیونکہ ان رشتوں کی آپ کے نزدیک اہمیت نہیں ہے۔''

''مس زویا سکندر آپ بتانا پسند کریں گی کہ وہ کون سا رشتہ آپ سے بناؤں، جس کی اہمیت ہو۔'' ارمان قدرے برہم ہوا، لیکن زویا کو جاتے دیکھ کے پٹڑی سے اتر گیا۔

''مس زویا سکندر میں آپ کو پسند کرتا ہوں، آپ سے دل کا رشتہ چاہتا ہوں۔''

''مسٹر ارمان احمد! میں یہاں جاب کے لئے آئی ہوں، رشتے بنانے نہیں، بہتر ہو گا، آپ بھی مجھ سے رشتہ بنانے کا خیال چھوڑ دیں۔'' زویا نے دھیمے لیکن سخت لہجے میں کہا اور چل دی، ارمان افسردہ سا بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

''یار! حد کر دی آج اس نے نجانے کیا سمجھنے لگی ہے خود کو، وہ کون سا کرینہ کپور ہے، جو میری محبت کو قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارمان برہم ہوا۔

"کرینہ کپور نہیں ہے، تب ہی تو ہچکچا رہی ہے، بے نیازی برت رہی ہے۔" ارسلان نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"یار! کیا کروں۔" ارمان انگلیاں بالوں میں پھنسائے الجھا بیٹھا تھا۔

"شریفانہ طریقہ اختیار کر میرے یار وہ شریف لڑکی ہے، شادی کا فیصلہ اپنے گھر والوں پہ چھوڑے گی۔"

"یار! میں کی رضامندی جاننا چاہتا تھا۔" ارمان بے بسی سے بولا۔

"رضامند وہ نہیں ہوگی، اب شادی کے بعد ہی ہوگی۔" ارسلان نے اس کا موڈ چینج کرنا چاہا۔

"میرے ساتھ دیکھ کیا ہو رہا ہے۔" ارسلان اداس تھا اور پھر آج کی ساری بات سنائی۔

"یار! مجھے لگتا ہے وہ دل ہی دل میں تجھے پسند کرتی ہے، لیکن انا پرست ہوگی، دوست کے سامنے بھی اقرار نہیں کر رہی ہوگی۔" ارمان نے قیاس آرائی کی۔

"جناب ہمارے ایسے نصیب کہاں۔" ارسلان نے آہ بھری۔

"ارے تو خود ہی ڈھیلا ہے، ورنہ اب تک وہ تیری مٹھی میں ہوتی۔" ارمان نے لتاڑا۔

"جی بجا فرمایا، جیسے مس زویا سکندر آپ کی مٹھی میں ہے۔" ارسلان نے جواباً طنز کیا۔

"یار! وہ لڑکی ذرا مختلف ہے، اس لئے مجھے دقت ہو رہی ہے، ورنہ کوئی اور ہوتی تو اب تک مٹھی میں ہو ہوتی۔" ارمان نے وضاحت کی۔

"یار! کاش دانیہ اس کی کلاس فیلو ہوتی، میری مشکل آسان ہو جاتی۔" ارسلان نے کہا۔

"ہمت کر، دوسروں کی ذات کا سہارا مت لے، اب مجھے دیکھ زویا سے بات کرتے ہوئے ڈر بھی لگ رہا تھا، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک آدھ تھپڑ بھی توقع کر رہا تھا۔" ارمان نے بتایا۔

"یار! میں آج آنٹی، انکل کو مناؤں گا۔" زویا سکندر کے لئے، ارسلان بولا۔

"جیئے یار! تجھ سے یہ ہی امید کی جا سکتی ہے۔"

"بھائی! مجھے مونا کے گھر جانا ہے۔" اتنے میں دانیہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"سوری! مجھے شان کے ساتھ جانا ہے، ہمارا کرکٹ ٹورنامنٹ چل رہا ہے، تم ارسلان کے ساتھ چلی جاؤ۔" ارمان نے صاف انکار کیا۔

"چلو اگر جانا ہے تو۔" ارسلان نے بے دلی سے کہا۔

"نہیں رہنے دیں، میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔" دانیہ کے چہرے پہ گھبراہٹ اور شرم کے ملے جلے تاثرات تھے، جنہیں لاشعوری طور پہ ارسلان دیکھے گیا۔

"تمہاری مرضی ہے۔" ارسلان بھی مطمئن ہوا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ان میں بہت فاصلہ تھا، دانیہ بہت جھجکتی تھی، ارسلان بھی خوامخواہ اس سے بات کرنے سے گریز کرتا تھا۔

☆☆☆

"کیفے ٹیریا چلیں۔" عظمیٰ بولی۔

"ہاں چلو۔" وہ جیسے تیار ہی تھی۔

"حیرت ہے، ورنہ تمہاری منتیں کرنی پڑتی ہے۔" عظمیٰ اس کے راضی ہونے پہ بولی۔

"چائے کا موڈ ہے۔" وہ کتابیں سمیٹنے لگی، اتفاق تھا کہ اس وقت ارسلان کا بھی چائے کا موڈ تھا۔

عظمیٰ کے ساتھ باتوں میں مشغول ہونے

کے باوجود اس کی نگاہیں لاشعوری طور پہ اسے تلاش کر رہی تھی۔

تب ہی وہ سامنے سے آتا دکھائی دیا، بلیک پینٹ اور گرے شرٹ میں ڈیسنٹ اور ہینڈسم، اجنبی، جو آخر کار اسے متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور وہ انجانے میں اسے سوچنے لگی تھی، اس کی آنکھیں یونیورسٹی کیفے ٹیریا، لائبریری میں اس کی منتظر رہنے لگی تھی، لیکن یہ اعتراف اس نے خود سے بھی نہیں کیا تھا۔

"شاہ جنات۔" بے ساختہ اسے دیکھ کے اس کے لبوں پہ آیا۔

"کہاں؟" عظمیٰ چونکی۔

"کہیں نہیں، تم چائے پیو۔"

عظمیٰ بھی چائے اور رول کی جانب متوجہ ہو گئی تھی ارسلان نے بلا ارادہ آس پاس دیکھا اور پھر اس مہ جبین کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

پنک کلر کی ائر لائن فراک اور ڈارک کلر کے ٹراؤزر، پہنے ہاتھوں میں ہم رنگ بریسلٹ پہنے، وہ اسے دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگی۔

جو میری روح کو چین دیں
پیار دیں
وہ خوشی بن گئے ہو تم
زندگی بن گئے ہو تم

ارسلان دھیرے سے گنگنانے لگا، ارسلان کی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کے اس نے دیکھا، ارسلان شرمندہ ہو کے رخ بدل گیا۔

"نجانے اسے دیکھ کے بے اختیار کیوں ہو جاتا ہوں۔" ارسلان نے خود کو لتاڑا۔

"بس کچھ دن کی بات ہے، پھر میں اس حسینہ سے بات کر لوں گا۔" ارسلان نے سوچا۔

"آنٹی! آپ پلیز ارمان کی خوشی کا خیال کریں۔" ارسلان نے ارمان کی والدہ سے کہا۔

"ساری زندگی اس نالائق کا ہی خیال رکھا ہے، میری خوشی کا وقت تو اب آیا ہے، اب اس نے انکار کر دیا، کیا یہ ہی ماں کی محبت ہے، اس کے دل میں۔"

"نہیں آنٹی! وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے، وہ بس ملیحہ سے شادی نہیں چاہتا، کیوں کے اس کے ذہن میں جو شریک حیات کا تصور ہے ملیحہ اس معیار پہ پوری نہیں اترتی۔"

"بھلا کیا خامی ہے اس میں یہ صرف اس دفتر والی جادوگرنی کی وجہ سے کہہ رہا ہے، یہ مردوں کے ساتھ کام کرنے والی لڑکیاں ہوتی ہی بے حیا ہے، چلتر باز مردوں کو پھانسنے کے گر جانتی ہیں۔" انہوں نے حقارت سے جواب دیا۔

ارسلان کو ان کی بات پہ افسوس ہوا، اکثر مڈل کلاس طبقہ اسی سوچ کا حامل ہے۔

"نہیں آنٹی! زویا سکندر نے کبھی اس موضوع پہ بات نہیں کی، بلکہ ارمان کے کہنے پہ اس نے صاف انکار کر دیا۔" ارسلان نے اس ان دیکھی زویا کا دفاع کیا۔

"پھر ارمان کیوں مر رہا ہے، دفعہ کرے اسے اور ملیحہ سے شادی کر کے گھر بسائے۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"آنٹی! ارمان صرف آپ کی خوشی کے لئے زویا سکندر سے دستبردار ہونے پہ رضامند ہے، یہ ہی نہیں بلکہ وہ آپ کی خوشی کے لئے ملیحہ سے شادی پہ بھی آمادہ ہے، لیکن یاد رکھیے گا، آنٹی یہ سب صرف آپ کی خوشی کے لئے کر رہا ہے، ورنہ اس کی خوشی اس میں نہیں ہے، وہ شادی کے بعد کبھی خوش نہیں رہ پائے گا، ایسے میں ملیحہ کو کیسے مطمئن کرے گا، ملیحہ شوخ چنچل لڑکی ہے، جلد ہی ارمان سے گھبرا جائے گی اور آنٹی اگر ملیحہ خوش نہیں رہی تو بیٹے کے ساتھ بھائی کی ناراضگی بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مول لیں گی، اب فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔''
ارسلان نے انہیں جذباتی طور پر بلیک میل کیا، جانتا تھا ممتا کا دل کیسا ہے، ارسلان کی بات سن کے وہ تڑپ اٹھی اور فکر مندی سے سوچنے لگیں، ارسلان نے اس میں عافیت جانی اور نماز پڑھنے چل دیا۔

☆☆☆

رات دو بجے میسج ٹیون بجی تو ارسلان جو نیند کے خمار میں تھا، بدمزگی سے موبائل دیکھنے لگا، وہ ہی انجان نمبر تھا، ارسلان کو غصہ آ گیا۔
''مس! یہ کون سا وقت ہے، آدھی رات کو سوئے ہوئے لوگوں کو جگانا، شریف لوگوں کو وطیرہ نہیں۔''
''محبت ان سب آداب سے بالاتر ہوتی ہے۔'' جواب پڑھ کے وہ مزید غصے میں آ گیا۔
''آپ کو جس سے محبت ہے اسے تنگ کریں مجھے نہیں۔'' ارسلان نے بیزاری سے لکھا۔
مسئلہ یہ تھا کہ وہ ارسلان کی کال پک نہیں کرتی تھی، ورنہ ارسلان کا اسے خوب کھری کھری سنانے کا جی چاہتا تھا۔
''کتنے نادان ہے جناب، مابدولت آپ کے سحر میں گرفتار ہے۔''
''مس! آپ نے محبت کے لئے غلط بندے کا انتخاب کیا ہے، بہتر ہے کسی اور سے سوچ سمجھ کے محبت کریں۔'' ارسلان کو فضولیات پہ غصہ آیا۔

کبھی کچھ سوچ کے لکھنا
کبھی کچھ سوچ کے پڑھنا
یہ ناممکن سی کوشش ہے
محبت سوچ کے کرنا
کسی کا دلربا سا چہرہ اور اس پہ دلنشین آنکھیں
کہ جس کو دیکھ کے جینا
اسی کے نام پہ مرنا
یہ ناممکن سی کوشش ہے
محبت سوچ کے کرنا
خیالوں میں بنا لینا کسی کا عکس دھیرے سے
چرا کے رنگ سپنوں کے کسی کی آنکھ میں بھرنا
یہ ناممکن سی کوشش ہے محبت سوچ کے کرنا

جواب میں نظم پڑھ کے ارسلان جھنجھلا گیا۔
''مس! آپ مت سوچے سمجھے کیونکہ اس کے لئے دماغ کا ہونا ضروری ہے، جو بدقسمتی سے آپ کو میسر نہیں۔'' ارسلان جواب لکھ کے موبائل آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔
''دانیہ! کیا ہمیں زویا کے لئے سوچنا چاہیے۔'' دانیہ نے چونک کے انہیں دیکھا۔
''امی جان! یہ بہتر ہے کہ آپ بھائی کی پسند کا خیال رکھیں، یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے، اگر ارمان بھائی خوش نہیں ہوئے تو میں، آپ، ملیحہ کوئی بھی خوش نہیں رہ پائیں گی۔'' ملیحہ نے سمجھایا۔
''ٹھیک ہے، ہم اتوار کو زویا کے گھر چلیں گے۔'' انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔
ارمان بہت خوش تھا اور ارسلان کا بے حد مشکور تھا۔
''ارسلان تو نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔''
''نہیں یار! یہ تو کچھ بھی نہیں، دوستی بہت انمول رشتہ ہے۔'' ارسلان مسکرایا۔
''یار! اب ایک میری بھی مان لے۔'' ارمان نے منت ریز انداز میں کہا۔
''ہاں بول یار!'' ارسلان فراخدلی سے بولا۔
''مانے گا نہ۔'' ارمان مصنوعی فکر مندی سے بولا۔

''ہاں کیوں نہیں تو پریشان کیوں ہوتا ہے۔'' ارسلان نے دلاسہ دیا۔
''یار! تو..... تو۔'' ارمان نے اٹکنے کی ایکٹنگ کی۔
''بول یار پیسے چاہیے کیا؟'' ارسلان بے صبری سے بولا۔
''نہیں یار! وہ تو نہ.....'' ارمان پھر اٹکا۔
''آخر ایسا کون سا کام ہے، جس کے لئے اتنا جھجک رہا ہے، پاگل تو جان بھی بلا جھجک مانگ۔'' ارسلان نے انتہائی سنجیدگی سے ڈائیلاگ بولا۔
''یار! تو ملیحہ فاروق سے شادی کر لے۔'' ارمان نے شرارت کی۔
''دھت تیرے کی۔'' ارسلان نے تکیہ کھینچ کے مارا بس نہیں چلا کہ اس کا حشر کر دے، کیونکہ وہ فوراً سے پیشتر بھاگ نکلا۔
''تجھ سے بھلائی کی امید رکھنا بیکار ہے۔'' ارسلان بولا۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا، صبح سے زویا سکندر کے گھر جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، آنٹی اور دانیہ کو لے جانے کی ذمہ داری ارسلان کے سپرد تھی، ارسلان انہیں ٹیکسی میں لے گیا تھا، زویا کا گھر خاصا خوبصورت تھا، ارسلان زویا کے ابو اور خرم بھائی کے ساتھ بیٹھا تھا۔
خواتین اندر تھیں۔
زویا کے والد اور بھائی شریف النفس انسان تھے، ارسلان نے اندازہ کیا کے ارمان ان کے لئے بہترین ہے اور یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔
آنٹی نے واپسی میں بتایا زویا کی والدہ بہت خوش تھیں کے معقول لوگوں نے رشتہ طلب کیا ہے، ورنہ اب تک آنے والے رشتے، لڑکے اور ان کی فیملیز ہرگز زویا کے قابل نہ تھے، اس لئے زویا کی والدہ پریشان تھیں۔
زویا انہیں پسند آئی تھی، ورنہ ارمان کی والدہ کا خیال تھا کہ آفس میں جاب کرتی ہے تو بہت فیشن ایبل ہو گی، جدید طرز کے لباس پہنتی ہو گی، نیل پالش لگے بڑھے ہوئے لمبے ناخن ہونگے اور اترائی ہوئی، ماڈرن لڑکی ہو گی، لیکن زویا کو دیکھ کے انہیں حیرت ہوئی، وہ بہت سادہ تھی، چہرہ ہر طرح کے میک اپ پاک تھا، سادہ گلابی رنگ سوٹ زیب تن کیے ہوئے تھی، وہ عادتاً ملنسار، خوش اخلاق، سوبر لڑکی تھی، البتہ بہت خوبصورت یا صاف رنگ کی نہیں تھی، لیکن اس میں کچھ خاص کشش اور دلکشی تھی، جس کا دیوانہ ارمان ہوا تھا۔
''امی! زویا بھابھی کتنی اچھی ہے۔'' دانیہ کا اشتیاق قابل دید تھا۔
''آخر پسند کس کی ہے۔'' ارمان مغرور ہوا، پچھلے آدھے گھنٹے سے زویا اور اس کی فیملیز کی تعریف سن کے خود کو داد دیئے بنا نہ رہ پایا۔
''تم تو ایسے مغرور ہو رہے ہو جیسے زویا کی خوبیوں میں آپ کا کمال ہے۔'' ارسلان بولا۔
''کچھ خاص ہے اس میں۔'' ارمان بولا۔
''جناب! جب آپ نے میری مہ جبین دیکھ لی، آپ مجھے داد دیئے بناء نہ رہ پائے گے۔'' ارسلان نے کہا۔
''وہ جیسی بھی ہو گی، زویا جیسی نہیں ہو سکتی۔'' ارمان جذب سے بولا۔
''چل رہنے دے، تو زن مرید بنے گا۔'' ارسلان بولا۔
''مجھے اعتراف ہے کہ اگر میری بیوی زویا سکندر ہوئی تو میں زن مرید بھی بن جاؤں گا۔'' ارمان مسکرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تجھ سے اور کوئی اچھی امید تو رکھی نہیں جا سکتی۔" ارسلان نے ٹی وی آن کیا اور نیوز سننے لگا، کچھ دن میں زویا کے گھر والے ارمان اور سب مل کر اوکے کر گئے، یوں جھٹ پٹ منگنی ہو گئی، زویا نے منگنی سے قبل جاب چھوڑ دی تھی، ارمان دیکھنے کو ترس گیا، آفس ریکارڈ میں اس کے گھر کا نمبر تھا، ارمان نے متعدد بار فون ٹرائی کیا، لیکن ماسوائے زویا کے سب نے ریسو کیا، بالآخر ارمان نے صبر کر لیا۔

دانیہ نے زویا سے تصویر کا تقاضہ کیا، زویا نے کہا کہ اس کے پاس نہیں ہے۔

ارمان جی بھر کے بدمزہ ہوا اور آخر کار شادی کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا تھا۔

"ارسلان! میرے بھائی تو بھی اپنی مہ جبین سے بات کر لے کہیں دیر نہ ہو جائے۔" ارمان بولا۔

"کل یہ ہی کروں گا۔" ارسلان فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا، اب مزید انتظار نہیں کرنا، بہت کر لیا دوسرے دن وہ بہت دل سے تیار ہوا، لیکن وہ مہ جبین کہیں بھی نظر نہیں آئی، مایوس ہو کے آ گیا، دوسرے دن اور پھر تیسرے دن بھی، ارسلان کا فکر سے برا حال تھا، چوتھے دن ہڑتال تھی، ہنگامے تھے، لیکن وہ پھر بھی چلا آیا۔

اسٹاپ پہ جیسی ہی نظر آئی، ایک بائیک والا جو اس کا ہم شکل تھا آیا، زویا پل میں اس کے ساتھ بیٹھی اور چل دی۔

"شیٹ یار!" ارسلان تھکے ہارے انداز میں گھر کو چل دیا۔

رات میں فون آیا کے ارسلان کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، ارسلان اور ارمان اسی وقت حیدر آباد چلے گئے، ارسلان کے والد بہت کمزور لگ رہے تھے، ہاسپٹل میں ایڈمیٹ تھے، ارسلان کی والدہ بہت پریشان تھیں۔

تیسرے دن ارمان کے والد آ گئے، ارمان واپس چلا گیا، اس طرح ارسلان کو مہینہ حیدر آباد میں لگ گیا، ارمان نے فون پہ بتایا کے زویا کے گھر والے جلدی کر رہے ہیں، زویا کے والدین نے حج پہ جانا ہے اور جانے سے قبل وہ زویا کی شادی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ارمان کے گھر میں زور و شور سے تیاری ہو رہی تھی، ارمان کی شادی میں حیدر آباد سے بھی سب نے جانا تھا، اس لئے تیاریاں یہاں بھی ہو رہی تھی۔

کراچی جاتے ہی اس مہ جبین سے صاف بات کروں گا، بے شک غلطی اس کے ساتھ ہوئی، ارسلان نے عہد کیا، ارمان کے فون آ رہے تھے کہ وہ ارسلان کو بہت مس کر رہا ہے، لیکن ارسلان نے اپنی فیملی کے ساتھ جانے کا پروگرام بنایا تھا۔

☆☆☆

یکم نومبر کی شادی تھی، دو دن قبل سب حیدر آباد سے سب آ گئے تھے، سب بہت خوش تھے، خاندان کی پہلی شادی تھی، سب کی شمولیت یقینی تھی۔

"ارسلان! تجھ سے یہ امید نہیں تھی، کام چور، جب سب کام میں نے اکیلے کر لئے تو آ گیا۔" ارمان خفا ہوا۔

"یار! ابو کی وجہ سے لیٹ ہو گیا، سوری آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"آئندہ سے کیا مطلب؟ میری دوسری شادی کروائے گا۔" ارمان نے گھورا۔

"نہیں یار!" ارسلان مسکرایا۔

آج یکم نومبر تھی، ارمان کی خوشی دیدنی تھی، محبت فاتح عالم کا عکس اس کے چہرے پہ تھا۔

"کتنا خوش ہے جو چاہا مل گیا، سب کتنی

آسانی سے ہو گیا۔" ارسلان نے رشک سے سوچا اور اسے دائمی خوشی کی دعا دی۔

بارات جانے سے قبل گھر میں افراتفری کا سماں تھا، خوب شور شرابہ اور ہنگامہ برپا تھا۔

سب کو تیار ہونے کی جلدی تھی، ایسے میں جلدی میں سامنے سے آتی دانیہ ارسلان سے بری طرح ٹکرا گئی۔

"سوری دانیہ!" ارسلان نے شرمندگی سے دیکھا، دانیہ کے چہرے پہ قوس قزاں کے تاثرات تھے، ڈارک بلیو سوٹ میں میک اپ اور جیولری سے لیس ہو کے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"دانیہ! آج بہت چینج لگ رہی ہو۔" ارسلان نے سادگی سے کہا، جہاں دانیہ کے چہرے پر رنگ بکھر گئے، وہی ارسلان اور ارمان کی والدہ نے دونوں کی ٹکر اور بات کو ذو معنی انداز میں لیا۔

"باجی! مجھے ارسلان کے لئے لڑکی گھر میں ہی مل گئی۔" ارسلان کی والدہ بولیں۔

"اور مجھے ارسلان جیسا شریف اور سمجھدار لڑکا مل گیا۔" دانیہ کی والدہ ہنسیں۔

شادی حال میں داخل ہوتے ہی ارمان بولا۔

"سب سے پہلے زویا کو دیکھنا اور مجھے بتانا کے کیسی ہے، میں تیرا انتظار کروں گا۔"

"بے فکر رہو۔" ارسلان مسکرایا۔

اسٹیج پر دولہن کو گھیرے اس کے عزیز رشتے دار بیٹھے تھے، بارات کے استقبال پہ سب اٹھ گئے اور یوں زویا اکیلی دور سے بیٹھی واضح نظر آ رہی تھی، ڈارک میرون کلر کے سوٹ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

"قریب جانا پڑے گا، پتہ چلے کے میک اپ کا کمال ہے، یا نیچرل بیوٹی ہے۔" ارسلان نے سوچا۔

"السلام علیکم بھابھی جی! میں آپ کا اکلوتا دیور ارسلان احمد۔" ارسلان نے سر جھکائے بیٹھی زویا کو مخاطب کیا، آواز سن کے ضرورت سے زیادہ جھکے سر کو اس نے اٹھایا، ارسلان کو لگا وہ کسی ملبے تلے دب گیا ہے، اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی، آسمان اس پہ آ گرتا تو وہ اتنا حیران نہ ہوتا جتنا اسے زویا سکندر کے روپ میں دیکھ کے ہوا، کچھ پل حیرت میں گزر گئے پھر جب سمجھ آئی تو آنکھوں کے آگے سیاہ اندھیرا چھا گیا، اس نے بے یقینی سے اس مہ جبین کو دیکھا، ارسلان کی نظروں میں نجانے کیا تھا، زویا جو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، کٹ کے رہ گئی۔

ارسلان سے کھڑا ہونا دشوار ہو گیا تھا، اپنے چکراتے سر کے ساتھ وہ نیم اندھیرے میں جا کے بیٹھ گیا، اس کے خواب کرچی کرچی ہو گئے تھے، یہ ایسی حقیقت تھی جس پہ دل یقین کرنے کو آمادہ نہ تھا، بہت بھیانک حقیقت ہے، ارسلان نے آنکھیں موندیں کرب سے سوچا، ایک نہ معلوم سا درد پورے جسم میں پھیل گیا تھا۔

ایسا ہی حال زویا سکندر کا تھا، جب دل اور آنکھوں نے اسے گھنٹوں اسٹاپ کیفے ٹیریا اور یونیورسٹی میں ڈھونڈنا چاہا، وہ شخص غائب ہو گیا، فائنل ایگزم کے بعد جانے کا کوئی جواز نہیں تھا، زویا نے بھی صبر کر لیا، ارمان سے شادی خالص اس کے گھر والوں کا فیصلہ تھا، یہ حقیقت تھی کہ ارمان سے شادی پہ وہ بالکل خوش نہیں تھی، اس نے اکثر ارمان کو ونڈو سے خود کو چوری چھپے دیکھتے پایا تھا، اسی وجہ سے وہ ارمان کو ناپسند کرتی تھی، لیکن انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی، اسٹاپ پہ پہلی مرتبہ نظر آنے والا لڑکا اجنبی تھا اور آخر تک اجنبی رہا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے سراب خواب سمجھ کے وہ بھول گئی تھی، لیکن ارسان کی نظروں میں اپنے لئے ہمیشہ احترام دیکھا تھا، یہ ہی وجہ تھی کہ ارسلان کا دیکھنا اسے ناگوار گزرنے کے باوجود اسے ارسلان برا نہیں لگا تھا۔

اکثر وہ اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کے چونک جاتی تھی اور دل میں اس کا نام ''شاہ جنات'' رکھ دیا۔

اب وہ ملا بھی تو ایسے مقام اور نئے رشتے کے ساتھ کے دل و دماغ حیران تھے، ستم ظریفی یہ کہ ارسلان کی آنکھوں میں اس سے جو گلہ شکوہ درد تھا نا چاہتے ہوئے بھی بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو مجرم تصور کر رہی تھی۔

ارمان کا نکاح کے وقت، کھانے کے وقت، رخصتی اور اس سے پہلے تمام رسموں کے وقت شعوری اور لاشعوری طور پہ ارسلان کا منتظر رہا، لیکن وہ نظر نہیں آیا، ارمان کو تشویش ہونے لگی، ارسلان اندھیرے میں ڈوبتے دل کے ساتھ تنہا بیٹھا تھا، وہ بے خبر تھا، اس وقت کیا ہو رہا ہے۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اٹھ پاتا، وہ جانتا تھا ارمان جاننا چاہتا ہوگا، کہ اسے زویا کیسی لگی، وہ کیا بتاتا، کیسے بتاتا، کہاں سے اتنی ہمت لاتا، ایک طرف عزیز جان دوست اور دوسری طرف اس کی پہلی محبت، چاہت، منزل، اسے لگا وہ تہی داماں ہو گیا، وہ ایسا شخص تھا، جس کی قیمتی متاع اسے حاصل ہوئے بناء چھین لی گئی تھی، کتنا بے بس تھا۔

''کاش میں اس وقت اپنے اندر ہمت پیدا کرتا، کیفے ٹیریا میں اسے اپنا حال دل سناتا، کیا ہوتا، زیادہ سے زیادہ وہ خفا ہو جاتی، لیکن یہ نہ ہوتا، جو آج ہوا ہے۔'' ارسلان پچھتا رہا تھا۔

''کتنے موقعے ملے لیکن کم ہمتی آڑے آ گئی، کتنی مرتبہ سوچا، لیکن نجانے کیوں دیر کرتا رہا اور یہ دیر کتنی نقصان دہ ثابت ہوئی۔''

جب میرے پاس تھے تم
میں نے کئی بار یہ سوچا تم سے
آنکھ میں بکھرے ہوئے خواب کا احوال کہوں
کیسے کٹتے ہیں مرے روز و مہ و سال کہوں
فیصلے اور عمل میں لیکن
ایک دیوار جو صدیوں سے کھڑی ہے میں بھی
اس میں روزن ہی بنانے کی تگ و دو میں رہا
سعی بیکار تمنا کی قلم میں رہا
اب جو تم بچھڑے ہو تو
دن رات میرے دل میں عجب وہم سا رہتا ہے
کہ جیسے میں نے
یونہی اک خوف کو دیوار بنا رکھا تھا
دل کو اک نقطہ پرکار بنا رکھا تھا
سوچتا ہوں کہ اگر میں نے کبھی
تم کو اس خواب کا احوال سنایا ہوتا، تو بھلا کیا ہوتا
حد سے حد تم میری باتوں سے خفا ہو جاتے
اک تمسخر کی ہنسی ہنسی کے جدا ہو جاتے

کب بارات رخصت ہوئی، وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھا، ہوش جب آیا جب سوپر جھاڑو لگانے آیا۔

''بھائی! سب چلے گئے، آپ کیا کر رہے ہیں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ارسلان کی گہری سرخ آنکھیں دیکھ کے اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ چکراتے ذہن کے ساتھ خود کو گھسیٹ کے ہال سے باہر آیا۔

''کہاں جاؤں؟ وہاں جہاں وہ دشمن جاں ارمان کے پہلو میں بیٹھی اپنی نئی زندگی کا سفر شروع کریں گی، کیسے سامنہ کروں گا، میں اس کا اور ارمان کا، اس کی زندگی کی اہم خوشی اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں اندھیروں میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں، یہ غلط ہے، وہ میرا عزیز جان دوست ہے مجھے اسکی خوشیوں میں شریک ہونا ہے، یہ اس کا حق اور میرا فرض ہے، کیا سوچے گا وہ۔'' ارسلان کو ارمان کی فکر ستانے لگی تو وہ مہ جبین پس منظر میں چلی گئی، وہ ٹیکسی لے کے گھر آیا تو دانیہ بیقراری سے اس کی جانب بڑھی، باقی صد شکر دولہن کو گھیرے بیٹھے تھے، ورنہ سب کو مطمئن کرنا آسان کہاں تھا۔

''آپ کہاں تھے، میں کب سے پریشان تھی، کتنی مرتبہ آپ کا سیل ٹرائی کیا، آپ نے کال ریسو نہیں کی۔'' دانیہ کی آنکھیں نم تھیں، ارسلان اس کی شدت پسندی پہ حیران اور شرمندہ ہوا۔

''میں میڈیسن لینے گیا تھا، سر میں درد تھا۔''

''میں چائے بنا کے لائی ہوں۔'' دانیہ جواب سنے بنا کچن میں چل دی، ورنہ وہ اسے روکتا، اتنی نئی سنوری ہوئی تھی، اسے ابھی مووی بنوانی تھی، تمام کزنز کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی، ارمان کے قہقہے اسے دور سے سنائی دے رہے تھے، فوٹو سیشن کے لئے سب کو باہر بھیجا تو وہ ارمان کے پاس زویا کو یکسر نظر انداز کیے بیٹھ گیا۔

''گدھے کہاں تھا تو، پتہ ہے کتنی مشکل میں تھا، کبھی میری نظریں تجھے ڈھونڈتی اور کبھی اپنی نئی نویلی دولہن کو دیکھتی۔'' ارمان نے شوخی سے کہا۔

''سر میں درد تھا، ٹیبلٹ لینے گیا تھا، بہت مبارک ہو تجھے۔'' ارسلان زخمی دل سے مسکرایا۔

''خوب سمجھتا ہوں، مجھے دولہا بنا دیکھ کے تجھے جوش آیا اور تو آدھی رات کو مجنوں بنا اس یونیورسٹی اور اسٹاپ والی مہ جبین کو ڈھونڈنے چل دیا۔'' ارمان کی بات پہ برابر بیٹھی زویا چونکی۔

''اچھا یہ بتا کیسی لگی میری زویا۔'' ارمان نے اشتیاق سے پوچھا، وہی ارسلان کا دل تڑپ اٹھا۔

''بہت اچھی ہیں۔'' ارسلان نے بناء دیکھے جواب دیا۔

''اب دیکھیں گے تیری مہ جبین کیسی ہے؟'' ارمان کے جواب پہ ارسلان کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

''یہ چائے پی لیں۔'' دانیہ نے ٹیبل پہ کپ رکھا۔

''شکریہ۔'' ارسلان نے کپ اٹھایا اور باہر نکل گیا، ساری رات وہ سرد موسم میں گھومتا رہا، صبح فجر کی نماز پڑھ کے سو گیا تھا۔

ولیمے میں ارسلان نے دانستہ زویا کی جانب نہیں دیکھا، زویا کو پہلی رات ہی ارمان نے ارسلان کی مہ جبین کا بتا دیا تھا، ارمان کی بے تحاشہ محبت اور زویا کے خاموش آنسو جذبات کا تضاد۔

☆☆☆

ولیمے کے بعد ارسلان حیدر آباد چلا گیا، جب ارمان، زویا کے ساتھ شمالی علاقہ جات گیا، ارسلان کراچی آیا، سمسٹر کے اختتام پہ اسی رات واپس چل دیا، رزلٹ آنے کے بعد وہ حیدر آباد میں اچھی پوسٹ پہ جاب کرنے لگا، زویا کو فراموش کرنے کے لئے رات دن مصروف رہنے لگا، اسی طرح اچانک حیدر آباد زویا اور ارمان کو دیکھ کے حیران رہ گیا۔

وہی درد کا عالم ہے اسے بھلا کر بھی
مرے قریب ہی نکلا وہ دور جا کر بھی

گزرتے وقت کے ساتھ اس نے صبر کر لیا تھا، اسے یقین ہو گیا تھا کہ زویا کا ملن تقدیر نے صرف ارمان کے ساتھ ہی لکھا تھا، اس لئے وہ اپنی بات اس تک نہ پہنچا پایا تھا اور یہ بچھڑنے کا بہانہ بن گیا تھا، ارمان کی بے تحاشا محبت نے ارسلان کا خیال نکال دیا تھا، ویسے بھی وہ اب ارمان کی بیوی تھی، ارسلان کو سوچ کے خیانت کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی۔

ارسلان رشتوں کا احترام کرنا جانتا تھا، اس لئے زویا کو ارمان کے حوالے سے دل سے قبول کر لیا تھا، کبھی کبھار اسے شدت سے ارمان کی مذاق میں دی وہ بددعا یاد آتی۔

''اللہ کرے تجھے کسی سے محبت ہو جائے اور پھر وہ تجھے ملے بھی نہ جب تو اس کے ہجر میں تڑپے گا تب پتہ چلے گا۔''

''میں شادی امی کی پسند سے کروں گا اور اس کے ہجر میں تڑپوں گا نہیں۔'' ارسلان نے جواب دیا تھا، ارمان کی والدہ نے جب اسے رشتے کے لئے مجبور کیا تو اس نے دانیہ کا نام لے دیا، دانیہ امی کی پسند تھی، صرف یہ ہی وجہ نہیں تھی، بلکہ جس رات وہ ہال میں رہ گیا تھا، دانیہ کی سم میں بیلنس نہیں تھا، اس نے اپنی خفیہ سم سے ارسلان کا نمبر ٹرائی کیا، جس نمبر سے وہ اسے میسج کرتی تھی، کال ارسلان نے ریسو نہیں کی تھی، لیکن دانیہ کی بیقراری اور وہ نمبر دیکھ کے وہ سب سمجھ گیا تھا، اس نے کبھی دانیہ کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ اب دانیہ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ جب وہ سنبھلا تھا، ایسے سب کی ہمت نہیں ہوتی، کچھ نادان عمر بھر کا روگ لگا لیتے ہیں اور دانیہ کے متعلق اسے یقین تھا، وہ ان ہی نادانوں میں شمار ہوتی ہے، ارسلان کے فیصلے نے دونوں گھروں کو، ارمان کو سرشار کر دیا تھا، پھر بھلا ارسلان کیوں نہ خوش ہوتا، یہ دسمبر دانیہ کی وفا کا پیغام لایا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرکھ

صبا احمد

''رو رو کر اس کا برا حال تھا، اس نے ایسا کب سوچا تھا۔'' اس نے زیور اتار کر دور پھینکا۔

ڈارک پرپل لہنگے میں وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی، یہ سب لوگوں نے اسے بتایا تھا، اسے ایک بار پھر رونا آ گیا۔

''اللہ تابش! تم تو جیسے پری سی لگ رہی ہو بالکل موم کی گڑیا جیسی۔'' اس کی ایک دوست نے کہا تھا اور اس نے آئینہ میں دیکھا تو آئینے نے بھی اس کی تائید کی تھی تب وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

وہ لاکھوں میں ایک تھی حقیقتاً اور اس بات کا احساس اسے قدم قدم پر دلایا گیا تھا۔

شادی کے لئے ہر لڑکی کی طرح اس کے دل میں بھی ایک خوبصورت مرد کا تصور تھا جو دیوتاؤں جیسا خوبصورت ہو، اسی کی سی آن بات رکھتا ہو۔

''بھئی تابش جتنی خوبصورت ہے نا اس کے لئے تو کوئی کہانیوں میں پایا جانے والا شہزادہ ہی ہونا چاہیے۔'' اس کی کزنز اس چھیڑتیں اور شہزادے کے نام پر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔

''پتا ہے یار جتنے خوبصورت تمہارے ہاتھ ہیں قسم سے مجھے لگتا ہے کہ تمہارے شہزادہ حضور تمہیں کوئی کام ہی نہیں کرنے دیں گے۔'' فخر سے اس کی گردن تن جاتی، اس نے سامنے دیوار پر دیکھا جہاں اس شخص کی تصویر سجی تھی جسے اس کا شہزادہ بننے کا شرف حاصل ہوا تھا اور اس کے ایک بار پھر شدت سے رونا آیا۔

سیاہ سوٹ میں چھ فٹ کے شاندار سراپے اور مضبوط جسامت کے ساتھ یقیناً وہ ایک قابل فخر پرسنالٹی کا مالک ہوتا اگر..... اگر اس کا رنگ سفید ہوتا تو.....! اسے اس کا رنگ اور اس کے سوٹ کا رنگ ایک سا لگا تھا۔

''میری فرینڈز نے کتنا مذاق اڑایا ہوگا۔'' شرمندگی، غصہ اور بے بسی نے اکٹھے اس پر حملہ کیا تھا۔

''ہونہہ شہزادہ.....'' اس نے سوچا۔

''اماں آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، میں آپ کو معاف نہیں کروں گی..... کبھی نہیں۔'' اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی کہ اس وقت وہ یہی کر سکتی تھی۔

تقریباً دو بجے کے قریب وہ مسرور سا کمرے میں داخل ہوا لیکن اندر کا منظر دیکھ کر وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔

سارا زیور بیڈ پر پڑا تھا ٹوٹی چوڑیاں قالین پر پڑی اپنی قسمت پر نوحہ کناں تھیں جبکہ وہ جس کی تعریفیں وہ اس دن سے سن رہا تھا جس دن سے رشتہ پکا ہوا تھا اور جسے دیکھنے کے لئے وہ بے چین ہوا تھا، وہ کہیں نہیں تھی۔

اس عجیب سی سچوئیشن پر وہ ابھی تک حیران تھا، تبھی وہ ٹاول سے منہ صاف کرتی کمرے میں داخل ہوئی اسے دیکھ کر ایک لمحے کو سٹپٹائی مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے اور ان تاثرات کو وہ کوئی نام نہیں دے پایا۔

احد نے غور سے اسے دیکھا جبکہ وہ چلتی

ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی لہنگے کی جگہ پنک گھیرے دار فراک، شدت گریہ سے سرخ آنکھیں، اسے الجھن سی ہوئی اس طرح کے استقبال کی اس نے قطعاً توقع نہیں رکھی تھی، اس سادگی میں بھی وہ سراپا حسن تھی یہ احد کو تسلیم کرنا پڑا لیکن اسے سجے سنورے دیکھنے کی خواہش، اس نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی، وہ خاموشی سے اٹھا اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

سادہ سے ٹراؤزر شرٹ میں وہ واپس آیا تو وہ ہنوز اسی کیفیت میں تھی اس نے گلا کھنکار کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

وہ ابھی بھی ساکت تھی یہ سب صورتحال اس کے لئے حیران کن تھی فطرتاً وہ نرم مزاج تھا لیکن اس طرح کی صورتحال کسی بھی شخص کو غصہ دلا سکتی تھی۔

''اس سارے تماشے کی وجہ جان سکتا ہوں.....؟'' اس کی آواز مدھم مگر لہجہ کرختگی لئے ہوئے تھا۔

اس کی مسلسل خاموشی سے چڑ کر وہ اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسے لگا وہ رو رہی ہے، اس کا غصہ ایکدم سے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا وہ ایسا ہی تھا، نرم خو اور مستقل مزاج، وہ کسی کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، دھیرے سے چلتے ہوئے وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''اینی پرابلم؟'' انتہائی نرمی سے احد نے استفسار کیا، اس کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

''آئی تھنک آپ تھک چکی ہیں ریلیکس ہو کے بیٹھیں اینڈ ڈونٹ وری، آپ سونا چاہیں تو سو سکتی ہیں نو پرابلم۔'' وہ کہتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گیا جبکہ تابش نے اس کے اٹھنے پر شکر ادا کیا تھا اسے لگا ایک بڑا بوجھ سر کا ہو، وہ وہیں صوفے پر لیٹ گئی اور آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنے لگی، جو کہ اس شخص کے ساتھ گزارنا اسے انتہائی تکلیف دہ لگ رہا تھا۔

☆☆☆

ہلکی سی آہٹ پر اس کی آنکھ کھلی، اس کے بالکل سامنے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا بال بنا رہا تھا، سفید کھدر کے سوٹ میں، تابش کو اس کا رنگ پہلے سے بھی سیاہ لگا تھا۔

''سیاہ مرد مجھے انتہائی برے لگتے ہیں۔'' اس نے ایک دفعہ اپنی دوستوں سے کہا تھا اسے یاد آیا، اس کا سارا زیور ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا تھا جبکہ قالین پر ٹوٹی چوڑیاں اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں، اس کی تیاری ہو چکی تھی اسے اٹھتے دیکھ کر وہ دھیرے سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا۔

''یہ آپ کا منہ دکھائی کا تحفہ۔'' اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور نرم و نازک ہاتھ میں نازک سا بریسلیٹ ڈال دیا، اجازت لینے کی اسے ضرورت محسوس نہیں کی تھی جبکہ نفیس سے بریسلیٹ سے ہوتی ہوئی تابش کی نگاہ احد کے ہاتھوں پر جا ٹھہری، اپنے سفید اور مرمریں ہاتھوں کے نزدیک اسے اس کے ہاتھ کچھ زیادہ ہی بدنما لگے، اسے کراہت سی محسوس ہوئی، ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی۔

''میں ذرا منہ دھو لوں۔'' ناگواری سے کہتے ہوئے وہ وہاں رکی نہیں تھی، احد کو الجھن سی محسوس ہوئی اس کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا، اس کے رات کے رویہ پر وہ کچھ حیران اور الجھا تو تھا لیکن اسے، اس نے اس کی تھکن اور گھر چھوڑنے پر اداسی پر محمول کیا تھا۔

''حالانکہ گھر تو سب ہی لڑکیاں چھوڑتی ہیں، تو کیا سب ہی اس طرح ری ایکٹ کرتی ہیں؟ نہیں۔'' اس کے دماغ نے سختی سے تردید کی، کچھ تھا جو اسے بری طرح کھٹک رہا تھا۔

ولیمہ نہایت شاندار ہوا تھا، ماہر بیوٹیشن کی مہارت نے اس کے خدوخال کو مزید اجاگر کیا تھا، حالانکہ اسے اس کی مزید ضرورت نہیں تھی کہ بلاشبہ وہ قدرتی حسن کا خوبصورت شاہکار تھی۔

احد کتنی ہی دیر اس کے مبہوت کر دینے والے حسن کو بے اختیار دیکھتا چلا گیا، لیکن اس کی خوبصورتی کے باوجود کچھ لوگ تھے جنہوں نے اس کی اداسی اور بے زاری کو بڑی گہرائی سے نوٹ کیا تھا۔

ولیمے کے بعد وہ امی وغیرہ کے ساتھ ہی آ

گئی، اسے ان سے بات کرنا تھی اور اس کے پاس مزید وقت نہیں تھا، ناپسند آدمی کے ساتھ رہنا کتنا دشوار ہوتا ہے، یہ اسے ایک رات میں ہی اندازہ ہو چکا تھا اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے آزادی کا احساس ہوا تھا ایک سکون سا محسوس ہوا، سب لوگ باتوں میں مصروف تھے خوب رونق سی لگی ہوئی تھی ہر کوئی مسکرا رہا تھا، اس کی کزنز اسے چھیڑ رہی تھیں، جبکہ وہ رنجیدہ سی بیٹھی رہی اسے لگا وہ سب مل کر اس کا مذاق اڑا رہی ہوں، اسے محسوس ہوا تھا، جیسے وہ ابھی رو دے گی، چائے سرو کرتے ہوئے بھابھی نے نہایت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تابش! ذرا بات سننا۔'' اس سے پہلے کہ وہ شروع کر دیتی انہوں نے پکارا تھا، وہ اسے ساتھ لئے امی کی طرف آئیں اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے انہوں نے دروازہ لاک کیا تھا امی وہاں پہلے سے موجود تھیں۔

''تابش چندا کیا بات ہے، طبیعت خراب ہے؟ کوئی بات ہوئی ہے احد سے؟'' اس کے پاس بیٹھتے ہوئے انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما جبکہ ان کے پوچھنے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اس کے اس طرح رونے پر امی پریشان ہو اٹھی تھیں۔

''تابی بیٹا سب خیریت تو ہے نا؟'' نہایت بے تابی سے انہوں نے پکارا، ذہن میں ہزاروں اندیشے سر سرانے لگے۔

''نہیں ہے خیریت، بوجھ تھی نا میں آپ پر آپ نے اتار کر پھینک دیا۔'' ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ گویا ہوئی، جبکہ دوسری طرف وہ حیران رہ گئی تھیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، وہ شخص کیا دیکھا آپ نے اس میں؟ وہ میرے قابل ہے؟ بیٹیاں کیا اتنی ارزاں ہوتی ہیں؟ آپ ماں ہو کر بیٹی کی خواہش نہیں سمجھ سکیں، میرے سب خواب کیا کیا نہیں سوچا تھا سب مٹی میں ملا دیا آپ نے۔'' اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

''تابش چندا ایسے نہیں کہتے ماں باپ ہمیشہ اچھا ہی سوچتے ہیں بچوں کے لئے۔'' بھابھی نے اسے پچکارا۔

''تصویر تک نہیں دیکھنے دی، آخر مجھ میں کیا کمی تھی جو مجھ کو اس طرح اس شخص کے ہاتھ پکڑا دیا جس کو دیکھنا بھی مجھے بے زاری میں مبتلا کر دیتا ہے، نفرت ہے مجھے اس سے، اس کی صورت سے۔'' اس کی آواز اونچی ہو گئی۔

''آہستہ بولو باہر مہمانوں سے گھر بھرا پڑا ہے کیا سوچیں گے سب، لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔'' بھابھی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

''سنتے ہیں تو سنیں مجھے پرواہ نہیں اچھا ہے سب کو پتا چلے۔'' وہ اس وقت باغی ہو رہی تھی، اسے سمجھانا انہیں فضول سا لگا۔

''بس کرو تابش! بہت بول لیا تم نے، یہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہے شادی ہوئی ہے تمہاری، اب جو بھی ہے کمپرومائز کرنے کی کوشش کرو، احد دل کا بہت اچھا ہے بہت خیال رکھے گا تمہارا عزت دے گا تمہیں۔'' زچ ہوتے ہوئے امی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں رہنا مجھے اس اچھے انسان کے ساتھ، میں وہاں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

''تو پھر میری ایک بات بھی غور سے سن لو، اگر تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گی۔'' امی کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی، وہ ساکت نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی، اگلے دن بری طرح روتے ہوئے وہ واپس گئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے..... جیسے کسی قیدی کو ایک دن کی رہائی کے بعد پھر قفس نصیب ہو جائے۔

''مجھے اس کے ساتھ اتنی سختی سے نہیں پیش آنا چاہیے تھا۔'' اس کے رونے کا منظر آنکھوں میں گھوما تو امی نے خود کو ملامت کیا۔

''نجانے اب کیا کر ڈالے۔'' جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جو نفرت اور بغاوت تھی اس نے انہیں دہلا دیا اندیشے سانپ کی طرح ڈسنے لگے۔

''امی کیا بات ہے آپ کچھ پریشان ہیں؟'' رفیعہ کمرے میں آئی تو ساس کو پریشان دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''وہ..... دراصل..... تابش کی وجہ سے دل پریشان ہے۔''

''ارے امی اس کی آپ فکر نہ کریں، وہ لاکھ ضدی سہی پر بے وقوف نہیں ہے، وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی جیسا آپ سوچ رہی ہیں، ابھی بچی ہے وہ نیا ماحول ہے ایڈجسٹ ہونے میں کچھ دیر تو لگے گی۔'' اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''پاگل ہے ضدی نہیں ہے، حالات کی نزاکت نہیں سمجھتی اور پھر احد بہت اچھا لڑکا ہے سب کی بہت عزت کرتا ہے، ظاہری خوبصورتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی، لیکن یہ بات اسے کون سمجھائے۔'' رفیعہ کے بات کے جواب میں انہوں نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں احد اسے سنبھال لے گا اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہوگا۔'' رفیعہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں حوصلہ دیا۔

☆☆☆

وہ چپ چاپ گاڑی میں آ بیٹھی اور پھر تمام راستہ وہ ساکت بیٹھی باہر دیکھتی رہی تھی گھر پہنچ کر گاڑی سے اتر کر وہ اس کے پیچھے چلی آئی اس کی ساس نے محبت سے اس کا ماتھا چوما جبکہ سسر نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، دو نندیں تھیں اس کی اور دونوں شادی شدہ، دوسرے لفظوں میں اب اس گھر پر اس کا راج تھا۔

''ہائے بھابھی! پتا ہے آپ کے بغیر تو گھر ایسے جیسے اداس سا ہو گیا تھا ایک ہی دن میں، اب دیکھیں کتنا روشن سا ہو گیا ہے۔'' محبت سے اس کی چھوٹی نند نے اس کا ہاتھ پکڑا، وہ احد سے چھوٹی تھی لیکن شادی پہلے ہو گئی تھی چلبلی سی ندا، ہر وقت مسکراتی رہتی تھی تابش سپاٹ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

''ندا بیٹا! بھابھی تھکی ہونگی، آرام کرنے دو باقی باتیں کل کر لینا۔'' اس کی ساس نے بغور اس کے بے تاثر چہرے کی طرف دیکھا روئی روئی سرخ آنکھیں، ان کے اس طرح کہنے پر وہ شکر کا کلمہ پڑھتی وہاں سے بھاگی تھی، وہ احد کی وجہ سے بھی وہاں سے اٹھنا چاہ رہی تھی، جو عین سامنے بیٹھا پلک جھپکے بغیر اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

اس نے بھاری بندے نوچ کر اتارے، امی کی باتیں نئے سرے سے یاد آئیں تو اسے ایکدم سے غصہ آیا، اس نے نہایت بے دردی سے بالوں میں سے پنیں نکالیں، تبھی احد نے کمرے میں قدم رکھا ایک لمحے کو اس کا ہاتھ رکا اور پھر ایک بار پھر سے وہ اپنے مشغلے میں مصروف ہو گئی، دھیرے سے چلتا ہوا وہ اس کے سامنے تک گیا۔

''کیوں اتنی بے دردی سے بالوں کو خراب کر رہی ہو؟ یہ کام آرام سے بھی تو کیا جا سکتا ہے۔'' نہایت نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے خود سے پنیں نکالنا شروع کیں، تھوڑی سی دیر میں اس نے یہ کام کر دیا تھا، تابش نے خاموشی سے چوڑیاں اتارنا شروع کیں، اس کی نظروں سے اسے الجھن سی ہوئی، وہ وہاں سے اٹھی تھی، احد نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا، چند لمحے وہ

بے مقصد الماری کھولے کھڑی رہی پھر شاید وہ تھک گئی تھی۔

''آپ کو کیا مسئلہ ہے آخر؟ تھوڑی ہی دیر میں وہ زچ ہو گئی تھی۔'' احد کھل کر مسکرایا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟'' مسکراتی نظروں سے اس نے پوچھا۔

''آپ..... آپ کچھ اور نہیں کر سکتے۔'' وہ اسے اپنا مدعا سمجھا نہیں پا رہی تھی۔

''اچھا کیا کروں؟'' اس کا دل کر رہا تھا اسے تنگ کرنے کو۔

''آپ کچھ بھی کریں مگر مجھے تنگ مت کریں پلیز۔'' ناگواری سے کہتے ہوئے وہ واش روم چلی گئی دل ابھی تک دھڑک رہا تھا، پتا نہیں کیا ہو رہا تھا مجھے، ایسے ہی کنفیوژ ہوتی رہی خواہ مخواہ، اس نے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا۔

وہ باہر نکلی تو وہ کمرے میں نہیں تھا خاموشی سے اس نے کمبل اٹھایا اور صوفے پر لیٹ گئی ایک اور مشکل رات، اس نے سوچا۔

''پرسوں بھی کمر اکڑ گئی تھی ایک طرف سوئے ہوئے۔'' کمبل خود پر لپیٹتے ہوئے اس کی نظر سامنے پڑی۔

''بڑی سی تصویر میں اسے لگا وہ مسکرا رہا ہو، ایک تو پتا نہیں کس جاہل نے بالکل سامنے لگا دیا اسے۔'' اس نے نفرت سے سوچا اور چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

''وہ انتہائی نرم مزاج تھا اور انتہائی بے ضرر انسان۔'' ان دو دنوں میں اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا۔

''لیکن اس کے باوجود، مجھے اس سے نفرت ہے اور مجھے نہیں رہنا۔'' اس نے ایک دفعہ پھر خود کو یقین دلایا، انہی سوچوں میں گھری وہ کب نیند کی وادی میں چلی گئی اسے پتا نہیں چلا تھا۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کافی جلدی کھل گئی تھی اور پھر ہزار کوششوں کے باوجود اسے نیند نہیں آ سکی بھنا کر اس نے تکیہ پٹخا اور کمبل ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی، بالوں کا عجیب سا حال ہو رہا تھا منہ دھو کر پہلے ان کو سلجھایا اور پھر کپڑوں پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے انہیں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تھا، باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک نظر سوئے ہوئے احد پر ڈالی، وہ گہری نیند سویا ہوا تھا، وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی، ہر طرف خاموشی تھی، وہ خاموشی سے لان میں آ گئی، کوئی اسے وہاں اس طرح دیکھتا تو یقیناً حیران ہوتا، ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے اور اپنا اس طرح پھرنا صبح ہی صبح اسے کچھ معیوب سا لگا وہ واپس کمرے میں آ گئی اور خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر اندر کو دیکھنے لگی۔

''اس کی پلکیں بہت گھنی ہیں۔'' اس نے سوئے ہوئے احد کو بغور دیکھتے ہوئے نتیجہ نکالا اس وقت اس کے پاس اسے دیکھنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا سو وہ یہی کر رہی تھی۔

''عجیب شخص ہے۔'' یہ اس کی دوسری رائے تھی اس کے بارے میں، تابش نے ابھی تک اس جتنا تحمل مزاج کسی کو نہیں دیکھا تھا کوئی شکوہ نہیں نہ ہی اس کے رویے پر نہ کوئی شکایت، وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''ہونہہ اچھا بننے کی ایکٹنگ۔'' اس کے دل نے فوراً دماغ کی رائے کو مسترد کیا تھا۔

وہ سوچوں میں گھری ہوئی تھی جب دروازہ پر دستک ہوئی اس نے دروازہ کھولا تو ندا کھڑی تھی ہنستی ہوئی۔

''پتا نہیں یہ لڑکی اتنا کیوں ہنستی ہے؟'' اس نے کوفت سے سوچا۔

''ہیلو بھابھی! آپ اٹھ گئیں۔'' وہ کمرے میں نہیں آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھائی شاید سو رہے ہیں آپ انہیں جگا دیں میں آپ کا ناشتہ لاتی ہوں۔'' اس کی بات سنے بغیر وہ اپنی ہی سنا کر چلی گئی، وہ بوکھلا گئی۔

''اب بھلا میں کیسے جگاؤں؟'' شدید پریشانی کے عالم میں وہ کھڑی رہ گئی بھی بے زار سی ہوئی وہ اس تک آئی۔

''اب جگاؤں کیسے؟'' ایک مشکل مرحلہ سو وہ فطری طور پر کنفیوز تھی۔

''سنیں، آپ کو ندا بلا رہی ہے ناشتے کے لئے۔'' سرہانے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کہا، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا اس نے یہی عمل دوبارہ دہرایا اور نتیجہ بھی سابقہ ہی تھا۔

''نہیں اٹھتے نہ اٹھیں میری بلا سے۔'' بے زاری سے کہتے ہوئے وہ وہاں سے ہٹ گئی تبھی ندا دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

''ارے بھائی ابھی تک اٹھے نہیں، حیرت ہے بھابھی آپ سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں ہوا۔'' اس نے چھیڑا۔

''میں نے کوشش کی تھی لیکن۔'' انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

''ارے آپ تو پریشان ہو گئیں بھائی کو اٹھانے کا آسان طریقہ ہے الارم لگا کر کان کے پاس رکھیں نتیجہ فوراً سامنے آئے گا۔'' وہ کھلکھلائی اور پھر اس نے ایسا ہی کیا تھا الارم کی تیز آواز پر اس نے آنکھ کھولی اور حیران نظروں سے ادھر ادھر دیکھا، ندا پر نظر پڑتے ہی اسے فوراً اس کی شرارت سمجھ آ گئی تھی۔

''سوری بھائی آپ کو جگانے کا طریقہ سیکھا رہی تھی بھابھی کو۔'' ہنستے ہوئے ندا نے کہا تو اس نے رشک سے اسے دیکھا تابش کو لگا اسے ہنسنے کی عادت ہو جیسے۔

''اب جلدی سے اٹھیں اور بھابھی کو لے کر فٹافٹ پہنچیں امی کہہ رہی تھیں آپ ناشتہ ہمارے ساتھ کریں گے۔'' اسی طرح تیزی سے کہتی ہوئی وہ باہر نکل گئی، جبکہ تابش وہیں صوفے پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

''اب پتا نہیں موصوف تیاری میں کتنی دیر لگائیں گے فضول چونچلے۔'' اس نے نخوت سے سوچا۔

ناشتے کی ٹیبل پر سب ہی موجود تھے وہ سب کو سلام کرتے ہوئے احد کے برابر بیٹھ گئی کہ یہی ایک کرسی خالی تھی، ناشتے میں طرح طرح کے لوازمات دیکھ کر اسے یاد آیا کہ اس نے کتنے دنوں سے ٹھیک سے کچھ کھایا نہیں، لیکن یوں سب کے سامنے اس سے کچھ کھایا نہیں جا رہا تھا بھی صرف جوس پیا تھا اس نے۔

''ارے بھابھی آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔'' ندا نے ٹوکا تھا۔

''نہیں تو..... ایسا تو نہیں ہے..... وہ دراصل مجھے بھوک نہیں ہے۔'' جھجکتے ہوئے اس نے آہستگی سے بتایا۔

''لگتا ہے بیٹی ہماری شرما رہی ہے۔'' اس کے سسر نے محبت سے اسے دیکھا تھا۔

''کیں جی آپ بھی کمال کرتے ہیں، شرم کس بات کی بھلا اس کا اپنا گھر ہے سب اس کے اپنے ہیں تابش بیٹا تم یہ اورلو، شاباش۔'' یہ اس کی ساس تھیں انہوں نے اس کی جھجک مٹانے کو ہلکے پھلکے لہجے میں کہا، احد اس محبت کے مظاہرے کو دیکھ کر رہ گیا۔

''لیکن میں.....''

''کوئی لیکن ویکن نہیں جلدی سے شروع ہو جاؤ فٹافٹ۔'' انہوں نے دو تین ڈونگے اس کی طرف کھسکائے۔

''اماں..... آپ بھی نا بس..... ابھی دل نہیں چاہ رہا ہوگا۔'' احد نے اس کے چہرے پر بیزاری دیکھ کر ماں سے کہا۔

''تم چپ کرو، یہ میرا اور میری بہو کا مسئلہ ہے، ایک ہی تو بہو ہے آخر۔'' انہوں نے محبت سے تابش کو دیکھا جو کہ پلیٹ میں صرف چمچ ہی ہلا رہی تھی۔

''ہاں جی اور اکلوتی دلہن چاہے دیکھنا بھی پسند نہ کرے۔'' احد نے سرگوشی کی تو تابش نے دانت کچکچائے تھے، کمرے میں ہوتی تو اب تک جواب دے دیتی مگر یہاں سب کے سامنے، وہ اب اتنی بدتمیز بھی نہ تھی۔

☆☆☆

''ماموں! آنٹی کتنی پیاری ہیں نا کتنی کیوٹ سی ہیں۔'' یہ ارسلان تھا اس کی بڑی نند کا بیٹا، جو کہ اپنے ماموں کے ساتھ بیڈ پر بیٹھا کارٹون نیٹ ورک دیکھ رہا تھا، وہ ندا کے ساتھ ابھی کمرے میں آئی تو ارسلان نے اسے دیکھ کر کہا، جواباً احد نے شرارت سے اسے دیکھا۔

''یار ارسلان تمہیں کیسے پتا کہ فیری کیسی ہوتی ہے۔''

''ارے ماموں آپ نے کبھی نہیں دیکھا اسے، میں تو روز دیکھتا ہوں کارٹونز میں۔'' اس نے ایسے جواب دیا جیسے ماموں کے پری کو نہ دیکھنے پر اسے سخت افسوس ہوا تھا۔

''اچھا.....'' اس نے لمبا سا جواب دیا۔

''یار پھر تو تمہیں یہ بھی پتا ہوگا کہ پریاں بولتی بھی ہیں کہ نہیں۔''

''بولتی ہیں بہت زیادہ، بٹ جب کسی فیری کو جن اٹھا کر لے جائے تو وہ صرف روتی ہی رہتی ہیں۔'' اس نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا، تابش نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا لیکن دوسرے ہی لمحے پھر جھکا لیا، احد نے بہت غور سے اسے دیکھا، کارٹون ختم ہو چکے تھے ارسلان جا چکا تھا وہ اٹھ کر اس کے برابر جا بیٹھا، وہ ناگواری سے پرے کھسک گئی۔

''ارسلان کہہ رہا تھا کہ پریاں بولتی بھی ہیں۔'' اس نے اسے چھیڑا۔

ریڈ فراک اور سفید چوڑی دار پاجامے کے ساتھ ہلکے ہلکے میک اپ کے ساتھ احد کو وہ بالکل ایک گڑیا کی طرح لگی۔

''تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں۔'' اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے احد نے اس کی لمبی مخروطی انگلیوں کو چھوا تو وہ کانپ کر رہ گئی۔

''وہ..... مجھے گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔'' کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کہا، پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اس کے ماتھے پر چمک رہی تھیں، جبکہ احد اس سے یہ نہیں پوچھ سکا تھا کہ وہ جیسے ہی اس کے پاس بیٹھے یا اسے دیکھے اسے گھبراہٹ کیوں ہونے لگتی تھی، یہ تھی وہ ابھی تک نہ سلجھا سکا تھا، چند لمحے وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''اماں! تابش بہت چپ چپ سی رہتی ہے نا۔'' اس کی بڑی نند شمینہ نے کہا تھا۔

''لو بھلا ابھی ایک ہفتہ ہوا ہے شادی کو، اب پٹر پٹر بولتی کیا اچھی لگے گی وہ۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا، اب دیکھیں ناں دلہنیں کیسے ہنستی مسکراتی ہیں، کھلی کھلی سی رہتی ہیں، اماں آپ نے غور کیا وہ احد سے بھی اتنی بات وغیرہ نہیں کرتی، نہ کوئی دلہنوں والی شرمیلی سی مسکان۔'' انہوں نے کپڑے کی تہہ لگاتے ہوئے ماں کو سمجھایا۔

''ارے تم یونہی فکرمند ہو رہی ہو کچھ لڑکیاں ہوتی ہیں ایسی، نیا ماحول، نئے لوگ آہستہ آہستہ قبول کرتی ہیں وہ بھی ایسی ہی ہیں اس لئے تمہیں ایسا لگتا ہے۔''

''اوہ، آپ سمجھ نہیں رہی ہیں، میں یہ کہنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہ رہی تھی....." انہوں نے مناسب الفاظ تلاش کرنے چاہے۔

"اماں مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہ اس رشتے پہ خوش نہیں ہے۔" اماں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ضروری نہیں ہے کہ ایسا ہو۔" وہ اماں کے اس طرح دیکھنے پر گڑبڑا گئیں۔

"لیکن دیکھیں نا ہر وقت کمرے میں بند رہنا، چپ چپ اور اداس رہنا، اس سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے۔" انہوں نے بات پوری کی، اماں خاموش تھیں، ایسے جیسے گہری سوچ میں ہوں۔

"اماں! آپ پریشان نہ ہوں، ہوسکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو اور ویسے ہی ہو جیسے آپ کہہ رہی ہیں، ابھی عمر بھی تو کم ہے ناں وقت کے ساتھ ساتھ بہل جائے گی پھر جب شوہر اور بچوں کی ذمہ داری پڑتی ہے تو سب بدل جاتی ہیں۔" انہیں پریشان دیکھ کر ثمینہ نے انہیں تسلی دی۔

"اب یہ ندا پتا نہیں کہاں ہے، ابھی اتنا بکھراوا پڑا ہے سمیٹنے کو پیکنگ بھی کرنی ہے اور وہ ہے کہ کوئی فکر ہی نہیں۔" ان لوگوں کو آج واپس جانا تھا سو وہ ابھی سے سامان اکٹھا کر کے رکھ رہی تھیں، بولتے ہوئے انہوں نے چور نگاہ سے ماں کو دیکھا وہ ابھی تک کچھ سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

اس کی دونوں نندیں شام کو ہی جا چکی تھیں ان کے جانے کے بعد خاموشی سی ہوگئی تھی، وہ صبح اٹھی تو احد نہیں تھا، اسے آج آفس جانا تھا یہ اس نے رات ہی بتا دیا تھا حالانکہ اسے اس نے غرض تھی نا ہی اس کی جاب سے، اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں سوئیاں دس کا ہندسہ کراس کر چکی تھیں، وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

"ہائیں آج اتنی دیر تک سوتی رہی۔" ایک بار پھر اس نے گھڑی کی سمت نگاہ کی۔

منہ دھو کر وہ باہر آگئی، بال ویسے ہی ربڑ بینڈ میں جکڑے دوپٹہ کندھے پر ڈالے، سامنے کرسی پر سسر کو بیٹھے دیکھ کر اس نے دوپٹہ سر پر پھیلایا، سلام کر کے وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی ان کے محبت سے حال پوچھنے پر اس نے صرف "ٹھیک ہوں۔" کہنے پر اکتفا کیا، ابھی اس کی ساس سامنے سے آتی دکھائی دیں۔

"ارے بیٹا اٹھ گئیں، میں نے غفوراں کو بھیجا تھا تمہیں ناشتے پر بلانے کے لئے اس نے بتایا کہ تم سو رہی ہو تو میں نے منع کر دیا جگانے سے۔" ان کے اس طرح کہنے سے اسے بے ساختہ امی یاد آئیں تھیں اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ارے کیا ہوا بیٹا!" اس کو روتے دیکھ کر وہ اس کے پاس آئیں، انہوں نے اسے ساتھ لگایا تو وہ ہچکیوں سے رونے لگی انہیں تشویش سی ہوئی بیٹی کے خدشات انہیں یاد آئے۔

"تو کیا وہ واقعی خوش نہیں ہے۔" یہ سوچ ان کے ذہن میں سرسرائی۔

"امی یاد آرہی تھیں۔" دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے تابش نے بتایا تو وہ ہلکی پھلکی ہوگئیں۔

"یہ ثمینہ بھی نا خواہ مخواہ پریشان کر دیتی ہے۔" بیٹی کی باتوں کو یاد کر کے انہوں نے سر جھٹکا۔

"ہوتا ہے ایسا شروع کے دنوں میں ایکدم سے اپنے سارے رشتے چھوڑ کر آنا، بہت مشکل ہوتا ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"غفوراں ناشتہ لے آؤ بیٹی کے لئے۔" انہوں نے وہیں سے آواز دی۔

☆☆☆

انہوں نے واقعی سچ کہا تھا، آہستہ آہستہ وہ

واقعی اس ماحول کی عادی ہو رہی تھی امی اور ابو سے وہ کافی اٹیچ ہوگئی تھی ان کے چھوٹے موٹے کام وہ آسانی سے کر دیتی تھی۔

احد سے لاتعلقی ہنوز تھی، لاکھ کوشش کے باوجود وہ اسے قبول نہیں کر سکی تھی، جہاں وہ ہوتا وہ وہاں سے ہٹ جاتی، اسے کمرے میں دیکھ کر اسے گھٹن سی ہوتی وہ بچپن سے حسن پرست تھی، سو ابھی تک اس کا دل اسے قبول نہیں کر پایا تھا، وہ کب آفس جاتا، کب واپس آتا اسے کچھ خبر نہیں تھی یہاں تک کہ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے، اس کی جاب کیسی ہے؟

اس کے لاکھ بے زار رویے اور ناگواری کے باوجود وہ اس سے نرمی سے بات کرتا، ابھی تک اس نے احد کو غصے میں نہیں دیکھا تھا ایک نرم سا تاثر ہر وقت اس کی آنکھوں میں رہتا جو اس سے بات کرتے وقت مزید گہرا ہو جاتا، اسے سسرال بہت اچھا ملا تھا، اس بات کا اعتراف اس نے خود کئی دفعہ کیا تھا، لیکن وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھی، بے بس تھی۔

☆☆☆

"تابش!" وہ ان کے پاس بیٹھی تھی گم صم سی، جب انہوں نے اسے پکارا۔

"جی امی!" وہ جیسے کسی گہری سوچ سے چونکی۔

"بیٹا کیا سوچتی رہتی ہو ہر وقت، ہنسا کھیلا کرو، رنگت کیسے پیلی ہو رہی ہے اور آنکھوں کے گرد حلقے کیسے گہرے ہو رہے ہیں۔" غور سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"کھاتی بھی تو اتنا کم ہو ابھی ایک ماہ ہوا ہے شادی کو اور ایسے لگ رہا ہے دو سال ہو گئے شادی کو نہ کوئی ہار نہ سنگھار۔"

"امی جی..... وہ میں ذرا باہر لان میں چلی جاؤں؟" ان کی اتنی لمبی بات سے گھبرا کر اس نے جلدی سے کہا۔

"ہاں..... ہاں ضرور جاؤ ذرا طبیعت پرسکون ہو جاتی ہے۔" انہوں نے خوشی سے اجازت دی وہ چلتے ہوئے پھولوں کی باڑ تک آئی، ہر رنگ کے پھول ذہن کو تر و تازگی فراہم کر رہے تھے اس نے ایک پھول توڑ کر اسے سونگھا۔

"دو پھولوں کو اکٹھا دیکھنا کتنا خوبصورت لگتا ہے یہ اگر مجھے پہلے پتا ہوتا، تو کب کا یہاں آچکا ہوتا۔" دلکش آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا تو مبہوت رہ گئی، وہ جو کوئی بھی تھا بہت خوبصورت تھا وہ ہل نہیں سکی۔

"آپ حیران ہو کر اور بھی اچھی لگتی ہیں، ویسے نا چیز کو اشہر کہتے ہیں اور آپ؟" مسکراتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں.....؟" اسے سمجھ نہ آئی کیا کہا ہے۔

"مسز احد۔" کافی سوچنے کے بعد اسے یہی الفاظ مناسب لگے۔

"او..... اچھا دراصل میں احد کی شادی میں نہیں آسکا کچھ مصروفیت کی بنا پر اس لئے آپ کو دیکھا نہیں اور اب دیکھنے کے بعد سوچ رہا ہوں کہ میں نے دیکھنے میں کافی دیر کر دی۔"

"جی.....؟ میں سمجھی نہیں؟"

"بھئی احد بہت خوش قسمت ہے میں تو یہی کہوں گا۔" گہری نظروں سے اس کے سراپے کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"آنٹی اندر ہیں؟" اس نے پوچھا تو وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی، ایسا ہی تو شہزادہ چاہا تھا اس نے۔

"ارے یہ آپ کہاں کھو جاتی ہیں تھوڑی دیر بعد۔" اس نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

"میرے خیال میں آنٹی سے ملتے ہیں، احد تو آفس ہوگا، آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں میں نے؟" اس نے ایک سانس میں سب نمٹایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تابش۔'' اس کے ہمراہ چلتے ہوئے دھیرے سے اس نے بتایا۔

''بیوٹی فل نیم لائک یور پرسنالٹی۔'' اس نے کھل کر تعریف کی۔

آنٹی سے ملنے کے بعد وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا تھا، خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بولتا بھی بہت خوبصورت تھا۔

تابش نے کئی دفعہ چور نظروں سے اسے دیکھا تھا اور آنٹی سے باتیں کرتے ہوئے اس نے اس کی چوری پکڑ لی تھی، نہایت دلکشی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

''اچھا آنٹی اب اجازت، جلد چکر لگاؤں گا۔'' اسے نظروں میں رکھتے ہوئے اس نے بظاہر آنٹی سے کہا تھا۔

وہ کھڑا ہو گیا، آنٹی اسے باہر تک چھوڑنے گئی تھیں اور وہ مسمرائزی سی بیٹھی رہ گئی۔

''وہ احد کا دور کا کزن لگتا تھا بے روزگار تھا، دوسرے لفظوں میں فارغ پھرتا تھا اور جاب کے لئے احد کے پاس آیا تھا۔'' یہ ساری تفصیل اسے رات کے کھانے پر پتا چلی تھی۔

''تم سے بھی ملا تھا اشعر۔'' نائٹ کریم کا مساج کرتے ہوئے اس نے احد کی آواز سنی۔

''جی!'' مختصر جواب دیا تھا اس نے۔

''مجھے وہ شخص پسند نہیں ہے۔'' وہ پتا نہیں کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

تابش نے لاپرواہی سے اس کی بات سنی ان سنی کر دی، اشہر کو اس گھر میں کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا یہ اسے شام کی گفتگو سے پتا چل چکا تھا، لیکن اس نے غور نہیں کیا اور نہ ہی وہ جاننے کی کوشش کی تھی وہ خوبصورت تھا اس کے لئے یہی کافی تھا۔

احد نے غور سے اس کا انداز دیکھا، کچھ تو تھا جو پہلے سے الگ تھا، اداسی کی جگہ عجیب سی بے نیازی تھی وہ سنجیدگی سے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

اشہر سے دوسری ملاقات مارکیٹ میں ہوئی تھی وہ ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ کے لئے آئی تھی احد کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے وہ کتراتی وہ لوگوں کو فیس کرنے سے ڈرتی تھی۔

''ارے واہ، یہ اتنے حسین چہرے، ہمیں دیکھنے کا موقع ملا، میری قسمت اتنی اچھی ہے کہ اتنی جلدی آپ سے ملاقات ہو گئی یقین نہیں آ رہا۔'' لہجے میں دلکشی سموتے ہوئے اس نے دلفریبی سے کہا تھا اور وہ جو ابھی پہلی ملاقات کے فسوں سے نہیں نکلی تھی حیران سی رہ گئی۔

''ارے آپ پھر کھو گئیں، لگتا ہے احد نے آپ کو بتایا ہے کہ آپ حیران ہو کر جب آنکھیں کھولتی ہیں تو کسی کا بھی ہارٹ فیل کر سکتی ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بولا تو وہ ہوش میں آئی۔

''آؤ آئی ایم سارری مجھے خیال نہیں رہا۔'' وہ شرمندہ ہوئی۔

''سوری تو آپ کی تب قبول ہو گی جب آپ ہمارے ساتھ چائے پئیں گی، کیا خیال ہے؟''

''چائے، نہیں وہ مجھے جلدی گھر جانا ہے احد آگے ہونگے۔'' اس نے کمزور سے لہجے میں کہا حالانکہ احد کی اسے کبھی بھی پرواہ نہیں رہی تھی۔

''ڈونٹ وری ابھی چار بجے ہیں بہت ٹائم ہے اگر آپ ٹائم ویسٹ نہ کریں تو۔'' شاپنگ بیگ پکڑتے ہوئے وہ چل دیا اور وہ انکار نہ کر سکی، وہ اسے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی اسے ہر اعتراف کرنے میں لمحہ لگا۔

ایک بہت خوبصورت شام گزار کر وہ واپس

آئی تو اماں نے نہایت حیرت سے اس کے انداز دیکھے انہیں خوشی ہوئی، وہ بدل رہی تھی انہیں لگا وہ خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کر رہی ہے، اس نے سنورنا شروع کر دیا تھا، وہ خود پر توجہ دیتی، ہنستی گنگناتی وہ پہلے والی تابش سے بالکل مختلف تھی، لیکن احد کو دیکھتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو جاتا، اشہر کے سامنے وہ کچھ بھی نہ تھا۔

''ہونہہ بے چارہ اپنے اچھے اخلاق سے اپنی بدصورتی چھپانا چاہتا ہے۔'' اس کی اپنائیت پر وہ تمسخر سے سوچتی۔

دوسری ہی ملاقات میں وہ اس کی اسیر ہو گئی تھی وہ لفظوں کے جادو سے اسے اپنا اسیر کر رہا تھا، تابش کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی نے اسے حوصلہ دیا تھا جیسے ہی احد کا ذکر آتا وہ ناگواری سے چپ کر جاتی ان کے تعلقات کی نوعیت جاننا اسے قطعاً مشکل نہ لگا تھا اس کی ناگواری اور بیزاری سب کچھ سمجھا دیتی تھی۔

اور پھر ان کی ملاقاتیں بڑھتی چلی گئی تھیں، کبھی شاپنگ سینٹر اور کبھی پارک میں، احد آفس چلا جاتا اور وہ کوئی نہ بہانہ بنا کر چلی آتی ویسے بھی آج کل اسے اگر کسی کی پرواہ تھی تو اشہر کی، باقی سب کچھ بہت پیچھے چلا گیا تھا۔

☆☆☆

''سوسیڈ، میں تو پہلے دن ہی حیران تھا کہ کہاں آپ اور کہاں احد، بہت زیادتی ہوئی ہے آپ کے ساتھ۔'' اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

''آپ کے پیرنٹس کو سوچنا چاہیے تھا، خیر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔'' اس کی بات پر تابش نے چونک کر سر اٹھایا۔

وہ آج اس کے فلیٹ پر آئی تھی، اشہر نے بتایا تھا کہ اس کی فیملی دوسرے شہر میں ہے، اس نے اور کچھ نہیں پوچھا تھا اکیلے اس کے ساتھ آئے ہوئے اسے ذرا خوف محسوس نہیں ہوا تھا خواہشات میں انسان شاید ایسے ہی اندھا ہو جاتا ہے۔

''اب..... اب کیا ہو سکتا ہے؟'' اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ارے عورت کو اسلام نے خلع کا حق دیا ہے آپ اگر اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں تو آپ اپنا حق استعمال کر سکتی ہیں۔'' اس نے قائل کرنا چاہا۔

''لیکن.....'' اس نے کہنا چاہا۔

''لیکن کیا..... آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے آپ کا اور احد کا کوئی جوڑ نہیں۔''

''میرے ماں باپ کیا سوچیں گے؟''

''کون سے ماں باپ جب انہوں نے نہیں سوچا آپ کے بارے میں تو آپ کیوں سوچیں۔'' اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''آپ کو پورا حق ہے فیصلہ کرنے کا۔'' لوہا گرم دیکھ کر اس نے چوٹ کی اور اس شام جب وہ گھر لوٹی تو اس کا دل باغی ہو رہا تھا۔

''زندگی اس کی ہے تو اس کو حق ہونا چاہیے کہ وہ جیسے مرضی گزارے۔''

''زندگی بار بار نہیں ملتی۔'' اشہر کے کہے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

چلتے چلتے وہ تھک گئی تو وہیں لان میں کرسی پر بیٹھ گئی، اتنا بڑا فیصلہ اسے کرنا تو تھا لیکن ایک الجھن سی تھی۔

''کیا بات ہے؟ کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' احد کب وہاں آیا اپنے ہی خیالات میں الجھے اسے پتا نہ چلا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے دیکھے بغیر جواب دیا۔

''بات تو ضرور ہے اب تم نہ بتانا چاہو تو اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ہے۔'' جواباً وہ چپ رہی۔

''اگر کوئی پریشانی ہے، الجھن ہے تو شیئر کرو شیئر کرنے سے پریشانی کم ہو جاتی ہے۔'' اس نے نہایت محبت سے کہا تھا مگر جواب میں وہ بھڑک اٹھی۔

''کہا نا کچھ نہیں ہے، سمجھ کیوں نہیں آتی آپ کو خدا کے لئے پیچھا چھوڑ دیں میرا، طبیعت خراب ہے، چپ کیوں ہو اداس کیوں ہو، تنگ آ گئی ہوں میں اس تفتیش سے۔'' اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے اس نے غصہ سے کہا اور پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔

☆☆☆

وہ کہیں جانے کو کمرے سے نکلی تو اماں نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا خوبصورت تو وہ پہلے سے تھی ذرا سی توجہ خود پہ دیتی اور نظریں ہٹنا مشکل ہو جاتیں۔

''اماں وہ میں اپنی دوست کی طرف جا رہی ہوں۔'' ان کے گہری نظر سے دیکھنے پہ اس نے نظریں چراتے ہوئے جھوٹ بولا۔

''تابش بیٹا! میں صرف یہی کہوں گی کہ شادی سے پہلے صرف ماں باپ کی عزت مقدم ہوتی ہے جبکہ شادی کے بعد، خیر میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ کبھی اپنی دوست کو گھر لے کر آؤ نا۔'' انہوں نے مبہم سے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ جو اتنے شوق سے اشہر سے ملنے جا رہی تھی اس بے وقت مداخلت پر بھنا اٹھی۔

''ایک تو اس گھر میں بات کرنا ہی فضول ہے ہر وقت نصیحتیں ہر وقت انویسٹی گیشن۔'' اسے کوفت سی ہوئی۔

''اماں! میں جاؤں؟'' ٹائم دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے دیکھا جو عجلت میں اجازت مانگ رہی تھی۔

''جاؤ بیٹا! اللہ کی امان میں، جلدی آ جانا احد کے آنے سے پہلے۔'' اسے سمجھانا فضول تھا اس بات کا انداز انہیں ہو چکا تھا۔

وہ کم عمر تھی، نادان اور نا سمجھ تھی، زمانے کے چلن سے ناواقف تھی، رنگوں اور خوشبوؤں کے پیچھے بھاگنے کی عمر میں تھی، جب آزاد رہنا آزاد پھرنا اچھا لگتا ہے، روک ٹوک بری لگتی ہے، انہوں نے دینا دیکھی تھی اس کے انداز انہیں بہت کچھ سمجھا گئے تھے۔

''اللہ اسے حفظ و امان میں رکھنا، اے اللہ اسے ٹھوکر نہ لگے، کیونکہ ٹھوکر لگنے کے بعد چوٹ اور زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں لیکن اس کے اثرات ضرور رہ جاتے ہیں۔'' انہوں نے فکر مندی سے اس کے لئے دعا کی تھی۔

☆☆☆

''تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟'' وہ پارک میں بینچ پر بیٹھے تھے جب اشہر نے اس کے حسین سراپے کو ترستی نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا وہ خاموش سی تھی۔

''تابش! تمہیں پتا ہے، تم اتنی خوبصورت ہو کہ میں الفاظ میں شاید بیان کر ہی نہ سکوں، احد کے ساتھ شادی تمہارے ساتھ مذاق کیا گیا ہے وہ تمہاری ویسی قدر نہیں کر سکتا جس کی تم حقدار ہو۔'' اس کی برین واشنگ کا کام وہ مسلسل کر رہا تھا، وہ کچے ذہن کی لڑکی اس کے ہر ہر لفظ کو ذہن میں نقش کر رہی تھی۔

''کوئی تو ہے جو اس کے دکھ کو سمجھتا ہے اس کے احساس و احساسات کا خیال کرتا ہے۔'' اس نے ایک نظر اشہر کی طرف دیکھا، ریڈی شرٹ اور بلیک جینز میں وہ اسے ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔

''اشہر! مجھے یہ سب، مجھے سب، مشکل لگ رہا ہے میرے پیرنٹس، وہ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں گے۔'' ایک جھجک سی تھی، سب کو

چھوڑنے کے خیال سے ہی اسے کچھ ہونے لگتا، لاکھ ان سے ناراض سہی پھر بھی ہمیشہ کے لئے جدا ہونا، بہت مشکل ہے، اس نے سوچا تھا۔

''تابش! یار تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں؟ میں جو ہوں تمہارے ساتھ۔'' اس نے یقین دلانا چاہا۔

''تم مجھے ابھی تک غیر سمجھتی ہو؟'' اشہر نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' اس نے فوراً کہا تو اشہر دل ہی دل میں ہنسا تھا۔

وہ بے وقوف تھی، یہ اسے پہلی ہی ملاقات میں پتا چل چکا تھا اور پھر اس سے روز ہونے والی ملاقاتوں سے یہ بات ثابت کر دی تھی، وہ خود کو مظلوم سمجھتی تھی، احد کا وجود اسے گراں گزرتا تھا لیکن اس نے اس کا دماغ بالکل ہی نفرت سے بھر دیا تھا کہ، اب وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔

وہ مکمل طور پر اس کے کنٹرول میں تھی وہ حسن پرست تھی اور اشہر نے اپنے خوبصورت ہونے کا مکمل فائدہ اٹھایا تھا۔

''تمہیں پتا ہے جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا میں تو تب ہی تم پر فدا ہو چکا تھا۔'' اپنی تعریف سننا کسے اچھا نہیں لگتا پھر جب اتنا خوبصورت شخص تعریف کرے تو، وہ ہواؤں میں اڑنے لگی۔

''تابش! تم بس ایک دفعہ ہاں کرو پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں، تمہاری ساری پریشانیاں ختم کر دوں گا، پھر.....'' وہ اسے خواب دکھا رہا تھا اور اس کے سنگ خوابوں کا سفر کرتے اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ان خوابوں کی اسے کتنی قیمت چکانا پڑے گی۔

☆☆☆

اشہر نے کہا تھا، اسے کل تک فیصلہ چاہیے وہ اور انتظار نہیں کر سکتا، اشہر کا ساتھ اسے ہر قیمت پر چاہیے تھا لیکن پھر بھی ایک بے چینی سی تھی، اس سے فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔

امی کی محبتیں، بھائیوں کا پیار، ساس سسر کی شفقت اور احد کی اپنائیت اس نے کتنی ہی دفعہ اس کی بدتمیزی پر درگزر کیا تھا۔

''کیا میں ٹھیک کر رہی ہوں۔'' ضمیر نے ملامت کیا تھا۔

''کیا وہ اتنی محبتوں سے کنارہ کر سکتی ہے؟ دماغ نے فوراً نفی میں جواب دیا تھا جبکہ دل کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔'' اس نے ایک نظر احد کی مسکراتی تصویر کی طرف دیکھا۔

''کیا وہ اس شخص کے ساتھ پوری زندگی گزار سکتی ہے۔'' اور دل نے ایک بار پھر سختی سے نفی میں جواب دیا۔

اور پھر دماغ کے ہزار ٹوکنے کے باوجود وہ فیصلہ کر چکی تھی، صرف ایک رشتے کو حاصل کرنے کے لئے اس نے باقی رشتوں کو پس پشت ڈال دیا تھا، اس نے ہینڈ بیگ اٹھایا، اسے اشہر کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا تھا جلد از جلد، اس نے اشہر کو اپنے آنے کا نہیں بتایا تھا وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی، وہ بہت خوش ہو گا اس کا اسے اندازہ تھا۔

''وہ کیا کرنے جا رہی ہے؟'' یہ سوچنے کا اس وقت ٹائم نہیں تھا، اس وقت اسے پتا تھا تو بس اتنا کہ اسے اپنے خواب پورے کرنے ہیں ایک خوبصورت جیون ساتھی کی تلاش اس کا پورا حق تھا، اس کے والدین نے اس پر اپنی مرضی مسلط کی تھی اب وہ صرف انہیں خوش کرنے کے لئے اپنی ساری زندگی قربان نہیں کر سکتی تھی، فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے سوچا، اس نے ہینڈل گھمایا دروازہ شاید لاک تھا۔

''دیکھو اشہر! میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو جانتا ہے ڈیل فائنل کرنے کے بعد انتظار کرنا پسند نہیں کرتا اور اس صورت میں تو بالکل بھی نہیں جب کہ میں پے منٹ بھی کر چکا ہوں۔'' دستک کے لئے اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور اٹھا ہی رہ گیا نا مانوس سی آواز، اسے تجسس سا ہوا۔

''سلیم یار! پتا ہے تیری کیا خرابی ہے تو بے صبرا بہت ہو جاتا ہے اب اتنی محنت کر رہا ہوں نا اس پر امید ہے ایک دو دن میں رزلٹ آ جائے گا۔'' یہ اشہر کسی کی بات کر رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ سکی۔

''اچھا اور اگر اتنی محنت کے بعد بھی نتیجہ صفر نکلا تو؟''

''اونہوں، امبا سبل وہ ضرور آئے گی کیونکہ وہ اپنے شوہر سے نفرت کرتی ہے اور میری کہی ہوئی ہر بات مانتی ہے وہ اشہر نے کوئی کام کبھی کچا نہیں کیا۔'' تابش کو آج سے پہلے اس کی آواز اتنی مکروہ نہیں لگی تھی۔

''ویسے لڑکی تو واقعی پیاری ہے تبھی تو انتظار کر رہا ہوں، کافی منافع دے گی۔'' یہ دوسری آواز تھی۔

''بس یار! ایک دو دن انتظار کر جتنی وہ بے وقوف ہے نا، ضرور فیصلہ کرنے ہی والی ہو گی آج کل میں۔''

''ویسے یار! ایک نمبر کا کمینہ ہے تو یہ بات تو ماننا پڑے گی۔'' ان کا قہقہہ گونجا تھا اور وہ آسمان سے زمین پر گری تھی۔

''اچھا پھر چلتا ہوں اور ہاں یاد رکھنا دو دن سے اوپر اگر ہوئے تو دو لاکھ تیار رکھنا۔'' دوسری آواز آئی اور وہ بے آواز رونے لگی تھی۔

''دو لاکھ.....''

بس اتنی سی قیمت تھی اس کی؟ جس شخص کے لئے وہ سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہو گئی تھی اس نے اس کی قیمت لگا رکھی تھی، اتنی ارزاں تھی وہ۔

قدموں کی چاپ پر وہ بھاگ کر درخت کی اوٹ میں ہو گئی، اسے باہر تک چھوڑ کر اشہر دوبارہ اندر چلا گیا تھا، اسے اس کے خوبصورت چہرہ سے نفرت سی ہوئی۔

جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا، کانپتی ٹانگوں اور لرزتے قدموں سے وہ بمشکل گھر تک آئی تھی۔

پورا راستہ وہ روتی رہی تھی اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ''ہر شخص کے چہرے پر خول ہے کوئی ظاہری طور پر خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی اصلیت تب کھلتی ہے جب اس کا خول اترے، اس کو پرکھنا ضروری ہوتا ہے۔'' لیکن تب اس نے صرف پڑھا تھا اس کا مطلب اسے سمجھ نہیں آیا تھا، اب اسے سمجھ آئی کہ اسے انسانوں کی پہچان نہیں تھی، وہ گھر کو چھوڑ کر کھوٹے کے پیچھے بھاگی تھی۔

گھر داخل ہوتے ہی اس نے شکر ادا کیا کہ اماں سامنے نہیں تھیں وہ اس وقت ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، کمرے کا دروازہ لاک کر کے وہ جی بھر کر روئی تھی، اپنی بے بسی پر، اپنی نادانی پر، تبھی دستک کی آواز پر اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے۔

''ک..... کون ہے؟'' اس نے دروازہ کھولے بغیر پوچھا تھا۔

''اللہ کرے احد نہ ہو۔'' اس نے تڑپ کر دعا کی تھی اور اس کی دعا قبول ہو گئی تھی اماں کی آواز پر اس نے دروازہ کھول دیا۔

''بیٹا! تم تو اپنی دوست کی طرف گئی تھی، اتنی جلدی آ گئیں، خیریت؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا تو وہ ضبط نہ کر سکی، ان کے گلے لگ کر رونے لگی احساس ملامت حد سے سوا تھا۔

''ارے تابش بیٹا کیا ہوا ہے؟ بتاؤ تو

سہی۔'' وہ دہل گئیں اور پھر ہچکیوں کے دوران اس نے ساری بات انہیں بتا دی تھی کسی نہ کسی کو تو بتانا تھا سو اس نے ان پر اعتبار کرنے کا فیصلہ کیا تھا ابھی ایسے یہی مناسب لگا تھا، وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

اس کی ساس روایتی ساسوں سے بالکل الگ تھیں وہ کئی دفعہ سوچ چکی تھی سو اس نے ان کو رازداں بنایا تھا، اس وقت اسے کچھ کہنا مناسب نہیں تھا سو وہ اسے لیٹنے کا کہہ کر باہر چلی آئیں۔

☆☆☆

رات تک اسے بخار ہو چکا تھا، احد آیا تو اماں نے اسے اس کی طبیعت کا بتایا، وہ حیران ہوا، صبح تو بالکل ٹھیک چھوڑ کر گیا تھا بلکہ پہلے سے بھی تر و تازہ لگ رہی تھی۔

''بخار بہت تیز ہے میں نے میڈیسن دے دی ہے ابھی انہیں آرام کرنے دیں جب اٹھیں گی تو بہتر محسوس کریں گی۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

احد ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑنے گیا تھا، واپس آ کر اماں سے اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ پھر کہیں چلا گیا تھا۔

صبح اس کی طبیعت کافی بہتر تھی احد آفس جا چکا تھا منہ دھوتے ہوئے اس کی نظر خود پر پڑی اور کل کی گئی باتیں اسے پھر سے یاد آنے لگیں۔

''وہ اپنے شوہر سے نفرت کرتی ہے۔''

''جتنی وہ بے وقوف ہے وہ ضرور آئے گی۔''

''وہ میری ہر بات مانتی ہے۔''

''یار یہ لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں جس نے تعریف کی تھوڑی سی اسی کے پیچھے چل دیں۔''

اشہر کے الفاظ اس کا لہجہ، یہ وہ اشہر تو نہیں تھا، یا شاید اسے ہی پرکھنے میں غلطی ہوئی تھی۔

اسے یاد آیا جب وہ پہلے دن آیا تھا تو اس نے اماں کے انداز میں واضح ناگواری دیکھی تھی، کیوں اس کا جواب اسے مل چکا تھا وہ چادر اپنے گرد لپیٹتی باہر چلی آئی، غفوراں کو اس کے لئے دودھ لانے کا کہہ کر انہوں نے اسے پاس بلایا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' وہی محبت بھرا انداز اسے پھر شرمندگی نے آ گھیرا۔

ایک دھوکے باز انسان کی خاطر وہ سب رشتوں کو چھوڑنے چلی تھی۔

''بیٹا جو ہو چکا اس پر میں کچھ نہیں کہوں گی تم بچی تھی نادان تھی، تم سے غلطی ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے اس نے تمہیں بچائے رکھا اور کسی بڑے نقصان سے محفوظ رکھا تم نے مجھے ماں سمجھ کر سب کچھ بتایا، میں نے بھی کبھی تمہیں بیٹی سے کم نہیں سمجھا۔'' وہ سانس لینے کو رکیں۔

''اب ایک بیٹی کی طرح ماں سمجھ کر میری بات پر عمل کرنا۔'' غفوراں ناشتہ اور دودھ لے آئی تھی، وہ ایک لمحے کو چپ ہوئیں۔

''شوہر جو ہوتے ہیں وہ بیوی کے کردار میں ذرا سی کھوٹ برداشت نہیں کر سکتے سو تم یہ بات احد کو مت بتانا، دوسری بات جو میں کہنا چاہتی ہوں کہ اب جو ہو چکا اسے بھول جاؤ ماضی کا قصہ سمجھ کر اور نئی زندگی شروع کرو اس گھر پر توجہ دو، اپنے شوہر پر توجہ دو اور مرد کو بھٹکنے میں دیر نہیں لگتی اس سے پہلے کہ وہ بھٹک جائے اسے سنبھال لو۔'' اسے سوچنے کا موقع دیتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئیں جبکہ وہ سر جھکائے آنسو پیتی رہی کچھ کھانے کو دل نہیں کیا تھا وہ کمرے میں آ گئی۔

''بدصورت دل ہونے سے بہتر ہے کہ چہرہ بدصورت ہو۔'' ایک دفعہ اس کی ٹیچر نے کہا تھا اسے یاد آیا۔

''اشہر کا چہرہ خوبصورت تھا لیکن اس کا باطن۔'' اسے اپنی پسند پر شرمندگی محسوس ہوئی اس نے غور سے احد کی تصویر کی طرف دیکھا اسے آج وہ اتنی بری نہیں لگی تھی کیونکہ اس کا باطن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوبصورت تھا، اس نے اعتراف کیا۔

"Any realation does not need powenful eyes cute vioce and lovely face it always need a beautiful responsible hearit with affeation forever."

☆☆☆

"اماں! احد آج لیٹ نہیں ہو گئے۔" گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"وہ تو روز ہی اس وقت آتا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر بتایا۔

"اچھا!" اس نے خفت سے سر جھکایا۔

آج سے پہلے شاید اس نے کبھی غور نہیں کی تھی تبھی تو اسے یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کس وقت آتا ہے ہارن کی آواز پر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اسے لگا کہ وہ پہلی دفعہ اسے دیکھ رہی ہے۔

"السلام وعلیکم!" بیگ صوفے پر رکھتے ہوئے اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

شادی کے بعد وہ پہلی دفعہ اسے یوں بیٹھا دیکھ رہا تھا وہ بھی ایسے تیار، اس سے نظر نہیں ہٹائی گئی۔

تابش وہاں سے اٹھی تھی کہ اب اس کے سامنے بیٹھنا اسے دشوار لگا تھا، کچھ دیر بعد وہ کمرے میں چلا گیا تو اماں نے اس کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"مگر..... مجھے ڈر لگتا ہے۔" انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ انہیں بہت معصوم لگی تھی۔

"ڈر..... کس بات کا..... وہ کھا تھوڑی جائے گا بلکہ ایسا کرو چائے لے جاؤ، احد بہت شوق سے پیتا ہے چائے۔" وہ اگر کہتی کہ اس کا گھر بچانے میں سب سے اہم کردار اس کی ساس کا تھا تو قطعاً بے جا نہ ہوتا، اس نے مشکور نظروں سے انہیں دیکھا چائے سمیت وہ کمرے میں داخل ہوئی تو احد کو ایک دفعہ پھر حیرت کا جھٹکا لگا۔

"چائے۔" لرزتے ہاتھوں سے اس نے کپ آگے کیا۔

آج حیرتوں کا دن تھا، شادی کے بعد یہ پہلا کام تھا جو وہ اس کے لئے کر رہی تھی، کپ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی وہ کچھ کہنا چاہتی تھی شاید۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"احد وہ میں آپ سے سوری کرنا چاہتی تھی۔" لفظ مشکل ادا کیے تھے اس نے۔

"سوری فار واٹ؟" چائے پیتے ہوئے اسے اچھو لگا، آج کی ہر بات ہر نرالی تھی۔

"دراصل میں نے آپ سے بہت دفعہ بدتمیزی کی ہے، آپ کو اگنور کیا ہرٹ کیا۔" وہ بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

"اچھا!" اس نے اچھا کو لمبا سا کیا۔

"ویسے اتنی جلدی خیال کیسے آیا۔" اس نے شرارت سے پوچھا۔

"دراصل پہلے میں بے وقوف تھی، مگر اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

"آپ مجھ سے ناراض ہیں نا؟" اس کے گم صم انداز کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"ہاں ناراض تو ہونا چاہیے نا۔" اس نے اسی سنجیدہ لہجے میں جواب دیا تو وہ رونے لگی اس نے اس معاف نہیں کیا تھا، اماں کی محنت رائیگاں ہی گئی تھی، احد اسے کبھی معاف نہیں کرے گا اس نے سوچا۔

"تم نے کہا کہ تم پہلے بے وقوف تھی، جبکہ تم اب بھی بے وقوف ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں کیونکہ اپنی تمام تر بے وقوفی کے باوجود تم مجھے بہت عزیز ہو۔" اور تابش نے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

سچی خوشیوں کا عکس اس کے چہرے پر چمک بن کر ابھرا تھا اس نے سچے دل سے اس رشتے کو قبول کیا تھا۔

ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی اسی طرح ہر چیز اور انسان ویسا نہیں ہوتا جیسا کہ وہ ظاہر میں نظر آتا ہے اسے یہ بات سمجھ آ گئی تھی۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے خوبصورت دل انسان اس کے لئے چنا تھا اب خوبصورت چہرہ اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆

"اُفوہ..... احد ایک تو آپ اتنا ٹائم لگاتے ہیں تیار ہونے میں بلکہ عورتیں کو بھی مات دیتے ہیں آپ۔"

"او مائی گاڈ، سراسر الزام۔" کنگھی کرتے ہوئے اس نے احتجاج کیا۔

"او کے ہم تو تیار ہیں بھئی، کوئی حکم۔" اس نے سر کو ہلکا سا خم کیا۔

"احد ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں پوچھو۔" گھڑی باندھتے ہوئے اس نے مصروف لہجے میں جواب دیا۔

"آپ نے کبھی پوچھا نہیں میرے ابتدائی دنوں کے رویہ کے بارے میں؟"

"وہ اس لئے کہ میں پہلے سے جانتا ہوں، مجھے آنٹی نے بتا دیا تھا۔" اس نے تابش کی امی کا نام لیا۔

"ہائیں..... کیا بتایا انہوں نے؟" اسے سمجھ نہیں آئی۔

"یہی کہ تم ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اور اتنی جلدی شادی پر تمہیں کچھ غصہ تھا اس لئے۔" اس نے نارمل سے انداز میں کہا تو ایک بڑا بوجھ تابش کو لگا کہ اس کے سر سے اتر گیا ہے۔

اس نے ایک بار پھر خدا کا شکر کیا احد نے کبھی اسے طعنہ نہیں دیا تھا نہ ہی کبھی اس پہ شک کیا تھا اور یہ اس کی ایکسٹرا کوالٹی تھی۔

"یار ایک تو میں تمہاری اس عادت سے بہت تنگ ہوں، جہاں کھڑی ہوتی ہو وہیں سوچ کر سمندر میں غوطے لگانے لگتی ہو۔"

"او..... ہاں سوری۔"

"ویسے تم سوچ کیا رہی تھی؟"

"میں سوچ رہی تھی کہ آپ کی تصویر بہت خوبصورت ہے۔" اس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"اچھا، مطلب کہ تصویر خوبصورت ہے میں خوبصورت نہیں ہوں۔" وہ کھل کر مسکرائی۔

"آپ کو پتا ہے آپ اس دنیا کے خوبصورت انسان ہیں پتا ہے کیوں..... کیوں کہ آپ کا دل خوبصورت ترین ہے۔" احد طمانیت سے مسکرایا۔

"میرے خیال میں اب چلنا چاہیے۔" اس نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

اور اس کی ہمراہی میں چلتے ہوئے تابش کو آج کوئی احساس کمتری نہیں تھا، وہ لوگ آج امی کی طرف جا رہے تھے وہ ان سے معافی مانگنا چاہتی تھی اور وہ ان کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی تھی کہ انہوں نے اسے اتنے خوبصورت انسان کے سپرد کیا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دہلیز کا دکھ

نظارت نصر

ماں نے نہایت درد انگیز لہجے میں دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیرے اور مصلّی سمیٹ کر ایک طرف چوکی پر رکھ دیا، بنا سنے بھی وہ جانتی تھی کہ ماں نے باقی دعاؤں کے ساتھ ایک دعا بہت شدت سے مانگی ہوگی اور وہ دعا تھی۔

''یا اللہ! میرے گھر کی دہلیز کی حفاظت کرنا، مجھے دہلیز کا دکھ نہ دکھانا۔''

اپنے بچپن سے آج تک وہ ماں کو بہت تسلسل اور شدت کے ساتھ اس دعا کو روزانہ پانچوں وقت دہراتے سنتی آئی تھی، جب وہ چھوٹی تھی تو اس نے کئی مرتبہ ماں سے پوچھا بھی تھا کہ دہلیز کا دکھ کیا ہوتا ہے، مگر ماں نے کبھی اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا، ہمیشہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے بہلا دیا کرتی تھیں اب تو وہ اس کا مطلب پوچھنا بھی ترک کر چکی تھی۔

لیکن اس سارے عرصے کے دوران وہ یہ جان گئی تھی کہ یہ دعا بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھی تبھی تو ماں اتنے لمبے عرصے سے ہر روز یہ دعا مانگ رہی تھی، سوچوں میں ڈوبے ہوئے اسے ادراک ہی نہیں ہوا کہ اس کا ڈنڈا رکا ہوا ہے۔

''تمہیں ادرک لہسن کوٹنے کو دیا تھا، فلسفی بننے کو نہیں کہا تھا، چل اب اٹھ کر نماز پڑھ لے ٹائم نکلا جا رہا ہے۔''

ماں کی گھرکی نے اسے خیالات کے بھنور سے باہر لا پٹکا، اس نے تیزی سے دو چار بار ہاتھ چلایا اور کونڈا ماں کی طرف کھسکا کر خود وضو کرنے چل دی۔

نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو بے ساختہ اس کے لبوں پر دعا مچل گئی۔

''یا اللہ میرے گھر کی دہلیز کی حفاظت کرنا، مجھے دہلیز کا دکھ نہ دکھانا۔''

جونہی اسے اپنی دعا کا ادراک ہوا اسے ہنسی کا دورہ پڑ گیا، وہ وہیں مصلے پر ہی گر کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگی۔

ماں عصر کے بعد دورِ شریف پڑھنے میں مگن تھی اسے پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ کر وہیں چولہے کے پاس سے بولی۔

''اوئے ہوں۔''

مگر ہاجرہ کی ہنسی کسی طرح رک نہ رہی تھی، آخرکار ماں کو بولنا ہی پڑا۔

''کیا پاگل ہو گئی ہو، مصلے پر بیٹھ کر ہنسنے سے گناہ ہوتا ہے۔''

مگر ماں کی بات اسے خاموش کرانے کو ناکافی تھی، وہ ہنس ہنس کر بے حال ہوتی رہی، اسے یہ احساس ہی گدگدا رہا تھا کہ وہ بھی ماں جیسی ہو گئی ہے، وہ بھی وہی دعا مانگنے لگی ہے جو اس کی ماں مانگا کرتی ہے۔

تب ہی بیرونی دروازے کے پاس مردانہ کھانسی کی آواز ابھری، ہاجرہ کی ہنسی کو ایک دم بریک لگے تھے، ہنسنے سے سرخ ہونے والا چہرہ ایک دم فق پڑ گیا تھا، ماں کے ورد کرتے لب لمحہ بھر کو خاموش رہ گئے۔

''آج کیا گھولنے لگی ہو، کھانا تو کبھی تمہیں پکانا آیا ہی نہیں، وہ تو میں اور میری ماں بھلے مانس

نکلے کہ تمہارے ہاتھ نہیں توڑے ورنہ اور کوئی برداشت نہیں کرتا۔''

ہاجرہ نے کمرے میں پناہ لے لی تھی، ماں کے بعد اسی کی شامت آنی تھی، یہ تو کبھی ہوا نہیں تھا کہ ابا گھر میں آئے اور ان دونوں کی شامت نہ آئے، ماں نے شاید دلی زبان میں کوئی جواب نہ دیا، ابا نے اور کئی جلی کٹی سنا ڈالیں، پھر چھوٹے سے کچے صحن میں خاموشی چھا گئی، ہاجرہ کو علم تھا کہ اب اس کی باری ہے۔

''کہاں مر گئی ہے، پانی دے مجھے باہر نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر۔'' کمرے کی طرف منہ کر کے ابا نے گویا اسے یقین دلایا کہ مخاطب وہی تھی، وہ اس کا نام نہیں لیتا تھا، ہاجرہ اکثر محسوس کرتی تھی کہ ابا اس سے نفرت کرتا ہے۔

لرزتے قدموں سے وہ پانی لائی، ابا نے بنا اس کی طرف دیکھے پانی اس کے ہاتھ سے لے لیا اور پی کر خالی گلاس چارپائی پر پٹخ کر وہ گھر کے اکلوتے کچے کمرے میں چلا گیا، ہاجرہ نے ڈرتے ڈرتے جھانک کر دیکھا، وہ چارپائی پر لیٹ گیا تھا، وہ ماں کے پاس آن بیٹھی۔

''ماں! ابا ایسا کیوں ہے؟'' ماں نے دہل کر اسے دیکھا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروا دیا، اگر یہ بات ابا کے کان میں پڑ جاتی تو وہ دونوں کو پیٹ ڈالتا۔

ہاجرہ کو یاد نہیں پڑتا تھا کہ ابا نے کبھی اس سے یا ماں سے سیدھے منہ بات کی ہو، اگرچہ وہ گاؤں کے کھلے ماحول میں رہتے تھے، مگر ہاجرہ کو گلی میں نکلنے اپنے ساتھ کی لڑکیوں سے کھیلنے، حتیٰ کہ پڑھنے کی بھی اجازت نہ تھی، حالانکہ گاؤں کی بہت سی لڑکیاں گاؤں کے پرائمری سکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔

اس طرح کی پابندیاں صرف ہاجرہ کے لئے ہی نہیں تھیں بلکہ ماں بھی کسی کے گھر نہیں جا سکتی تھی، ہمسایوں سے بھی اس نے ابا سے چھپ کر تعلقات بنائے تھے، انہی سے ماں نے ہاجرہ کے لئے کتابیں منگوا کر اسے خود لکھنا پڑھنا سکھایا تھا۔

یہ سرگرمی ابا سے چھپائی گئی تھی، ایک دن ماں نے ہاجرہ کو بتایا تھا کہ وہ میٹرک پاس ہے، جبکہ ابا شاید چار چھ جماعتیں پڑھا ہوا تھا، اس کے باوجود وہ ہاجرہ کی تعلیم کے سخت خلاف تھا، اس کے لئے وہ کسی پہیلی کی طرح تھا، جسے وہ جب پوچھنے کی کوشش کرتی تھی، ماں اسے کسی نہ کسی بہانے ٹال دیتی تھی۔

☆☆☆

صحن میں لگے آم کے پیڑ پر کچی کیریاں لگی تھیں طوطے دن بھر ان کے پیچھے پڑے رہتے، وہ بہت خاموشی سے درخت پر آ بیٹھتے اور کیریاں ٹونگتے اور گراتے رہتے، ٹپ سے کیری گری تو ہاجرہ ڈنڈا اٹھا کر طوطے کو مارنے دوڑی، دوپٹہ چارپائی پر پڑا رہ گیا تھا، ماں کی نظریں اس پر جمی رہ گئیں، ہاجرہ کا بچپن رخصت ہو گیا تھا وہ ایک دوشیزہ بن چکی تھی۔

''اتنا وقت گزر گیا؟ پتہ بھی نہیں چلا۔'' ماں نے خود سے سرگوشی کی، اس دن ماں کی نمازیں اور سجدے بڑے طویل ہو گئے، وہ رو رو کر رب سے وہی مخصوص دعا کر رہی تھی۔

ہاجرہ سے رہا نہ گیا، وہ ماں کے پیچھے ہی پڑ گئی۔

''ماں آخر اس دعا کا کیا مطلب ہے اور تو یہ دعا مانگتے ہوئے روتی کیوں ہے؟'' ماں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''ہاں میری بچی، اب یہ تیرا حق ہے کہ تو اس دعا اور میرے رونے کی وجہ جان سکے۔''

ماں نے اسے کمرے میں بھیج دیا، خود بیرونی دروازے کی کنڈی چڑھا دی، کمرے کا دروازہ بھی بند کر کے ماں نے ہاجرہ کا تجسس اور بڑھا دیا۔

''میری ماں بھی دعا مانگا کرتی تھی، مگر وہ شاید یہ دعا مانگنا بھول گئی تھی، میری بہن نے اپنی پسند کی شادی کرنے کے لئے رات کے اندھیرے میں گھر کی دہلیز پھلانگ لی تھی۔'' ماں نے سرد آہ بھری۔

''شاید ماں اسے سمجھا نہ سکی تھی، جب بھی ہمارا دہلیز پر پاؤں آتا تو ماں ہمیں جھڑکیاں دیتی۔'' اور کہتی۔

''دہلیز پہ پاؤں نہیں رکھتے، اس کا احترام کرتے ہیں۔''

مگر وہ یہ نہ سکھا سکی کہ احترام میں یہ بھی شامل ہے کہ اس دہلیز کو رات کے وقت سب سے چھپ کر نہیں پھلانگتے، میری بہن پھلانگ گئی، وہ تین نہیں تھیں ایک کی غلطی کی سزا باقی دو کو ملی ابا نے اماں کو مارا بھی اور ہماری شادی جس کے ساتھ فوراً ممکن تھی کر ڈالی۔

اسی ایک غلطی کی وجہ سے آج تک نہ میں اپنے گھر میں کوئی مقام حاصل کر سکی اور نہ ہی تمہاری چھوٹی خالہ۔

تمہاری دادی رشتے میں میری پھپھو تھیں انہیں اپنے آوارہ نکھٹو بیٹے کے لئے کوئی لڑکی نہیں دیتا تھا، اس واقعے کے بعد بھائی کے سر احسان دھرنے پہنچ گئیں۔

''اے بھائی! تیری بیٹی نے جو کالک تیرے منہ پہ ملی ہے اس کے بعد کوئی تیری بیٹی نہیں لے گا مگر میں تو بہن ہوں تیرا برا وقت نہیں دیکھوں گی تو کون دیکھے گا، اپنی ایک بیٹی مجھے دے، اسے میرا بیٹا میرے خاطر گھر میں ڈال لے گا۔''

میں اور میری اماں رہنے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکیں، یوں میں تین کپڑوں میں اسے کچے گھر میں آ گئی، ساری زندگی تمہارے باپ نے مجھے کوئی عزت نہیں دی۔

پھر خدا نے آگے بھی مجھے بیٹی ہی دی، تمہارے باپ کی مجھ سے نفرت میں تم بھی حقدار بن گئیں، میں نے ساری زندگی گھر میں بیٹھ کر محنت مشقت کر کے گزاری، اگر لوگوں کے کپڑے سیئے تو بھی تمہارے ابا نے لا کر دیئے اور اسی نے رقم پکڑی وہ صاف کہا کرتا تھا کہ۔

''جیسی ایک بہن ویسی ہی دوسری ہوں گی میں نہیں چاہتا کوئی کہے کہ تمہاری بیوی فلاں جگہ دیکھی گئی ہے۔''

صرف اس سوچ نے ہم دونوں کی زندگی برباد کر دی، ایسے میں، میں خدا سے اگر رو رو کر اپنی دہلیز کی حفاظت کی دعا نہ مانگتی تو کیا کرتی۔

''بیٹی! کبھی مجھ سے کچھ مت چھپانا، نادانی میں اٹھایا ہوا ایک قدم انسان کو ساری زندگی کے پچھتاووں میں ڈال دیتا ہے۔''

ماں اسے گلے لگا کر زار و قطار رونے لگی، ہاجرہ کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

چند لمحے وہ تذبذب کی کیفیت میں رہی پھر کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولی۔

''ماں! وہ جو ساتھ والی دیوار ہے نا آم کے پیچھے والی، اسے اونچا کروا دے میں نے..... میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ وہ ہماری کیریاں توڑ لیتے ہیں۔'' ماں نے گھبرا کر اس کا چہرہ کھوجا۔

''تو نے خود دیکھا تھا۔'' ہاجرہ نے رخ بدل لیا۔

''دیکھا تھا تو کہہ رہی ہوں، مگر ماں ایک بات یاد رکھنا شاید تیری اماں نے یہ دعا نہیں مانگی تھی مگر تیرے بعد تیری بیٹی یہ دعا مانگنے لگی ہے، اللہ دعاؤں کو رد نہیں کرتا اور ماں شک دوستی کی فضا کو ختم کر دیتا ہے، مجھ پہ کبھی شک مت کرنا۔'' ماں نے بڑی دیر تک کمرے سے باہر جاتی ہاجرہ کو دیکھا تھا۔

ہاجرہ نے نظر بھر کر آخری مرتبہ اس دیوار کو دیکھا جہاں سے پچھلے کچھ دنوں سے دو آنکھیں اسے جھانکتی نظر آئی تھیں اور کچھ مبہم سے اشارے بھی، شاید وہ بہک جاتی مگر خدا نے بروقت اسکے سنبھلنے کا انتظام کر دیا تھا، ہاجرہ کو لگا اس کی ماں کی دعائیں مستجاب ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ونی

مبشرہ ناز

وہ اوائل نومبر کی ایک خنک شام تھی، شام کی بڑھتی ہوئی اداس تاریکی میں سامنے کی ہر چیز آہستہ آہستہ دھندلی ہوتی جا رہی تھی، اس نے نظریں گھما کر بغیر پلستر والی دیواروں کو دیکھنا چاہا جو اندھیرے میں ڈوب کر بھیانک ہوتی چلی جا رہی تھی جیسے وہ سیاہ رنگ میں نہا گئی ہوں، اندھیرا اور تنہائی ان دو لفظوں نے مل کر اس کے ذہن میں جو نیا لفظ جنم دیا وہ ''قبر'' تھا، اندھیری اور تنہا اسے لگا اس کا وجود بھی اس پل ایک قبر میں ہے جس میں اس کے خوابوں، خواہشوں اور خیالات کے ساتھ اس کا وجود بھی بے جان لاش کی طرح اس چارپائی کا حصہ بن گیا ہو، یکدم اس کی نظر اندھیرے کو نگلنے والی لالٹین کی اس روشنی پہ پڑی جو مدھم ہونے کے باوجود کمرے کے اندھیرے کو کافی حد تک نگل چکی تھی۔

''رانو..... رانو بیٹا!'' کرم دین کی آواز اندھیرے میں گونجی مگر وہ خاموش چت لیٹی لالٹین کی اس مدھم روشنی کو دیکھتی رہی جس کی لو دھیرے دھیرے اسکی زندگی کی ڈور کی طرح لرز رہی تھی اس کے جواب نہ دینے پر کرم دین بھی چند ایک آوازیں دے کر خاموشی سے اپنی چارپائی پر لیٹ گیا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا اس کے اندر چنگاریاں سی گر رہی تھیں، ایسی چنگاریاں جنہوں نے اسے اندر ہی اندر جلا دیا ہے، مگر کتنی عجیب بات تھی آرزوؤں اور امنگوں کے جل جانے کے بعد نہ بھی اس کا دل احتجاج کر سکا اور نہ ہی خاموش ہوا نہ ہی کان خاموش ہوئے زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے جسے زندگی نہیں بلکہ زندہ موت کہا جاتا ہے، وہ صرف خاموش تھی قسمت کی ستم ظریفی پر کیونکہ قسمت ہمیشہ کی طرح اپنا فیصلہ سنا چکی تھی اور ہم لڑکیوں کی قسمت تو ان جاگیر داروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو آسمان پر رہنے والے خدا کو بھول کر زمین پر خدا بن بیٹھے ہیں، لیکن وہ جو اس کے اپنے تھے وہ بھی یوں انجان بن گئے کہ اس میں اس کا کوئی دوش نہیں ہاں یہ بھی حقیقت تھی کہ ان کا کیا جرم، جرم تو صرف اس کا تھا بیٹی ہونے کا جرم، عورت ہونے کا جرم، خدا نے عورت کو تخلیق کا شرف بخشا، اس کے قدموں کے نیچے جنت رکھی، دعاؤں کی چادر سے سائبان ڈھکنے کو اپنا سہارا سہارا بخشا مگر آج یہی بہن، بیٹی اور بیوی اپنے عورت ہونے کا خراج ادا کر رہی ہے اور اب اس خراج کو ادا کرنے کے لئے اسے بھی ان راہوں کا مسافر بنا دیا گیا تھا، جس کی نہ کوئی منزل تھی اور نہ کوئی نشان وہ نوخیز کلی کھلنے سے پہلے مرجھانے لگی تھی، کچی عمر کے خواب ریت کے بکھرے گھروندوں کی طرح اس کے گرد بکھرے ماتم کناں تھے ہوا میں تیزی آ چکی تھی، لالٹین بھی ہوا کی تیزی کو برداشت نہ کر سکی اور بجھ گئی اور لالٹین کے بجھنے پر وہ وحشت زدہ نظروں سے اندھیرے میں پھیلتے گھٹتے سایوں کو ایک بار پھر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

کرم دین ایک معمولی کسان تھا، جو گاؤں کے زمیندار کی ایک سو چالیس مربع زمین پر دن رات ہل جوت کر گندم کی سنہری بالیاں لہرانے کا ضامن تھا، مگر بد قسمتی سے ان لہراتی گندم کی سنہری بالیوں میں اسے مٹھی بھر بھی نصیب نہ ہوتی اور جو معمولی معاوضہ اسے ملتا اس میں سے بھی زمیندار آدھی رقم پہ کہہ کر رکھ لیتا کہ قرضہ بمعہ سود ادا نہیں ہوا اب تک اس کی کل کائنات اس کے دو بچے تھے، رانو اور شیر دل اس کی بیوی سکینہ گزشتہ سال ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گئی تھی اور بیوی کے علاج اور کفن دفن پر لئے جانے والا وہ قرض آج تک بھی وہ زمیندار کو ادا کر رہا تھا، جو سود کی شکل میں نہ جانے کتنا طویل ہو گیا تھا اور مزید کتنا طویل ہونا تھا یہ وہ نہیں جانتا تھا، شیر دل اس کا اکلوتا بیٹا تھا مگر اس کا بازو بننے کے بجائے وہ اس کے اوپر ایک طرح سے بوجھ تھا، کیونکہ وہ پورے گاؤں کے آوارہ بدمعاش لڑکوں کے ساتھ گھومتا اور ان پر اپنی دادا گیری جماتا تھا، اس وقت بھی وہ نڈھال سا چارپائی پہ پڑا تھا کیونکہ اگر اس کا بیٹا آوارہ ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا تو رانو اس کی بیٹی اس کے دل کا ٹکڑا تھی اور آج اسے فیصلہ کرنا تھا کہ اسے آنکھوں کی ٹھنڈک چاہیے یا دل کا ٹکڑا مگر وہ فیصلہ کیا کرتا فیصلہ تو ہو چکا تھا یہ اور بات تھی کہ در پردہ وہ اس فیصلہ پر راضی تھا کیونکہ دنیا آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے دل سے نہیں دل دھڑکنا بند ہو جائے تو لوگ بھی اپنے کاندھوں کا سہارا دیتے ہیں مگر آنکھیں بے نور ہو جائیں تو کوئی سہارا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنتا اور شیر دل اس کی آنکھوں کا نور تھا۔

☆☆☆

سورج کی نرم گرم روشنی گندم کی سنہری بالیوں کو چوم رہی تھی گندم کی سنہری بالیوں کو دیکھ کر کرم دین کا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا بے شک یہ فصل اس کی نہیں تھی اور نہ ہی ان لہراتی بالیوں پر اس کا کوئی حق تھا مگر یہ اس کی چلچلاتی دوپہروں اور سرد راتوں کا پھل تھیں جو آج سورج کی روشنی میں جگمگا رہا تھا وہ چند پل یک ٹک اسے لہراتے دیکھ کر اپنی نظریں سیراب کرتا رہا نہ جانے اسے کتنی دیر گزر گئی تھی ان لہراتی بالیوں کو دیکھتے جبھی اپنے نام کی پکار پر اس نے مڑ کر دیکھا۔

''بابا..... بابا!'' رانو دور سے پکارتی بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی وہ اس کے بدحواس سے بھاگتے اور بار بار پکارنے پر تذبذب کا شکار ہو گیا، اس کا دل یکدم زور زور سے دھڑکنے لگا اسے کسی انہونی کا احساس ہونے لگا جبھی رانو قریب آ کر پھولی سانسوں سے بولی۔

''بابا! بھایا اور اس کے دوستوں نے برابر والے پنڈ کے زمیندار کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کو گولی مار دی ہے۔''

''کیا؟'' کرم دین کے ہاتھ میں تھاما صافہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر اس کے قدموں میں رلنے لگا۔

''ہاں بابا! بھایا کے ساتھ اس کے تینوں دوست بھی تھے وہی جو صنعتکار کا بیٹا اور دوزمیندار کے بیٹے ہیں۔'' صنعتکار اور زمیندار کا نام سن کر تو کرم دین کی ہمت بھی جواب دے گئی وہ ڈھلے شانوں اور لٹے قدموں سے صافے کو روندتا آگے بڑھ گیا، اسے معلوم تھا کہ وہ تینوں بڑے آدمی کے بیٹے ہیں اس لئے بچ جائیں گے اور اس کا بیٹا یا تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گا یا پھر اسے اندھی گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا، رانو باپ کی حالت دیکھ کر خود بھی لٹے پٹے قدموں سے اس کے ساتھ چلنے لگی، بھائی کا جرم اپنی جگہ مگر اسے اپنے باپ سے بہت محبت تھی کیونکہ وہ باپ کی دن رات کی مشقت سے بھی آگاہ تھی، بوڑھے باپ کو اپنے کمزور بازوؤں سے سہارا دے کر وہ کچے آنگن سے بنے سورج کی تپش اور زمانے کے تھپیڑے سہتے گھر کی طرف بڑھ گئی جہاں وہ کچا بوسیدہ جھونپڑی نما آشیانہ اپنی باہیں پھیلائے ان دونوں باپ بیٹی کو آغوش میں لینے کے لئے بے تاب تھا، نجانے کتنا وقت گزر گیا آسمان کے سینے پر چمکتا سورج اب اپنا تھکا ماندہ وجود دل کر زمین کی گود میں جانے کے لئے بے تاب تھا، مگر ان دونوں کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اس کا باپ چت لیٹا کھجور کی چھال سے بنی چھت اور بغیر پلستر والی دیواروں کو یک ٹک تک رہا تھا جبکہ رانو بھی اپنے باپ کو دیکھتی اور کبھی کچے فرش پر نادیدہ لکیریں تلاش کرتی۔

☆☆☆

پورے گاؤں میں تاریکی کا راج تھا، لوگ ڈر سے سہمے اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، چار جوان لاشوں نے جہاں عورتوں کے اوسان خطا کر دیئے تھے وہیں بوڑھے مردوں کو مزید ان کی عمر سے دوگنا کر دیا تھا، سرخ حویلی میں بیٹھے وہ چاروں مرد آج کے فرعون تھے جن کے لئے نہ کسی جوان کی جوانی اہم تھی اور نہ کسی عورت کی عزت و زندگی۔

''میں نے تم چاروں سے پہلے بھی کہا تھا کہ ہر کام میں صرف زبان کا استعمال کیا کرو مگر تم چاروں حد سے زیادہ نہ صرف زبان چھٹ بلکہ ہتھ چھٹ بھی ہو اور شیر دل کسی پہ ہاتھ اٹھانے سے پہلے اپنی حیثیت اور اوقات دیکھ لینی چاہیے

تھی تمہیں۔ چوہدری شاہ نواز نے اپنے دونوں بیٹوں اور بھتیجے کی حمایت کرتے ہوئے سارا دوش شیر دل کو دینا چاہا مگر اس کے بیٹے نے اس کی بات کاٹ دی۔

''بس بابا جان بس معاملہ اتنا گمبھیر نہیں جتنا آپ بنا رہے ہیں اور قصور صرف شیر دل کا ہی نہیں بلکہ ہم تینوں کا بھی ہے آپ ان لوگوں سے خون بہا کی بات کر لیں اور اگر وہ خون بہا میں رقم لینے پر راضی نہیں تو ہم انہیں ونی کی رسم کے تحت عورت بھی دینے کو تیار ہیں۔''

''کیا؟'' شاہ نواز نے حیرت و صدمے سے جوان ہوتے بیٹے کو فیصلہ سناتے ہوئے دیکھا جس میں ذرہ برابر بھی لچک نہیں تھی۔

''ہاں بابا سائیں رب نواز ٹھیک کہہ رہا ہے بس آپ صبح پنچایت بٹھائیں اور فیصلہ کریں بہت ہو گیا۔'' اس کے دوسرے بیٹے نے بھائی کی حمایت میں کہا تو شاہ نواز کو زبان کھولنی پڑی۔

''تو ونی میں دینے کے لئے لڑکی کہاں سے لاؤ گے۔'' ان کے سوال پر چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا جبھی راب نواز نے بغور ان تینوں کو دیکھا اور پھر بولا۔

''بابا شیر دل کی بہن ہے ناں رانو۔'' شیر دل نے چونک کر رب نواز کو دیکھا اس کے دیکھنے پر راب نواز نے نظریں چرا لیں۔

''اور جہاں تک بات ہم تینوں کی ہے تو آپ کی بیٹیاں کس دن کام آئیں گی، شکیلہ اور نبیلہ بھی تو بھائی کی محبت میں ان کی زندگی کی خاطر اتنا تو کر سکتی ہیں اور ویسے بھی بھائیوں پر تو بہنیں ازل سے قربان ہوتی چلی آئی ہیں تو اگر یہ دونوں بھی قربانی دے دیں گی تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔'' رب نواز نے بے رحمی سے تجزیہ کرتے ساتھ فیصلہ سنایا، چوہدری شاہ نواز ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گیا۔

کیسا بیٹا تھا جسے اپنی زندگی کے لئے بہن کی زندگی کو ختم کرتے ہوئے پل بھر کو بھی ترس نہیں آیا، آج بات ان کی اپنی بیٹی بھی آ گئی تھی اس سے پہلے آج تک وہ دوسروں کی بیٹیوں کی زندگی کے فیصلے کرتے آئے تھے، زمین کو روندتے ہوئے وہ فرعون فیصلہ کر کے اندر کی طرف بڑھ گئے اور شیر دل بھی ان فرعونوں کی فرعونیت کو لبیک کہتے کہتا ان کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

نومبر کا وسط شروع ہو چکا تھا دور کہیں پہاڑوں پہ برف جمنے لگی تھی، پرندوں کی بھی دوسرے علاقوں کی طرف نقل و حرکت بڑھنے لگی تھی مگر اندرون سندھ کے اس گاؤں میں دھول اڑ رہی تھی اور وہ دھول لوگوں کی آنکھوں میں چبھی نمی کو اس پل باہر نکالنے میں معاون ثابت ہو رہی تھی، پنچایت بیٹھ چکی تھی تمام مزارعے اور غریب غرباء کچی زمین پر بیٹھے سورج کی تمازت کو بھلائے پنچایت کا فیصلہ سننے کے لئے بے تاب تھے، جبھی چوہدری شاہ نواز کے آنے پر سب سر جھکائے کھڑے ہو گئے کچھ مزارعے عقیدت مندی سے کبھی اس کے ہاتھوں کو چومتے اور کبھی پاؤں چومتے، وہ بیزاری سے ان کو جھڑکتا سب پہ طائرانہ نگاہ ڈال کر اپنی مخصوص کرسی پہ بیٹھ گیا، اس کے بیٹھنے پہ کرم دین کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس نے ماتھے پہ آئے پسینے کو صاف کیا اور چوہدری کا فیصلہ سننے کے لئے الرٹ ہو گیا۔

''چونکہ تم سب جانتے ہو کہ کل شیر دل اور میرے بیٹوں سے ناداستگی میں چار جوانوں کو گولی لگی تھی ان کو بچانے کی سر توڑ کوشش کی گئی مگر وہ بچ نہ سکے شاید یہی حکم ربی تھا۔'' چوہدری شاہ نواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم نے ان کو خون بہا میں رقم اور زمین دینی چاہی مگر انہوں نے صرف رقم لینے سے انکار کر دیا اس لئے اب ان کو خون بہا میں رقم کے ساتھ ونی کی رسم کے تحت عورت دے جائے گی مگر....." چوہدری شاہ نواز یکدم رک گیا، لیکن پھر مجمع میں ہونے والی سرگوشیوں کو سن کر اس نے بات پوری کی مگر اس رسم میں ایک مرد کے بدلے تین عورتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

"کیا؟" پنچایت میں بیٹھے سب لوگ حیرت و صدمے سے چیخ اٹھے، چوہدری شاہ نواز نے ان کے تاثرات کو بغور دیکھا پھر اپنی بات شروع کی۔

"ہاں ایک مرد کے لئے تین عورتیں اس طرح ان چار مردوں کی جان بچانے کے لئے بارہ عورتیں منتخب کی گئی جن میں کرم دین تمہاری بیٹی رانو کے علاوہ میری....." چوہدری شاہ نواز نے بات ادھوری چھوڑ دی، کیونکہ آج بات اپنے گھر کی عزت کی تھی۔

"رانو کے علاوہ کیا چوہدری صاحب۔" ایک مزارعے نے اس کی ادھوری بات کو پورا کروانا چاہا۔

"رانو کے علاوہ میری دونوں بیٹیاں شامل ہیں۔" چوہدری شاہ نواز نے اپنی بیٹیوں کے تذکرے پہ اپنی نظریں جھکا لیں، مگر کرم دین کو اس کی جھکی نظروں سے کوئی سروکار نہ تھا، کیونکہ اس کا دل تو اسی بات پہ اٹک گیا تھا کہ اس کی رانو اس کے دل کا ٹکڑا، شیر دل یعنی اس کی آنکھوں کے نور کو بچانے کے لئے خون بہا میں دے دیا جائے گا اس نے نظر اٹھا کر چوہدری کے بیٹوں کے ساتھ بیٹھے شیر دل کو دیکھا جہاں دکھ کی ہلکی سی پرچھائیں تک نہ تھی، یکدم پوری پنچایت میں شور مچ گیا تھا اور شور مچانے والے وہ مزارعے تھے جن کی بیٹیوں کو خون بہا میں دینے کے لئے چوہدری شاہ نواز نے منتخب کیا تھا، مگر ان کی آوازوں کو چوہدری شاہ نواز کے بیٹوں کی دھاڑ نے چپ کروا دی تھی اور وہ مزارعے چوہدری اور اس کے بیٹوں کے فیصلے پر لٹے پٹے قافلے کی طرح اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔

☆☆☆

آج نومبر کی پچیس تاریخ تھی، بارہ لڑکیوں کا یہ قافلہ دوسرے گاؤں کی طرف چلنے کے لئے تیار تھا، قافلے میں بارہ لڑکیوں کی حفاظت کے لئے تین ادھیڑ عمر مردوں کا انتخاب کیا گیا تھا، میدان میں کھڑے چوہدری شاہ نواز کے شانے جھکے ہوئے تھے آج اس کی اپنی بیٹی اس منزل کی طرف جا رہی تھی جسے وہ کبھی دوسروں کے لئے نہایت روایتی انداز میں دوسروں کے لئے منتخب کرتا تھا۔

سارا دن چلتے چلتے ان کے پاؤں شل ہو گئے تھے مگر وہ لڑکیاں سوکھے لبوں اور ٹوٹی چپلوں سے اپنی نڈھال زدہ لاشیں اٹھائے مستقل چل رہی تھیں ان کے لب خاموش تھے مگر دل فریاد کناں تھے اور دلوں کے بھید کون جانتا ہے سوائے رب کریم کے، رانو بھی خاموشی سے قافلے کے ساتھ چل رہی تھی بلکہ چل کیا رہی تھی وہ اپنی زندہ لاش کو گھسیٹ رہی تھی، بھائی کے بے حسی اور باپ کی بے بسی نے اسے پتھر بنا دیا تھا، شام رات میں ڈھلنے لگی تھی جب وہ قافلہ دوسرے گاؤں پہنچا گاؤں والوں کی آنکھوں میں ان جوان خوبصورت مگر بے بس لڑکیوں کے رحم اور اور آنسو تھے جبکہ بڑی حویلی کی عورتیں اپنے جوان مردوں کی موت کا بدلہ ان سے لینے کے لئے بے تاب تھی ان لڑکیوں کے نگہبان مردوں کو حویلی کے باہر سے واپس کر دیا گیا تھا اور اب سوکھے

لبوں اور نڈھال وجودوں کے وہ سب ان کی گالیاں کوسنے اور طعنے سن رہی تھیں ایک آدھ کو تو پٹنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا تھا اور ان پٹنے والوں میں رانو سرفہرست تھی، وہ بے جان مجسمہ بنی ہوتی تھی مگر وہ عورت جو مقتول کی ماں تھی اس پیٹ پیٹ کر نہیں تھکی تھی، رات کے بارہ بج رہے جب وہ تمام عورتیں ان لڑکیوں کو پیٹ پیٹ کر تھک چکی تو دوبارہ بین ڈالنے بیٹھ گئی، کچھ لڑکیاں اپنی بے بسی پر رو رہی تھیں جبکہ کچھ ساکت بیٹھیں تھیں جن میں رانو بھی تھی اسے دیکھ کر کسی مجسمہ کا گمان ہو رہا تھا وہ جوان تھی، خوبصورت تھی اور اسی وقت ساکت بیٹھی کوئی موی مجسمہ لگ رہی تھی، حویلی کی بین ڈالتی عورتوں کی آوازوں پر حویلی کے مرد اندر آ گئے تھے اور انہوں نے ہی ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان لڑکیوں کو ان کے بنائے گئے ٹھکانوں پر بھیج کر ان عورتوں کو بھی اندر بھجوا دیا۔

☆☆☆

رات قطرہ قطرہ بیت رہی تھی لڑکیاں تکلیف کی شدت اور آئندہ ہونے والے ظلم کو یاد کر کے رو رہی تھیں باہر آسمان بادلوں کی گھن گھرج کے ساتھ ان لڑکیوں کی بے بسی و ظلم پر رو رہا تھا، اسے لگ رہا تھا اس کے دل کی دھڑکن کی رک جائے گی اور اس سوچ پر بے ساختہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی وہ چھپر کٹ کے دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی آسمان سے برسنے والے پانی اس کے اور آسمان کے درمیان ایک دبیز دھند کی چادر بنا دی تھی مگر اسے یقین تھا کہ اگر وہ اپنے رب کو نہ دیکھ سکی تو اس کا رب اسے ضرور دیکھ رہا ہو گا، اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے رب سے مناجات کرنے لگی، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پہ بکھر رہے تھے اس نے مناجات سے فارغ ہو کر آسمان پہ ایک گہری نظر ڈالی اور ایک لمبی سسکاری کے ساتھ سجدہ ریز ہو گی اس کے سجدہ ریز ہوتے ہی طوفانی بارش اور تیز ہو گئی ہواؤں کے جھکڑوں نے ٹنڈ منڈ درختوں کو اکھاڑ پھینکا اور ساری رات وہ آسمان اس کی بے بسی پر روتا رہا ہوائیں بین کرتی رہیں اور روتا ہوا اس کا آسمان اسے قبولیت دعا کا مژدہ سنانے کے لئے بے تاب ہوتا رہا مگر سننے والی اس کی پہنچ سے دور جا چکی تھی، نہ صرف وہ خود دور چلی گئی بلکہ اپنی ہم جولیوں کو بھی انصاف دلا گئی تھی، اگلی صبح کا سورج گاؤں کی عورتوں کے ساتھ مردوں کے لئے بھی حیران کن تھا، جس حویلی سے مشیت ایزدی کے تحت چار جوان جنازے اٹھے تھے اسی گھر کے در و دیوار سے ظلم و جبر نے مزید بارہ جنازے اٹھا دیئے تھے، پورا گاؤں اشک بار تھا اور وہ بارہ معصوم نوخیز کلیاں ان چھوئی ہی واپس چلی گئیں ان کے رب نے ان کو بکھرنے سے بچا لیا، ان بارہ لڑکیوں کے جنازے اٹھاتے وقت پورے گاؤں نے حویلی کے مردوں کو بھی دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا تھا، کیونکہ بوڑھے کی موت پر تو صبر آ جاتا ہے مگر جوان کی موت پر صبر کرنا اور اسے کاندھوں کا سہارا دینا پہاڑ سر کرنے کے مترادف ہوتا ہے اور معصوم رانو نے اپنے ساتھ اپنی سنگی معصوم نوخیز کلیوں کو بکھرنے سے بچا کر آنسوؤں کے وضوؤں کا حقدار بنا دیا تھا اور ایسی معصوم فرشتہ صفت ہستیاں جو حقیقی قربانی اور ظلم و جبر کی آنکھیں کھولنے والی ہوں صرف سلام ہی نہیں بلکہ خراج تحسین کی حقدار ہوتی ہیں۔

"کیونکہ یہ سچ ہے مظلوم کی دعا اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔"

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حاصلِ مطالعہ

فرزانہ سلیم

حدیث مبارکہ

اللہ اور بندے کا ساتھ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں مجمع (یعنی فرشتوں میں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

شمائل وہاب، کراچی

صدقہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔'' (جامع ترمذی)

شازیہ نواب، علی پور

انمول موتی

☆ مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ (فرمان الٰہی)

☆ دنیا کی (اندھی) محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ لوگوں کو حق سے پہچانو، حق کو لوگوں سے نہیں۔ (حضرت ابوبکرؓ)

☆ تم جس سے نفرت کرتے ہو اس سے ہوشیار رہو۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆ ایسی بات نہ کہو جو مخاطب کی سمجھ سے باہر ہو۔ (حضرت عثمانؓ)

☆ فرصت کے اوقات کو غلط مت جانو یہ ایسے بادل ہیں جو جا کر پھر نہیں آتے۔ (حضرت علیؓ)

افشاں اشرف، عارف والا

عاجزی

ایک روز حضرت واسعؒ نے اپنے بیٹے کو ذرا اترا کر چلتے دیکھا تو فرمایا۔

''مجھے کچھ خبر ہے تو کون ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم کے عوض مول لیا تھا اور میں جو تیرا باپ ہوں تمام مسلمانوں سے کمتر ہوں، پھر یہ تیرا اترانا کس بات پر ہے؟''

نیت کا اثر

ایک دن نوشیرواں شکار کو گیا، راستے میں پیاس غالب ہوئی، سامنے اسے ایک باغ نظر آیا، جب وہ وہاں پہنچا تو باغ کے دروازے پر اسے ایک لڑکا ملا، نوشیرواں نے اس سے پانی طلب کیا تو لڑکے نے کہا۔

''یہاں پر پانی نہیں ہے۔''

نوشیرواں نے کہا۔

''اچھا ایک انار ہی دے دو۔''

لڑکے نے انار توڑ کر دیا، نوشیرواں نے جب انار کھایا تو وہ نہایت ہی شیریں اور لذیز تھا، دل میں خیال آیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، یہ باغ لے لیا جائے۔

اس لڑکے سے دوسرا انار لانے کو کہا، لڑکے نے دوسرا انار بھی توڑ کر دے دیا، نوشیرواں نے انار کھایا تو وہ بدمزا نکلا، نوشیرواں نے لڑکے سے پوچھا۔

''تم یہ انار اسی درخت سے توڑ کر نہیں لائے کیا؟''

لڑکے نے کہا۔

''انار تو اسی درخت سے توڑ کر لایا ہوں۔''

نوشیرواں نے حیرت سے کہا۔

''تو پھر اس کا ذائقہ کیوں بدل گیا؟''

لڑکا بولا۔

''اس لئے کہ بادشاہ کی نیت بدل گئی۔''

لائبہ رضوان، فیصل آباد

کوئی بات کرو

- گفتگو میں سب سے قیمتی چیز خاموشی کے وقفے ہیں۔ (رالف رچرڈسن)
- آدمی کی تشکل کی دلیل اس کا قول ہے اور قول کی دلیل اس کا فعل ہے۔ (جالینوس)
- حقیقتاً اچھا آدمی وہ ہے جو ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جن کو لوگ برا کہتے ہیں۔ (خلیل جبران)
- جس دل میں قوت برداشت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔ (حکیم لقمان)
- کمزور انسان موقعوں کے انتظار میں رہتے ہیں لیکن باہمت خود مواقع پیدا کر لیتے ہیں۔ (السپ)
- جو گناہ کا مرتکب ہو، اسے آدمی سمجھ جو گناہ کر کے اترائے اسے شیطان سمجھو۔ (بوعلی سینا)
- ایسی نیکی کرو، جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض پہنچے۔ (تھوریو)
- انسان کی حقیقی عظمت کا جائزہ اس کے اعمال سے لیا جا سکتا ہے۔ (میکالے)
- نیکوں کی صحبت سے پورا فائدہ ہوگا جب تک آدمی بروں سے نہ بچا رہے۔ (بوعلی سینا)

کنول شاہین، جلال پور جٹاں

چھوٹا چراغ بھی کافی ہے

مصیبت بہرحال مصیبت ہے، چھوٹی ہو یا بڑی، اسی طرح نیکی بہرحال نیکی ہے خواہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نیکی ایک چراغ ہے، اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ایک مقام یا راستہ خطرناک ہو اور اس میں تاریکی ہو اور بڑی قندیل نے ملے تو کیا چھوٹے چراغ کو بھی ٹھکرا دیا جائے گا، ہرگز نہیں بلکہ تاریکی دور کرنے کے لئے چھوٹا چراغ بھی کافی ہوتا ہے۔

افشاں گل، راولپنڈی

جمہوریت

سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ یا جسے عام طور پر حکومت کے نام سے پکارا جاتا ہے دراصل کیا ہے؟ ہر تیسرے، چوتھے، پانچویں یا ساتویں سال غریب اور بے کس عوام سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کرنا کہ سرمایہ داروں میں کون سا فرد تم پر حکومت کرے اور تمہیں لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا جائے۔

سیدہ نسبت زہرا، کہروڑ پکا

اشتہار

ہیر نکلی جس گھڑی رانجھے کے ساتھ
اس کا ماما آن ٹپکا خواہ مخواہ
چل رہے تھے اشتہار اچھے بھلے
اک ڈرامہ آن ٹپکا خواہ مخواہ

تجربے کار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اخبار کے مالک نے امیدوار سے پوچھا۔
''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم یہ اخبار کامیابی سے چلا سکو گے؟''
امیدوار فوراً بولا۔
''کیوں نہیں جناب! میں پورے تین سال تک تانگا اور ایک سال تک موٹر رکشا کامیابی سے چلاتا رہا ہوں۔''

عفرا ثاقب، جہلم

باتیں کچھ ہماری

☆ کسی بھی مرد یا عورت کی اچھی بری تربیت کا اندازہ ان کے اس رویے سے لگایا جا سکتا ہے جو وہ لڑائی جھگڑے کے دوران اختیار کرتے ہیں۔ (جارج برنارڈ شا)

☆ میاں بیوی کینچی کے دو پھلوں کی مثال ہے کہ وہ اس طرح ملے ہیں کہ جدا نہیں ہو سکتے، اکثر و بیشتر ایک دوسرے کی مخالف سمت میں حرکت کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ان کے درمیان آ جائے تو اس کی خوب خبر لیتے ہیں۔ (سڈنی اسمتھ)

☆ محفل میں اپنی خامیاں مت بیان کیجئے، آپ کے جاتے ہی یہ کام ہو جائے گا۔ (ایڈیسن)

☆ دنیا میں بہت زیادہ لوگ ہیں اور بہت کم انسان۔

سعدیہ نسیم، لاہور

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت ام جعفر جس راستے سے گزرتی تھی اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے فقیر صدا لگایا کرتے تھے ایک کی صدا تھی۔
''الٰہی مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔''
دوسرا کہتا۔
''الٰہی ام جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔''

ام جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو دو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دیا کرتی تھی پہلا اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔

دس روز تک ایسا ہی ہوتا رہا گیارہویں روز ام جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے کو کہا۔
''کیا تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے۔''
اندھے نے کہا۔
''مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی جسے میں اپنے اندھے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔''
ام جعفر نے کہا۔
''اللہ کا فضل طلب کرنے والا کامیاب ہے اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔''

نازیہ عمر، پشاور

چھوٹی سی بات

☆ ایک نسل جن چیزوں کو غیر ضروری جان کر گلی میں رکھ آتی ہے اگلی نسل ان چیزوں کو اٹھا کر پھر سے گھر میں سجا لیتی ہے، آثار قدیمہ کے طور پر۔

☆ جیسے زیادہ پانی سے پودے کی جڑیں گل جاتی ہیں ایسے ہی بچے سے زیادہ لاڈ پیار کرنے سے آپ بچوں کی جڑوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔

☆ دستر خوان پر اتنا کھائیے کہ اٹھ سکیں، اٹھیں گے نہیں تو دوبارہ کیسے بیٹھیں گے۔

☆ صفائی ستھرائی کے بے حد شوق کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آپ غسل خانے میں باقاعدہ آباد ہو جائیں۔

☆ ہر رات کے بعد دن ضرور طلوع ہوتا ہے اور جو رات صبر سے گزری جائے اس کی سحر

بہت حسین ہوتی ہے۔

☆ بیماریوں میں بڑی بیماری دل کی ہے اور دل کی بیماریوں میں سب سے بڑی دل آزاری ہے۔

نبیہ طارق، کراچی

احترام مسجد

حضرت بایزید بسطامیؒ جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے، وہ آپ کے گھر سے چالیس قدم کے فاصلے پر تھی، آپ اس مسجد کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ تمام عمر میں ایک دفعہ بھی اس راستے میں کبھی نہ تھوکا۔

علم تین چیزوں میں ہوتا ہے

ابن عمرؓ نے فرمایا۔
''علم تین چیزوں میں ہوتا ہے، بولتی ہوئی کتاب جاری رہنے والی سنت اور مجھے نہیں معلوم۔''

عاصمہ سلیم، ملتان

اللہ کے قریب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب بندہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، پس سجدے میں خوب دعائیں مانگا کرو۔'' (مسلم)

فن اور دوستی

فن کا منبع، فن کی روح ہے، جب روٹی اور فن مل جاتے ہیں تو انسان تاج محل تعمیر کرتا ہے، اہرام مصر بناتا ہے، الحمرا کے طلسماتی محلات کی بنیاد ڈالتا ہے، کالی داس ''شکنتلا''، ملٹن ''گم شدہ جنت'' اور اقبال ''جاوید نامہ'' لکھتا ہے لیکن جب فن سے روٹی بچھڑ جاتی ہے تو شکنتلا مر جاتی ہے اور جاوید نامہ ردی میں بکنے لگتا ہے پھر حسن مر جاتا ہے، مذہب مر جاتا ہے، بھوک سب کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔

ناصر حسین، خانیوال

انقلاب

انقلاب یا ارتقا ہمیشہ قوت ہی کے اثر سے رونما ہوا ہے، قوت ڈھل جانے کا نام نہیں بلکہ ڈھال دینے کا نام ہے، مڑ جانے کو قوت نہیں بلکہ موڑ دینے کی قوت کہا جاتا ہے، دنیا میں کبھی بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا، تاریخ بنانا صرف بہادروں کا ہی کام ہے۔

فوزیہ شمر بٹ، گجرات

گوہر آبدار

☆ چیزوں کی محبت دلوں میں مستقل بن جائے تو اندھی دیواروں جیسی ہو جاتی ہے، باقی عمران سے رہائی نہیں ملتی۔

☆ ہم اکثر اتنے اچھے نہیں ہوتے جتنا وہ محبت ہمیں اچھا کر دیتی ہے جو ہمارے دلوں میں اپنے پیاروں سے ہوتی ہے۔

☆ اچھی کتابوں سے محبت دل سے چاہے بنا نہیں ہوتی جیسے نیکی کی توفیق بنا طلب کے نہیں ملتی۔

☆ محبت چیزوں سے نہیں دلوں سے روحوں سے کی جاتی ہے، چہرے روپ بدل سکتے ہیں، مگر روح روپ نہیں بدلتی۔

☆ غلط فہمی اگر دل میں زیادہ دیر رہے تو بدگمانی کو جنم دیتی ہے اور بدگمانی فاصلوں کا باعث بنتی ہے۔

☆ اعتدال بہترین راہ ہے کیونکہ پاؤں آگ کے الاؤ میں ہو یا برف کی سل پر دونوں صورتوں میں پیش ہمارا مقدر بنتی ہے۔

☆ خوشی میں کوئی دوست شامل ہو تو خوشی بڑھ جاتی ہے اور غم میں اگر دوست ساتھ دے تو غم گھٹ جاتا ہے۔ ☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیاض

تسنیم طاہر

نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

محبتوں میں دکھاوے کی دوستی نہ ملا
اگر گلے نہیں ملتا تو ہاتھ بھی نہ ملا
خدا کی اتنی بڑی کائنات میں میں نے
بس ایک شخص کو مانگا مجھے وہی نہ ملا

رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند اڑ گئی
خواب کیا دیکھا کہ دھڑکا لگ گیا تعبیر کا

سب نے کیے ہیں مجھ پہ جفاؤں کے تجربے
اک بار آپ بھی تو مجھے آزمایئے
میں شہر بھر میں اک ایذا پسند ہوں
گر چاہیے دعا تو میرا دل دکھایئے

فرح راؤ ---- کینٹ لاہور

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا
آگ کی ضد پہ نہ جا پھر سے بھڑک سکتا ہے
راکھ کی تہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

کرم کرو ستم کرو ہم گلہ نہیں کرتے
خزاں میں پھول کبھی کھلا نہیں کرتے
خاک میں ملا دو ہمیں مگر اتنا یاد رکھو
ہم جیسے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

مجھ میں کیا ہے جو یاد بھلا کرے گا کوئی
اچھے اچھوں کو یہاں لوگ جلا دیتے ہیں

شاہینہ یوسف ---- عمرکوٹ

ہم زندگی کی جنگ میں ہارے ضرور ہیں
لیکن کسی مقام پر پسپا نہیں ہوئے

یہ اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ توڑنے پائیں
کبھی دوستوں کو آزما کر کچھ نہیں ملتا
کوئی اک آدھ سپنا ہو تو پھر اچھا بھی لگتا ہے
ہزاروں خواب آنکھوں میں سجا کر کچھ نہیں ملتا

میرا یہ وجود ہو کم سے کم کہیں ریت پر کسی نقش کی
تو بنائے تو میں بنا کروں تو مٹائے تو میں مٹا کروں
میں تمام یاد کے موتیوں کو رکھے ہوں آنکھوں کی قید میں
تیرا حکم مجھ کو ملے اگر تو میں قیدیوں کو رہا کروں

میری آنکھوں میں سورج پگھلتا رہا چاند جلتا رہا
تیری یادوں کا سورج نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں بڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

افشاں زینب ---- شیخوپورہ

وہ مجھ کو دیکھ کے برسا تھا بادلوں کی طرح
میں زخم زخم تھا پھر بھی اعتدال میں تھا

کوئی بتائے کون سمجھائے کون سے دیس سدھار گئے
ان کا رستہ دیکھتے دیکھتے نین ہمارے ہار گئے
ایک لگن کی بات ہے جیون ایک لگن ہی جیون ہے
پوچھ نہ کیا کھویا گیا پایا جیتے کیا ہار گئے

مری روح میں جو اتر سکیں وہ محبتیں مجھے چاہیں
جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں وہ رفاقتیں مجھے چاہئیں
انہی ساعتوں کی تلاش ہے جو کیلنڈروں سے اتر گئیں
جو سمے کے ساتھ گزر گئیں وہی فرصتیں مجھے چاہئیں

علینہ طارق ---- لاہور

آ جا کہ اب زخم سنبھالے نہیں جاتے
یوں سنگ تو غیروں پہ بھی ڈالے نہیں جاتے
اک روز تیری یاد کے جنگل میں چلا گیا
اب تک میرے پاؤں کے چھالے نہیں جاتے

تیری یاد کی برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں بس اک دسمبر اکیلے

پڑھنا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ

شامل وہاب ---- کراچی

خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر بھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے

رستے میں نہ بیٹھو ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت ٹوٹ کر چاہو آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو اک اک ادا تنگ کرے گی

نہ ملتا نقد جاں دے کر بھی ایک لمحہ محبت کا
گراں تھا اس قدر سودا کہ ہم بازار چھوڑ آئے

شازیہ نواب ---- علی پور

خبر جانے گزرے ہیں کتنے ساون اس آرزو میں
کبھی تو کوئی ہمیں پکارے ندی کنارے
کٹی ہے ایک عمر ہم نشیں کے بغیر اپنی
کوئی تو اپنی طرح گزارے ندی کنارے

یہ دن یہ رات یہ لمحے اچھے سے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے سے لگتے ہیں
بہت دور تک چلنا مگر پھر بھی وہیں رہنا
مجھے تم سے تم ہی تک کے فاصلے اچھے لگتے ہیں

مرنے کا تیرے غم میں ارادہ بھی نہیں ہے
ہے عشق مگر اتنا زیادہ بھی نہیں ہے
کس موڑ پہ لے آیا ہے ہجر مسلسل
تا حد نگہ وصل کا وعدہ بھی نہیں ہے

افشاں اشرف ---- عارف والا

ہم اہل وفا حسن کو رسوا نہیں کرتے
پردہ بھی جو الٹے رخ سے تو دیکھا نہیں کرتے
گر لیتے ہیں دل اپنا تصور سے ہی روشن
ہم مانگے کے چراغوں سے اجالا نہیں کرتے

ہزار کار مسیحائی سے گزر کے بھی
یہ دل اجاڑ رہا بارہا سنور کے بھی

سڑکیں زہر آلود نگر ویران ہوئے
ایسا پھیلا خوف کہ دل سنسان ہوئے
آدم خور درندے فارغ بیٹھ گئے
جب سے وحشت پر مائل انسان ہوئے

سعدیہ وہاب ---- سرگودھا

نہ میں نے اس کو خط لکھا نہ اس نے میری پناہ چاہی
ہم کو اپنی جگہ پر ملال عجیب سا تھا
سفر اکیلے ہی کاٹ لو گے میں نے پوچھا تو وہ رو پڑا
سوال کتنا عجیب سا تھا جواب کتنا عجیب سا تھا

دنیا خریدنے کی کوشش کرے گی بہت لیکن
میں تو لوٹوں گا ضرور تم خود کو سنبھال رکھنا

گیلے کاغذ کی طرح ٹھہری زندگی اپنی
کوئی لکھتا بھی نہیں اور کوئی جلاتا بھی نہیں

ماہ نور حسین ---- خانیوال

کبھی حسن پردہ نشین بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ دیکھا کرو

میں تجھ کو ڈھونڈنے افق کے پار بھی گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو مل گیا تو تجھ سے ملنے کا انتظار بھی گیا
شکست ہماری ذات کو قبول نہ تھی مگر
فتح کرتے کرتے اک مقام پہ میں ہار بھی گیا

.....

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کے پل بھر ملیں یقین سے ملیں
عاصمہ سلیم ---- ملتان

سوچ کی زمینوں پر راستے جدا ہوں تو
دور جا نکلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے
یہ تو وقت کے بس میں ہے کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے

.....

آج کے دریا نہیں رکھتے کسی کا بھرم
اب یہاں کچے گھڑوں پر تیرنا اچھا نہیں

.....

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے
نسیبہ طارق ---- کراچی

آتش عشق میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
مجرم سوز وفا شمع بھی پروانے بھی

.....

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین بھی ہوتا ہے سفر سے
شاید کوئی منزل نہیں اس راہ میں پڑتی
واپس نہیں آتا کوئی یادوں کے سفر سے

.....

کھلتے پھولوں کی ردا ہو جائے
اتنی حساس ہوا ہو جائے
مانگتے ہاتھ پہ کلیاں رکھ دے
اتنا مہرباں خدا ہو جائے
نازیہ عمر ---- پشاور

وہ سوئے اتفاق آ ملے تھے ہم سے
ہم ناداں سمجھے ہماری دعاؤں میں اثر ہے

.....

نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں پستیاں کیسی
اجڑ گئی ہیں دل و جان کی بستیاں کیسی
غموں نے لوٹ لئے ہیں عقیدتوں کے چمن
خدا بھی یاد نہیں بت پرستیاں کیسی

.....

سوز جگر بھی دیدہ غم بھی اسی کا ہے
میری خوشی وہی میرا غم بھی اسی کا ہے
جس کی خلش رہی ہے مجھے جاں سے عزیز تر
کیوں کر کہوں وہ خار الم بھی اسی کا ہے
معکنون شاہ ---- لاہور

کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا
زخم ہی یہ مجھے لگتا نہیں بھرنے والا
شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں اک خواب نہیں
کوئی اس گھر میں نہیں روشنی کرنے والا

.....

گھڑی بھر اس کی آنکھوں میں اتر کر
سمندر بھی کشادہ ہو گیا ہے
بچھڑنے کا اسے بھی دکھ ہے شاید
کہ اب تو وہ بھی آدھا ہو گیا ہے

.....

اک ذرا ہاتھ بڑھا میری طرف
خود کو تو میرا ہم سفر کر دے
تم میری زندگی کا حاصل ہو
اتنا کہہ اور معتبر کر دے
شازیہ ثمن ---- جھنگ

سوال کر کے وہ تا دیر خجل سا رہا
جواب دے کے میں اسے لاجواب کیا کرتا

.....

اس سوچ میں ہوں دیکھیے دیتے ہیں کیا فریب
وہ پھر سے مل رہے ہیں بڑی سادگی کے ساتھ

.....

دامن بھی تر نہیں آنکھیں بھی نم نہیں

اتنا شدید غم ہے کہ احساس غم نہیں
عفرا ثاقب ---- جہلم

موسم موسم آنکھوں کو اک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوس قزح کے رنگ تھے ساتوں اس کے لہجے میں
ساری محفل بھول گئی وہ چہرہ یاد رہا

.....

زندگی چاہیے محبت میں
یہ گھڑی دو گھڑی کی بات نہیں
آپ سے کوئی بھی نہیں پہلے
آپ کے بعد کوئی ذات نہیں

.....

آج پھر ساون ٹوٹ کے برسا ہے
آج پھر کسی کے لہجے میں نمی ہے
پھر سے وحشتوں کے ہالے میں ہوں مقید
آج پھر یادوں کی محفل جمی ہے
لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

اتار کر کسی کاغذ پہ سب گھٹن رکھ جا
جہاں کے سامنے اپنا عروج فن رکھا جا
ہر اک زوال کا منظر عزیز ہے مجھ کو
خزاں کے واسطے حاضر ہے یہ چمن رکھ جا

.....

سوچا نہیں اچھا برا دیکھا سنا کچھ بھی نہیں
مانگا خدا سے رات دن تیرے سوا کچھ بھی نہیں
جسم پر ہماری آنکھ نے موتی بچھائے رات بھر
بھیجا وہی کاغذ اسے ہم نے لکھا کچھ بھی نہیں

.....

تم ناحق ناراض ہوئے ورنہ مہ خانے کا پتا
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے
نوشین اقبال نوشی ---- گاؤں بدر مرجان

تو جو بدلا تو بدل گئے ہم بھی
پیار کرتے تھے بندگی تو نہیں
وقت کٹ جائے گا بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

ہمیں بھی ہنر آ گیا اس ضبط گریز کا
کبھی دامن کسی کے سامنے بھگویا نہیں کرتے
محبت جرم ٹھہری عشق دامن کا داغ لیکن
اہل وفا اس داغ کو دھویا نہیں کرتے

.....

جب کبھی ٹوٹ کے روتا ہوں شب ہجراں میں
میری آنکھوں کو سجاتی ہے محبت اس کی
پاؤں ٹکتے ہی نہیں میرے زمیں پر دائق
اب فضاؤں میں اڑاتی ہے محبت اس کی
نغمانہ بٹ ---- لاہور

منہ چھپائے ہوئے گزرا ہے جو احباب سے آج
اس کی آنکھوں میں کوئی زخم نیا لگتا ہے
اب تو محسن کے تصور میں اتر رب جلیل
اس اداسی میں تو پتھر بھی خدا لگتا ہے

.....

آسیب زدہ گھر کا میں وہ در ہوں محسن
دیمک کی طرح کھا گئی جسے دستک کی تمنا
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں یہ عجیب چھپا ہے محسن
میں جس شخص کو چھولوں وہ میرا نہیں رہتا
عائشہ ندیم ---- پیرمحل

خواب خواہش واہمہ ہے زندگی
ایک بھیانک حادثہ ہے زندگی
آج تک یہ مسئلہ سلجھا نہیں
میں خفا ہوں کہ خفا ہے زندگی

.....

تھا میرا ہی حوصلہ محسن
حال کو حسب حال رہنے دیا

.....

کہاں تلک ہیں نجانے محبتیں اس کی
یہ عمر لمحہ زمانے محبتیں اس کی
کہاں ہے زندگی کرنے کی آرزو ہم کو
ہیں زندگی کے بہانے محبتیں اس کی

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

فرمائش

ریستوران میں ویٹر کے آنے پر ایک صاحب نے اپنی محبوبہ سے پوچھا۔

''کہو کیا منگوایا جائے؟''

''میرے لئے کافی اور اپنے لئے ایمبولینس۔'' محبوبہ نے جواب دیا۔

''دروازے کی طرف دیکھو، میرا شوہر ریستوران میں داخل ہو رہا ہے۔''

فرح راؤ، کینٹ لاہور

غیرت مند

ایک سکھ لڑکا روزانہ اپنی بہن کو چھوڑنے کالج جاتا تو راستے میں چند لڑکے اس پر آوازیں کستے۔

''سنجاں نوں لے کے کتھے چلے او؟''

وہ لڑکا خاموش رہتا، تنگ آ کر اس کی بہن نے کہا۔

''تمہارا میرے ساتھ آنے کا کیا فائدہ بھیا! وہ لوگ کتنی غلط باتیں کرتے ہیں، تم انہیں بتاتے کیوں نہیں کہ میں تمہاری بہن ہوں۔''

لڑکے کی غیرت جاگی، جوش میں ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔

''بس صبح ان بے غیرتوں کی بات کا منہ توڑ جواب دوں گا۔'' اس نے کہا، چنانچہ صبح وہ اپنی بہن کو چھوڑنے گیا تو لڑکوں نے کہا۔

''سجاں نوں لے کے کتھے چلے او؟''

''او بے غیرتو! ایہہ سجن ہوون گے تواڈے، میری سگی بہن ایں۔''

ناصر حسین، خانیوال

اعتراف

شادی سے دو روز قبل لڑکے نے لڑکی سے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم سے ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف کرلوں۔''

''پندرہ دن پہلے تو تم سب کا اعتراف کر چکے ہو۔'' لڑکی نے حیرانی سے کہا۔

''وہ تو پندرہ دن پہلے کی بات تھی۔'' لڑکی نے ایمان داری سے کہا۔

افشاں گل، راولپنڈی

اوور ٹیک

چوہدری صاحب اپنی پجیرو میں موٹروے پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ان کا مزارعہ دینو اپنے گدھے کی رسی پکڑے پیدل جا رہا تھا، انہوں نے ترس کھا کر گاڑی ایک طرف روکی اور دینو کو بٹھا لیا، گدھا دوڑتا ہوا پیچھے پیچھے آنے لگا، پجیرو کی رفتار پہلے پچاس، ساٹھ کلومیٹر فی گھنٹا ہوئی پھر سو کلومیٹر سے تجاوز کر گئی، گدھا بدستور بھاگتا رہا پیچھے آ رہا تھا، آخر رفتار سوا سو کلومیٹر ہوئی تو چوہدری صاحب پیچھے دیکھتے ہوئے بولے۔

''دینو! مجھے تمہارے گدھے کے بارے میں فکر ہو رہی ہے، اس کی گردن باہر لٹکی ہوئی ہے۔''

''کس طرف کو لٹکی ہوئی ہے صاحب جی؟'' دینو نے پوچھا۔

''دائیں طرف کو۔''

''بس تو پھر آپ اسی لین میں گاڑی رکھیں، وہ آپ کو اوور ٹیک کرنے والا ہے۔'' دینو نے

پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے کہا۔

لائبہ رضوان، فیصل آباد

ثبوت

''سر! وہ آدمی کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کا رشتہ دار ہے اور وہ یہ ثابت بھی کر سکتا ہے۔''

''وہ تو احمق ہے۔''

''سر! اسی لئے تو میں نے اس کے دعوے کو مان لیا۔''

تعریف

جگت آپا کی شادی نہ ہو سکی، حتیٰ کہ بڑھاپا آ گیا، ایک روز ان کی ایک شادی شدہ سہیلی نے ہمدردانہ لہجے میں آہ بھر کر کہا۔

''کاش تمہاری بھی شادی ہو جاتی۔'' آپا صابرانہ لہجے میں بولیں۔

''میرے پاس ایک کتا ہے جو خراٹے لیتا ہے، ایک طوطا ہے جو ٹیں ٹیں کر کے دماغ چاٹتا ہے، ایک بلا ہے جو رات بھر گھر سے باہر رہتا ہے مجھے بھلا شوہر کی کیا ضرورت ہے۔''

عفرا ثاقب، جہلم

سردار جی

چار سکھوں نے مل کر کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے ایک موٹر ورکشاپ کھولی، ایک مہینہ گزر گیا، کوئی گاہک نہ آیا، کیونکہ ورکشاپ چوتھی منزل پر تھی، پھر انہوں نے ایک ٹیکسی خریدی، پورا مہینہ گزر گیا، لیکن کوئی سواری نہ ملی، اس لئے کہ ایک ٹیکسی چلاتا تھا باقی تینوں ٹیکسی میں بیٹھے رہتے تھے۔

اتفاق

ایک بوکھلاتے ہوئے شخص نے پولیس اسٹیشن فون کیا کہ اندھیرے میں کسی حملہ آور نے اس کے ماتھے پر ڈنڈا رسید کیا ہے، ایس ایچ او نے فوراً ایک کانسٹیبل کو تحقیق کے لئے بھیجا، کچھ دیر بعد کانسٹیبل ماتھے پر گومڑ لیے واپس آیا اور کہنے لگا۔

''سر میں نے گتھی سلجھا لی ہے۔''

''شاباش، مگر تم نے یہ کام اتنی جلدی کیسے کر لیا؟''

ایس ایچ او نے پوچھا۔

کانسٹیبل نے کہا۔

''محض اتفاق سے میرا پاؤں بھی اسی پھاوڑے پر پڑ گیا تھا۔''

شازیہ ثمن، جھنگ

سعادت مند

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا اسے جو کام کہا جاتا نہایت سعادت مندی سے کر دیتا، ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے پاس سگریٹ ختم ہو گئی، اس نے سو کا نوٹ کتے کو دیتے ہوئے کہا۔

''جاؤ ایک پیکٹ سگریٹ لے آؤ اور باقی پیسے واپس لے آنا۔''

کتا نوٹ لے گیا اور ایک گھنٹے تک واپس نہیں آیا آخر مالک اس کی تلاش میں نکلا، کافی دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ کتا ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر چکن تکہ کھا رہا ہے اور کولڈ ڈرنک وغیرہ پی رہا ہے، مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوہ کیا۔

''اس سے پہلے تم نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا میں نے جو کام بھی کہا وہ تم نے نہایت ذمہ داری سے کیا، یہ آج تمہیں کیا ہو گیا؟''

کتا اطمینان سے بولا۔

''اس سے پہلے کبھی آپ نے پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیئے تھے۔''

معکنون شاہ، لاہور

اتنی سی بات

پہاڑی علاقے کی ایک نہایت ضعیف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ت کو ایک جھگڑے کے سلسلے میں گواہ کے طور
رالت میں پیش کیا گیا تو جج صاحب نے
ا۔
''آپ اس جھگڑے کے سلسلے میں کیا جانتی
؟''
''ایسی تو کوئی خاص بات نہیں تھی۔''
یوں بھرے چہرے والی خاتون نے مبہم سا
ب دیا۔
''پھر بھی..... آپ بتائیے تو سہی، آپ نے
یکھا؟'' جج صاحب نے اصرار کیا۔
''ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی۔'' بڑی بی
یک بار پھر بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔
''بس ادھر کاشف خان نے امجد خان کو
بولا، امجد خان نے کاشف خان کے سر پر
مارا، کاشف ادھر گر کے ٹھنڈا ہو گیا، کاشف
گر گیا اے، تو اس نے خنجر نکال کر امجد خان پر
کر دیا، ادھر امجد کا دوست بھی موجود تھا، اس
جب یہ دیکھا تو گولی چلا کر کاشف خان کے
ت کو ٹھنڈا کر دیا، اسی بک بک میں دو تین
ی اور مر گیا، بس اتنی سی بات پر جھگڑا شروع ہو
''

نازیہ عمر، پشاور

مخلص

نادیہ نے اپنی دوست نوشی سے پوچھا۔
''کیا یہ درست ہے کہ تم نے امجد سے
ں صرف اس لئے کہ ہے کہ اس کے دادا اس
لئے ڈھیر ساری دولت چھوڑ کر مرے ہیں؟''
نوشی فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
''بالکل غلط، اگر دادا کے بجائے کوئی اور
مجد کے لئے اتنی دولت چھوڑ کر مرتا، تب بھی
مجد سے شادی کر لیتی۔''

سعدیہ وہاب، سرگودھا

اے محبت.....

بھکاری۔
''صاحب! چھ روپے دے دو کافی پینی
ہے۔''
آدمی۔
''ایک کافی تو تین روپے کی آتی ہے۔''
بھکاری۔
''ساتھ میں گرل فرینڈ بھی ہے۔''
آدمی۔
''بھکاری ہو کے بھی گرل فرینڈ بنالی۔''
بھکاری۔
''نہیں، گرل فرینڈ نے بھکاری بنا دیا۔''

شوگر

ان کو شوگر کا مرض لاحق ہوا ہے دوستو!
تلخیوں سے اپنا دامن بھر رہے ہیں آج کل
ڈاکٹر نے کر دیا ہے چینی کھانے سے منع
نکتہ چینی پر گزارا کر رہے ہیں آج کل

شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

ذہانت

ایک پاگل مٹھی بند کیے درخت کے نیچے بیٹھا
تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے کھول کر
دیکھتا تھا، اس کے ایک ساتھی نے قریب آ کر
پوچھا۔
''مٹھی میں کیا دبائے بیٹھے ہو دوست؟''
اس نے کانی آنکھ سے اس کی طرف دیکھا
اور کہا۔
''تم خود ہی بوجھو۔''
ساتھی سر کھجا کر بولا۔
''تلی۔''
''غلط۔''
اس نے پھر دماغ پر زور دے کر کہا۔
''چڑیا۔''
''بالکل غلط۔'' ساتھی نے تالی بجا کر کہا۔
''ہاتھی۔''

''شاباش۔'' پاگل نے خوش ہو کر کہا۔
''اب اس کا رنگ بھی بوجھو۔''

فوزیہ ثمر بٹ، گجرات

فرض شناسی

فائر چیف نے فائر بریگیڈ میں بھرتی کے
لئے ایک نوجوان کا انٹرویو لیتے ہوئے پوچھا۔
''فرض کرو، فائر اسٹیشن پر ایک ہی فائر انجن
موجود ہو، کہیں آگ لگنے کی اطلاع آئے اور میں
وہ انجن لے کر چلا جاؤں، تم اسٹیشن میں اکیلے
موجود ہو لیکن تمہارے پاس کوئی فائر انجن نہیں
ہے، اسی دوران میں ایک اور جگہ آگ لگنے کی خبر
آ جاتی ہے، تم کیا کرو گے؟''
''سر! میں فوراً ٹیکسی لے کر وہاں پہنچوں گا
اور پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے آنے تک
آگ بجھنے نہ پائے۔'' نوجوان نے مستعدی سے
جواب دیا۔

نبیہ طارق، کراچی

جال

''مچھلی کے شکار پر جاتے ہوئے تم اپنی
بیوی کو گھر پر چھوڑ جاتے ہو، ایسا کیوں ہے؟''
ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا۔
دوست نے کہا۔
''اس کی ایک بہت اہم وجہ ہے اور وہ یہ کہ
مچھلیوں پر میری بیوی کی موجودگی کا برا اثر پڑے
گا۔''
''وہ بھلا کیوں؟'' دوست نے حیرت سے
پوچھا۔
''اس لئے کہ ساری مچھلیاں یہ دیکھ کر
میرے جال میں پھنسنے کے لئے قطعی تیار نہ ہوں
گی کہ میں خود بری طرح اس عورت کے جال
میں پھنسا ہوا ہوں۔''

افشاں اشرف، عارف والا

ترکیب استعمال

شوہر کا انتخاب کرتے ہوئے یہ بات ذہن
میں رکھنی چاہیے کہ وہ عقل میں زیادہ کچا اور عمر میں
زیادہ پکا نہ ہو، شادی کے بعد اسے دھوپ، تنقید
اور تیز آواز سے بچائیں، ورنہ وہ اندر سے ترش
ہو جائے گا، اسے زیادہ دیر کولڈ اسٹور میں مت
رکھیں، کہیں وہ سخت اور ناقابل ہضم نہ بن جائے۔
اسے صبر کے پانی سے دھو کر الفت کی ہلکی
آنچ پر رکھیں اور نمک مرچ والی گفتگو لگا کر قسطوں
میں استعمال کریں پھر وہ سالہا سال تک خراب نہ
ہو گا، اس ترکیب استعمال سے ایک شوہر زندگی
بھر کے لئے کافی ہے۔

شازیہ نواب، علی پور

اس طرح تو ہوتا ہے

ڈاکٹر نے ایک نوجوان خاتون کی بازو کی
ڈریسنگ کرتے ہوئے کہا۔
''میں حیران ہوں کہ تمہیں کس جانور نے کاٹا
ہے، نہ تو کتے کے کاٹنے کا نشان اتنا بڑا ہوتا ہے اور
نہ ہی بلی کے کاٹنے سے اتنا چھوٹا زخم پڑتا ہے۔''
''مجھے کسی جانور نے نہیں کاٹا ڈاکٹر صاحب!''
نوجوان خاتون نے آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔
''یہ ایک عورت کے کاٹنے کا نشان ہے،
جس نے مجھے اپنے شوہر کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔''

علینہ طارق، لاہور

پریشانی

''تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔''
''ہاں دراصل کل ایک شادی ہے اور میں
فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ اس میں جاؤں یا نہ
جاؤں۔''
''شادی کس کی ہے؟''
''میری اپنی۔''

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

نازیہ عمر: کی ڈائری سے ایک غزل
دیوار کھڑی ہو گی کہیں خار ملیں گے
منزل کے کبھی راستے دشوار ملیں گے
انسان کو جو اپنا خریدار بنا لیں
اب ایسے کھلونے سر بازار ملیں گے
طوفان کے تھپیڑے ہمیں گم کر نہیں سکتے
ڈوبیں گے جو اس پار تو اس پار ملیں گے
شرمائے گا مجھ سے مرے حالات کا سورج
جب سایہ فگن راہ میں اشجار ملیں گے
فنکار غزل مٹ نہیں سکتا کبھی آفاق
ہر دور میں غالب کے طرفدار ملیں گے

ثمینہ شیخ: کی ڈائری سے ایک نظم
"محبت کے سفر میں بچھڑنے والوں کے نام"
جو وفا کا اعتبار ہے، جو من کا قرار تھے
اے وقت بتا؟ وہ لوگ کدھر گئے
قسمت نے ہمیں ہی کیوں آزمایا؟ وہ ہم سے
کیوں بچھڑ گئے؟
جن سے خوشیاں لازوال تھیں
جن کی سنگتیں بے مثال تھیں
جو اپنی ذات میں اک زمانہ تھے
جو چلتے تھے، تو رستے سجتے تھے، خوشبو سی باتیں
کرتے تھے
جو طلب تھے، آرزو تھے ہم سے تشنہ لبوں کی جستجو تھے
اے وقت بتا؟ وہ کدھر گئے
سنجوگ یہاں یہ روگ بنے، دشمن سب لوگ بنے
زنداں ہے بستی میری، مٹ رہی ہے ہستی میری
جینا یہاں دشوار ہوا، مجھ کو بھی لے جا، وہ جدھر
گئے

آمنہ گوریجہ: کی ڈائری سے کرن گوریجہ کی نظم
"مہنگا سودا"
اس کے غم کی خریدار بنی تھی
وہ اپنے غم بیچ کر
بدلے میں لے گیا
میری خوشیاں ساری
میری ہنسی!

کرن گوریجہ: کی ڈائری سے ایک غزل
اس شب کتنا ٹوٹ کے روئے چاند، ہوا اور میں
تینوں ہی ایک ساتھ اجڑے تھے چاند ہوا اور میں
سارے خواب عذاب ہوئے اور سب خیال زوال
کس برتے پر سپنے بنتے چاند، ہوا اور میں
کیا منظر تھے آنکھوں میں جو گاڑھ گئے ناخن
کون ستم رت تھی جب بچھڑے چاند ہوا اور میں
چاند، ہوا اور سجناں مجھ میں کوئی فرق نہیں
ایک سی رت کے چاہنے والے چاند ہوا اور میں
لب بستہ تھے، حبس رتیں اور اماوس رات
کیونکر من کی بپتا کہتے چاند ہوا اور میں

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل
ہم سفر کوئی بھی ہو رائگاں سفر نہیں جاتا
کس سے بچھڑ کے کوئی یہاں مر نہیں جاتا
اس نے سڑک کنارے ملنے کا عہد کیا تھا مجھ سے
اسی لئے تو شام ڈھلے میں اپنے گھر نہیں جاتا
یہ کس مسلک میں ڈھل گئی ہے یا رب دنیا تیری
دلوں سے ان کے ڈر گیا اور ہوش زر نہیں جاتا
بے پایاں محبت بے تحاشا خلوص خدشے مٹا سکتا نہیں
پھر میری پیاس کے کانٹے پھولے
پھر میری شام سحر تک روئی
میرے گھر سے تیرے در تک روئی

نازیہ جمال: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل
دل ٹھہرنے دے تو آنکھیں بھی جھپکتے جاویں
ہم تو تصویر بنے بس تجھے تکتے جاویں
چوب نم خوردہ کی مانند سلگتے رہے ہم
نہ تو بجھ پائیں نہ بھڑکیں نہ دہکتے جاویں
تیری بستی میں تیرا نام پتا کیا پوچھا
لوگ حیران و پریشان ہمیں تکتے جاویں
کوئی نشے سے کوئی تشنہ لبی سے ساقی
تیری محفل میں سبھی لوگ بہکتے جاویں
ہم تو اسیر محبت ہیں ہر اک رت میں فراز
وہ قفس ہو کہ گلستان ہو چہکتے جاویں

ثمن رضا: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم
چپکے چپکے جل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
پروا سنگ نکل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
آنکھوں آنکھوں چل پڑتے ہیں
تاروں کی قندیل لئے
چاند کے ساتھ ہی ڈھل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
دل میں پھول کھلا دیتے ہیں
آگ میں راگ جگا دیتے ہیں
پانی بیچ بتاشے صورت
خود تو گھلتے رہتے ہیں
غم کو شہد بنا دیتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
تتلی تتلی لہراتے ہیں
پھولوں کی امید لئے
اک دن خوشبو بن جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے

شاہین سلیم: کی ڈائری سے گلزار کی غزل
تجھ کو دیکھا ہے جو دریا نے ادھر آتے ہوئے
کچھ بھنور ڈوب گئے پانی میں چکراتے ہوئے
ہم نے تو رات کو دانتوں سے پکڑ رکھا ہے
چھینا جھپٹی میں افق کھلتا گیا جاتے ہوئے
چھپ سے پانی میں اتر جاتی ہے گلنار شفق
سرخ ہو جاتے ہیں رخسار بھی شرماتے ہوئے
میں نہ ہوں گا تو خزاں کیسے کٹے گی تیری
شوخ پتے نے کہا شاخ سے مرجھاتے ہوئے
حسرتیں اپنی بلکلیں نہ یتیموں کی طرح
ہم کو آواز ہی دے لیتے ذرا جاتے ہوئے
سی لئے ہونٹ وہ پاکیزہ نگاہیں سن کر
میلی ہو جاتی ہے آواز بھی، دہراتے ہوئے

ایمن عزیز: کی ڈائری سے عدیم ہاشمی کی غزل
فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
رات بھر پچھلی سی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی آیا نہ تھا
آج اس نے درد بھی علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا
یہ بھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا
یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے سلیم احمد کی غزل
دلوں میں درد بھرتا ہوں آنکھ میں گوہر بناتا ہوں
جنہیں مائیں پہنتی ہیں میں وہ زیور بناتا ہوں
غنیم وقت کے حملے کا مجھ کو خوف رہتا ہے
میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو نہ جاؤ پھر کسی کے، دل سے یہ ڈر نہیں جاتا
ل کے کبھی ہنس سکوں، نہ خوشی سے کہیں بس سکوں
ی عمر کی ساعتوں پہ ٹھہرا ہوا دکھ کا بھنور نہیں جاتا
ا حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
شکایت"
ے تم سے
ں اتنی شکایت ہے
ے تم جب دن کے صحرا میں نکلتے ہو
ابوں کو حقیقت جانتے ہو
وپ سہتے ہو، عذابوں سے گزرتے ہو
اغ شام جلتے ہی گھروں کو لوٹ آتے ہو
ید صبح میں سوتے ہو
ب کچھ بھول جاتے ہو
غصہ ہے، نہ غیرت ہے
تبدیلی کی خواہش ہے
ھے تم سے
ں اتنی شکایت ہے
رح خالد: کی ڈائری سے ایک غزل
تو دوست کسی کا بھی"
کتنے آئے، کتنے گئے ہم آس لگائے بیٹھے ہیں
لکوں پر انگارے رو کے دیپ جلائے بیٹھے ہیں
لوئی ہماری بات سنو، ہم صبح سے آئے بیٹھے ہیں
ح کی بے فکری دے کر شاموں کی ہر اک محبت دے کر
تو دو کوڑی بھی نہ دیں پر ہم نے بڑی قیمت دے کر
ر دخرید اتھا سو اب اس کو دل سے لگائے بیٹھے ہیں
ٹھیے یوں گھٹتے رہنے سے سر کو ہوتا ہے سودا
ہ ہرجائی آپ کا جب نہ ہوا تو غیر کا کیا ہو گا
یدی صاحب آپ یہ کس کا سوگ منائے بیٹھے ہیں
اخرہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل
فا میں اب یہ ہنر بھی اختیار کرنا ہے
ہ سچ کہے نہ کہے اعتبار کرنا ہے
یہ تجھ کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہوا
مجھے تو خیر تیرا انتظار کرنا ہے
ہوا کی زد میں جلائے ہیں آنسوؤں کے چراغ
کبھی یہ جشن سر رہگوار کرنا ہے
وہ مسکرا کے نئے وسوسوں میں ڈال گیا
خیال تھا اسے شرمسار کرنا ہے
ترے فراق میں دن کس طرح کٹیں اپنے
کہ شغل شب تو ستارے شمار کرنا ہے
چلو یہ اشک ہی موتی سمجھ کے بیچ آئیں
کسی طرح تو ہمیں روزگار کرنا ہے
عقیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک غزل
میں ہوں گردشوں میں گھرا ہوا مجھے آپ اپنی خبر نہیں
وہ جو شخص تھا میرا رہنما اسے راستوں میں گنوا دیا
جو تری نظر میں عجیب تھا وہی شخص تیرا حبیب تھا
ترے ہاتھ کی جو لکیر تھا اسے ہاتھ سے ہی مٹا دیا
مجھے عشق ہے کہ جنون ہے ابھی فیصلہ نہیں ہو سکا
مرا نام زینت دشت تھا مجھے آندھیوں نے مٹا دیا
یہ اداسیوں کا جمال ہے کہ ہمارا اوج کمال ہے
کبھی رات سے بھی چھپا لیا کبھی شہر بھر کو بتا دیا
مرے موسموں، مری عمر کا ابھی پورا باغ کھلا نہ تھا
وہ جو پھول تھے تیری چاہ کے اس زردرت نے گرا دیا
صائمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک نظم
"دسمبر کی آخری شام"
پھر کہیں ایک ہوئے دو سائے
پھر کسی ہونٹ نے رخسار چھوا
پھر کسی آنکھ نے رخصت چاہی
پھر کسی گال پہ آنسو ڈھلکا
پھر تیری یاد کے سائے مہکے
پھر تیرے پیار کا جھونکا آیا
پھر تیرے نام کی سرگم جاگی
پھر میرے درد کا سورج نکلا
پھر میری آنکھ پہ بادل چھائے
پھر میری یاس کی آندھی اٹھی

پرانی کشتیاں ہیں میرے ملاحوں کی قسمت میں
میں ان کے بادباں سیتا ہوں اور لنگر بناتا ہوں
یہ دھرتی میری ماں ہے اس کی عزت مجھ کو پیاری ہے
میں اس کے سر چھپانے کے لئے چادر بناتا ہوں
یہ سوچا ہے کہ اب خانہ بدوشی کر کے دیکھوں گا
کوئی آفت ہی آتی ہے اگر میں گھر بناتا ہوں
مجھے ان سیپیوں کو دیکھ کر یوں ہی خیال آیا
یہ پانی سے میں اپنے خون سے گوہر بناتا ہوں
مرے خوابوں پہ جب تیرہ شبی یلغار کرتی ہے
میں کرنیں گوندھتا ہوں چاند سے پیکر بناتا ہوں
حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک نظم
سال کا یہ آخری دن ہے
ابھی کچھ دھوپ ہے لیکن
ذرا سی دیر کو طے ہے کہ آخر شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو بھی ہے انجام ہونا ہے
چلو مل بیٹھ کے اپنے خسارے بانٹ لیتے ہیں
سب ہی رنگ، جگنو اور ستارے بانٹ لیتے ہیں
ذرا سی دیر کو طے ہے شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو
بھی ہے انجام ہونا ہے
تو کیوں نہ شام سے پہلے
کسی انجام سے پہلے
جو کچھ گھڑیاں میسر ہیں
ان ہی میں زندگی کر لیں
کسی احساس کی شمع جلا کر

ان اندھیروں میں
کوئی دم روشنی کر لیں
چلو ہم دوستی کر لیں
ماریہ عثمان: کی ڈائری سے اعتبار ساجد کی نظم
یہ سال بھی آخر بیت گیا
کچھ ٹیسیں یادیں خواب لئے
کچھ کلیاں، چند گلاب لئے
کچھ آہیں پر آب لئے
کچھ جلتے دن، کالی راتیں
کچھ سچے دکھ، جھوٹی باتیں
کچھ تپتی رتیں، کچھ برساتیں
کسی یار عزیز کا دکھ پیارا
کسی چھت پہ امیدوں کا تارا
کوئی تنہا شاعر دکھیارا
جس پہ ہنستا تھا جگ سارا
اس شاعر نے جو حرف لکھے
اس میں تیری یاد کے سائے تھے
وہ لوگ بھی آخر لوٹ گئے
جو صدیوں پار سے آتے تھے
ان ہنستے بستے لوگوں نے
میرے سارے دکھ اپنائے تھے
پھر میں نے یاد کی مٹی میں
زخمی لمحے دبائے تھے
یہ سال بھی آخر بیت گیا
ماروخ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل
ایسے ٹوٹے ہیں تمناؤں کے پندار کہ بس
میں نے جھیلے ہیں محبتوں میں وہ آزار کہ بس
ایک دھماکے میں زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس
تو کبھی رکھ کے ہمیں دیکھ تو بازار کے بیچ
اس طرح ٹوٹ کے آئیں گے خریدار کہ بس
کل بھی صدیوں کی مسافت سے پرے تھے دونوں
درمیان آج بھی پڑتی ہے وہ دیوار کہ بس
یہ تو اک ضد ہے کہ محسن میں شکایت نہ کروں
ورنہ شکوے تو ہیں اتنے میرے یار کہ بس

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناقصر رہے لنے

نا یمن یہ

عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد سٹی

س: ع غ جی پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں تشریف کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوئی ہوں؟

ج: یہ خیال رہے کہ ٹوکرا زیادہ بھاری نہ ہو۔

س: اگر کوئی آپ سے کہے اگر اس کی منگنی ہو رہی ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

ج: ہو رہی ہے تو مجھے کیا شاید تمھیں......؟

س: اس عمر میں اتنی شوخ گفتگو کچھ خیال کریں۔

ج: تمھیں میری عمر پر کوئی اعتراض ہے یا گفتگو پر؟

علینہ طارق ---- لاہور

س: تو اپنی بنی نبیڑ تینوں ساڈے نال کی؟

ج: جواب دے کر اپنی ہی نبیڑ رہا ہوں۔

س: میریاں ساواں وچ کوئی پیا دسدا اے؟

ج: یعنی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوا۔

س: اگر میں تمھارے آنگن میں اتر آؤں؟

ج: تم چاند تو نہیں ہو

س: تمھیں کس موسم میں شدت سے یاد آتی ہوں؟

ج: جب تمھارے بے تکے سوال پڑھتا ہوں۔

معکنون شاہ ---- لاہور

س: ہر شوہر کو اپنی بیوی سے اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟

ج: وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔

س: عورت شوہر کو مار سکتی ہے۔ تو شوہر عورت کو کیوں نہیں مار سکتا؟

ج: کیونکہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہوتی۔ اور شوہر نے کوئی غلط حرکت کی ہوگی۔

س: شوہر کب اپنی بیوی کے لیے پریشان ہوتا ہے؟

ج: جب وہ بازار میں خریدار کر رہی ہو۔

س: آج کل کے شوہر اتنے معصوم نہیں ہوتے جتنا کہ وہ بنتے ہیں؟

ج: تم بیچارے شوہروں کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔

نازیہ عمر ---- پشاور

س: اگر کوئی اچھا بھلا انسان پاگلوں کی سی حرکتیں کرے تو؟

ج: اس میں بچوں کو بہلانا اور شیشہ دیکھنا شامل نہ کریں۔

س: کیا انسان عمر کے ساتھ سلجھتا ہے یا الجھا ہے؟

ج: الجھتا زیادہ ہے۔

س: انسان اوپر کو دیکھتا ہے نیچے کیوں نہیں؟

ج: نیچے دیکھے گا تو گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔

شہریب احسن ---- سرگودھا

س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟

ج: یہ بھی ایک انداز ہے زندگی کا۔

س: آپ روٹھے کو منانا جانتے ہیں؟

ج: ابھی تک تو موقعہ ہاتھ نہیں آیا۔

س: اگر کوئی شخص آپ سے تو تو پر اتر آئے؟

ج: بڑا ہی بدتمیز ہوگا؟

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: سنا ہے کھا کھا کر بہت موٹے ہو گئے ہو؟ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچو۔

ج: آخر تم میرے بارے میں اتنی فکر مند کیوں ہو؟

س: گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی کو کیا کہیں گے؟

ج: ہم تو گھر کی بھی نہیں کھاتے۔ یہ تو چوری کرنے والا جانے۔

س: سنا ہے دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے۔ کیا خیال ہے؟

ج: انٹرنیٹ کلب ترقی کی وجہ سے آباد ہیں۔

س: ذرا یہ بتائیں کہ شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟

ج: کھل کر بات کرو دل میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔

مہناز فاطمہ ---- خوشاب

س: اگر کوئی کسی سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے بے وفائی کرے تو؟

ج: تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو۔

س: محبت کی آخری حد کہاں ختم ہوتی ہے؟

ج: یہ راستے بڑے خاردار ہوتے ہیں۔

س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟

ج: میں نے تو نہیں دیکھا۔

شاز یہ ثمن ---- جھنگ

س: لوگ دوسروں پر تو تہمت لگاتے ہیں مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے؟

ج: گریبان میں جھانکتے کیسے گردن جھکانی پڑتی ہے۔

س: ہمارے معاشرے میں منافقت کا دور دورہ کیوں ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتوں پر غور نہیں کرتے۔

س: کچھ پیاروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ ان کے بغیر جی نہیں سکیں گے لیکن جیتے ہیں؟

ج: اس دنیا کا یہی چلن ہے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان

س: خوبصورت اور خوب سیرت میں کیا فرق ہے؟

ج: جو صورت اور سیرت میں ہے۔

س: لوگ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں مگر ان کے چہرے سے جھوٹ عیاں ہو رہا ہوتا ہے؟

ج: ایسے لوگ بڑے ہی فنکار ہیں۔

س: میں نے چند لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی؟

ج: میرے خیال میں اکثر ہی کہتے ہیں۔

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا

س: ہر شخص اپنے آپ کو ایماندار کہتا ہے۔ مگر بے ایمانی روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

ج: ایمان دار بننے کی وجہ سے۔

س: پنچھی اور پردیسی پر لوگ اعتبار کیوں نہیں کرتے؟

ج: دونوں ہی دھوکہ دے جاتے ہیں۔

س: ہم سے بھی کوئی بات کر ہم ہیں تیرے ہم سفر؟

ج: تمھیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں عین غین ہوں۔

س: تمھیں شکوہ ہے ہونٹوں پہ مرے نغمہ نہیں کھلتا؟

ج: زیادہ ریاض کی ضرورت ہے۔

رضوان علی ---- ساہیوال

س: وہ جو صرف میرا تھا وہ نہیں رہا میرا؟

ج: قصور کس کا ہے تمھیں ضرور پتہ ہوگا۔

س: ہم نے تو غیر تجھ سے شکایت بھی نہ کی؟

ج: میں نے بھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔

س: محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو؟

ج: جس تن لگیاں وہی تن جانے۔

س: بہاریں چار سو بھی ہوں میرے دل کا پھول نہیں کھلتا۔

ج: انسان کو اتنا ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

عائشہ اعوان ---- سرگودھا

س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟

ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خبرنامہ

عبداللہ

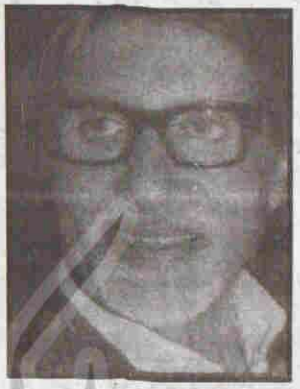

گھر آئی اک ننھی پری

بالآخر وہ دن آ گیا جس کا نہ صرف ایتابھ بچن کی فیملی بلکہ پوری دنیا بالخصوص بھارت میں بڑی بیتابی سے انتظار کیا جا رہا تھا، پندرہ نومبر کو ایشوریہ بچن (جس کی وجہ شہرت اداکاری ہی نہیں بلکہ مس ورلڈ بننا ہے) کے ہاں ایک گڑیا کی آمد ہوئی اور ایشوریہ ماں جیسے عظیم رتبے پر فائز ہوئی اس گڑیا کے آنے سے ایتابھ بچن کا پورا گھرانہ بے پناہ خوش دکھائی دیتا ہے، اس سلسلے میں جب ایتابھ سے پوچھا گیا کہ آپ کی پوتی کی شکل کس پر ہے تو بگ بی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ہمارے گھر آنے والی لکشمی ماں پر گئی ہے (لاکھ لاکھ شکر کریں ایتابھ جی کہ بیٹی ماں پر گئی ہے کہیں وہ.....؟؟؟ ورنہ تو آپ کی گھر آنے والی یہ لکشمی، لکشمی ثابت نہ ہوتی، کہ بہرحال ایک دن اسے آنا تو ماں باپ کی لائن پر ہی ہے خوبصورت ہوگی تو حقیقت میں لکشمی کو گھیر کر باپ دادا کے اوکائنٹ میں اضافہ کرے گی، ایتابھ نے اپنی پوتی کا نک نیم بیٹی بگ رکھا ہے۔

شادمانی ہو شادمانی

لیں جی اللہ اللہ کر کے 22+23 سال کی عمر میں ریما جی بھی پیا دیس سدھار گئیں، انیس نومبر کو ان کی شادی کراچی کے رہنے والے ہارٹ سرجن ڈاکٹر شہاب طارق کے ساتھ مکمل ہو گی (مکمل اس لئے کہ کئی مرتبہ پہلے بھی ریما کی شادی کی خبریں نامکمل ہی رہیں) ڈاکٹر شہاب امریکہ کی ریاست ورجینا میں اپنی فیملی کے ساتھ سیٹل ہیں (ریما کے ہاتھ کیسے لگے یہ بھی ایک معمہ ہے) ریما کو اس کی ساس نے دس کروڑ کا گھر منہ دکھائی میں گفٹ کیا ہے (ساس نے؟؟) ریما کا حق مہر ایک لاکھ ڈالر اور شوہر کی طرف سے منہ دکھائی میں BMW گاڑی ملی ہے (یا اللہ کیا مائیکل جیکسن کی پراپرٹی میں سے ڈاکٹر شہاب کو بھی حصہ ملا ہے)۔

یہ شادی امریکہ میں انجام پائی ہے ریما نے اپنی شادی کے متعلق بات کرتے ہوئے ایک بڑے مزے کا انکشاف کیا کہ یہ "ایک اتفاق ہے انڈو پاک کی دو سپر اسٹار اداکاروں کی شادی امریکہ میں ہوئی اور دونوں کے شوہر ہارٹ سرجن ہیں، (خوش فہمی کی انتہا ہے) کچھ سمجھ میں آیا؟ کہ اپنے علاوہ دوسری سپر اسٹار کس کو کہا ریما جی نے؟ جی ہاں مادھوری ڈکشٹ کو جی کیا کہا؟ جی..... جی..... بالکل ہم نے بھی یہ بات سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی تھی کہ کہاں مادھوری اور کہاں ریما خان۔

ہم نے تو خود کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ خوشی میں بندہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتا ہے کوئی بات نہیں اتنا حق تو بنتا ہے ریما خان او سوری ریما شہاب کا۔

(ریما سے خان تو وہ بس یونہی بیٹھے بیٹھائے بن گئی تھیں لیکن ریما شہاب بننے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہونگے، ریما جی کو؟) سو ریما شہاب آپ کو یہ خانہ آبادی مبارک ہو۔

خوبصورتی کی چاہ

بہت کم اسٹارز ایسے ہیں جو کچھ بھی پہن لیں، اچھا لگتا ہے چاہے لباس مشرقی ہو یا مغربی، ان پر خوبصورت لگتا ہے، انہی میں سے ایک اسٹار کرینہ کپور ہے جسے اپنے لک کے حوالے سے کبھی بھی لوگوں کی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا، وہ چاہے گپلوسی ہو چاہے سلم اسمارٹ، لوگوں نے اسے ہر روپ میں اور ہر لباس میں پسند کیا اور سراہا ہے، کرینہ کپور جو کچھ بھی پہنتی ہے اس میں زبردست لگتی ہے، چاہے وہ خاص لباس ہو یا گھریلو اور عام سا لباس، اس کو نازو ادا کی

ضرورت نہیں، وہ ہمیشہ اپنے کام کو نکھارنے بہتر سے بہترین کرنے پر توجہ دیتی ہے اور پھر جب سے اس نے یوگا کو باقاعدہ زندگی کا حصہ بنا لیا ہے وہ مزید اچھی ہو گئی ہے بلاشبہ وہ آج خود کو زیادہ پراعتماد سمجھتی ہے اور اس یقین کے ساتھ اسکرین پر آتی ہے کہ کامیابیاں اسی کے لئے ہیں۔

تمباکو نوشی اور بالی ووڈ

بھارتی فلموں کے شائقین زیادہ آسانی سے تمباکو نوش بن جاتے ہیں اس بات کا دعویٰ ایک سائنسی تحقیق میں کیا گیا ہے بھارت میں انسداد تمباکو نوشی کے لئے کام کرنے والے ایک ادارے کی تحقیق کیا گیا ہے کہ بھارتی ں کے دیکھنے کے شوقین طالب علموں میں سموکر بننے کی شرح دیگر طلبہ کے مقابلے میں دوگنا زیادہ ہے 20% میں 59% فلموں میں تمباکو نوشی کے 162 سین دکھائے گئے جن کو دیکھ کر طالب علموں میں اس کا رجحان بڑھا، تحقیق میں ایک بات اور بھی سامنے آئی کہ لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکے اداکاروں کا اثر جلد قبول کرتے ہیں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حنا کا دستر خوان

مٹن کری

اشیاء

بکرے کا گوشت	آدھا کلو (کیوبز کاٹ لیں)
آلو	تین عدد
(بیچ میں سے دو ٹکڑوں میں کاٹ لیں)	
ادرک (کٹی ہوئی)	دو چائے کے چمچے
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی	تین ٹکڑے
الائچی	تین عدد
لونگ	چار عدد
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پانی	آدھا کپ
پیاز (بڑے سائز کی)	دو عدد
(باریک سلائس کاٹ لیں)	
ٹماٹر	ایک کپ
(باریک سلائس کاٹ لیں)	
ٹماٹر	ایک کپ
(باریک چوپ کیے ہوئے)	
شکر	آدھا چائے کا چمچہ
آلو	تین عدد
(دو ٹکڑوں میں کاٹ لیں)	
تیل	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	چار کھانے کے چمچے
(باریک چوپ کیا ہوا)	
گرم پانی	ایک کپ

ترکیب

گوشت میں ہلدی لگا کر اسے پانی سے اچھی طرح دھو کر اس میں نمک، لہسن، ادرک، دھنیا پاؤڈر، دار چینی، الائچی، لونگ، ہلدی پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر اور زیرہ پاؤڈر شامل کر لیں، ایک ساس پین میں تیل گرم کریں، اس کے بعد اس میں سلائس کی ہوئی پیاز ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک اسے فرائی کریں، مصالحہ لگا کر گوشت ساس پین میں ڈال کر چمچہ چلائیں اور آدھا کپ پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر گوشت کو تیس منٹ تک پکا لیں، ٹماٹر اور شکر شامل کر کے چمچہ چلائیں اور تقریباً دس منٹ تک ٹماٹروں کا پانی خشک ہو جانے تک پکائیں۔

آلو اور گرم پانی ڈال کر پندرہ منٹ تک ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں، آلو کے گل جانے کے بعد کری کو سرونگ ڈش میں نکال کر ہرا دھنیا چھڑک کر گارنش کریں۔

مزے دار مٹن کری تیار ہے، اسے سادہ چاولوں، روٹی یا پوری کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

اسپائسی منٹ بیف

اشیاء

گوشت	آدھا کلو (ہڈی والا)
پودینہ	ایک گٹھی
ادرک لہسن پیسٹ	آدھا کھانے کا چمچہ
پیاز (بڑی)	ایک عدد (سلائس کاٹ لیں)

ہری مرچیں	چھ عدد
دہی	ایک کپ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
سفید سرکہ	دو چائے کے چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

پودینہ، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، کالی مرچ، ادرک، لہسن کو پیس کر باریک پیسٹ بنا لیں، اس کے بعد اس کو گوشت میں اچھی طرح ملا لیں، گوشت میں نمک، گرم مصالحہ، دہی اور سرکہ شامل کریں، پوری رات یا ایک دن کے لئے فریج میں رکھیں، (خیال رہے کہ جتنی دیر میری نیٹ ہو گا اتنا ہی مزے دار ہو گا) پکانے سے پہلے دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز گلابی کریں، اس میں میری نیٹ کیا ہوا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، تیس سے پینتیس منٹ ہلکی آنچ پر پکنے دیں، جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اچھی طرح بھون کر کچھ دیر دم دیں، مزے دار منٹ بیف تیار ہے، ڈش میں نکال کر پودینے کے پتوں سے گارنش کر کے پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

نہاری

اشیاء

گائے کا گوشت	تین کلو
(بونگ مع ہڈی، نلی گودے والی)	
آٹا	آدھی پیالی
سونٹھ	دو تولہ
سونف	ایک تولہ
سفید زیرہ	ایک تولہ
پیاز	دو عدد بڑے
لہسن ادرک پیسٹ	چار چائے کے چمچے
جائفل	ایک عدد
جاوتری	تین چار [illegible]
کوکنگ آئل	دو کپ
دہی	آدھا کلو
نمک، مرچ	حسب ضرورت
ہلدی، گرم مصالحہ	حسب پسند
گھی	آدھا کپ

ترکیب

تیل خوب گرم کریں، اس میں گوشت ڈال کر ذرا دیر کو بھون کر نمک، سرخ مرچ، لہسن، ادرک وغیرہ ڈال کر پانچ منٹ تک بھونیں اور دو گلاس پانی ڈال کر گلا لیں۔

جب پانی خشک ہو جائے تو سونف، پیاز اور سونٹھ پیس کر ملا لیں۔

اب کچھ دیر کے بعد گرم مصالحے، جائفل اور جاوتری پیس کر دہی میں ملا کر گوشت میں شامل کر دیں۔

مزید پانچ منٹ بھون کر اس میں مناسب مقدار میں پانی ڈال کر شوربا پکائیں، اب اس پکتے ہوئے شوربے میں آدھے گلاس پانی میں آٹا گھول کر پکتے ہوئے گوشت میں ڈال کر شوربا مناسب گاڑھا کر لیں، جب حسب منشا سالن تیار ہو جائے تو گھی میں پیاز، ثابت سرخ مرچ کا بگھار دیں اور آدھا کپ باریک کٹا ہوا سبز دھنیا ڈال کر چولہا بند کر کے ڈھک دیں اور دس منٹ بعد گرم گرم تنوری روٹیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

دسمبر کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے اس پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں ضلع مظفر گڑھ سے سیما انصار کا ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے سرورق پر نظر پڑی جو سردیوں میں بسنت بہار کا تاثر دیتا جاذب نظر لگا اس کے بعد ''کچھ باتیں ہماریاں'' حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبولؐ اور ''پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں'' پڑھیں جو حسب معمول مشعل راہ ثابت ہوئیں اور دل و دماغ روشن ہوا۔

''انشا نامہ'' بھی حسب معمول بھرپور تھا۔

''فوزیہ غزل'' کا ''وہ ستارہ صبح امید کا'' صرف ناول ہی نہیں بلکہ مذہب اور سائنس سے واقفیت کا ایک انمول خزانہ بھی ہے، ویلڈن فوزیہ غزل صاحبہ! اس ناول سے مجھے اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کے متعلق بھی معلومات حاصل ہو رہی ہیں جس سے ذہن کے دریچے کھل رہے ہیں، ''ایسے ہی تو نہیں کہا جاتا کہ'' حنا ایک معیاری ماہنامہ ہے۔''

اب بات ہو جائے ''تم آخری جزیرہ ہو'' کی جس میں اُم مریم کے لئے یہی کہوں گی کہ ''بات خوبصورت اور دلیل کے ساتھ ہو تو گفتگو کے حسن میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔'' یہ ناول بڑے خوبصورت انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔

''محبتوں میں حساب کیسا؟'' میں مدیحہ تبسم نے نازو کے آخرت کے سفر کو بہت عمدہ پیش کیا، واقعی جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے راستے پر چل پڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی موت کو بہت پرنور اور آسان بنا دیتا ہے، کاش ہم سب اپنی زندگیوں میں ہی اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ لیں۔

''صبا جاوید'' کا ''راہ الفت'' میں کریم حاشر کو عورت کو کمتر مخلوق سمجھنے کی صحیح سزا ملی اور کہانی کا اینڈ اچھا لگا۔

''خوشیاں اتر آئی آنگن میں'' شازیہ مصطفےٰ کا رعنائیوں سے بھرپور یہ ناول پسند آیا۔

''تیرے حصار میں عمر بھر رہوں'' ساجدہ تاج کا رشتوں کو جوڑتا ایک خوبصورت رومانوی ناولٹ تھا۔

''تم بن عید مناؤں کیسے؟'' میں ''ہمارا وَ'' نے آج کل کی لڑکیوں کے خیالات کی بالکل ٹھیک ترجمانی کی ہے ہمارے ہاں زارا جیسی جتنی بھی لڑکیاں ہیں، اللہ کرے وہ سب کی سب زارا کی طرح جلد ہی اپنے آپ کو سنوار لیں۔

''اسما بدر'' نے ''زیست موج صبا'' میں زندگی کی رعنائیوں اور موت جیسی تلخ حقیقت کی بالکل صحیح عکاسی کی ہے، واقعی یہ دنیا فانی ہے جو ذی روح اس دنیا میں آیا ہے اس نے ایک نہ ایک دن یہاں سے کوچ کر جانا ہے، لیکن زندگی کے میلے اسی طرح رواں دواں رہتے ہیں۔

تمام مستقل سلسلے حسب معمول بہت اچھے اور بھرپور تھے۔

''ہم بھول سکیں ہیں نہ تجھے بھول سکیں گے'' میں فوزیہ جی نے بہت عمدہ طریقے سے جانے والی کو خراج عقیدت پیش کیا اور اسی طرح فوزیہ غزل، نبیلہ، اُم مریم، سباس گل، مبشرہ ناز، مدیحہ تبسم، تحسین اختر اور ساجدہ تاج نے اپنے اپنے انداز بیان سے مرحومہ کو خراج تحسین پیش کیا اور میں بھی اُم مریم کی طرح یہ کہنے پر مجبور ہوگئی کہ۔

''واقعی کچھ لوگ اتنے ہی خاص ہوتے ہیں، میں انہیں نہیں جانتی تھی مگر جو تعارف فوزیہ جی کے ذریعے ہم تک پہنچا وہ اتنا مکمل تھا کہ ایک مقدس خاکہ خود بخود ذہن تراش لیتا ہے، خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔

''کس قیامت کے یہ نامے'' میں عفاف ابراہیم کو میری طرف سے خوش آمدید اور ان کے نام کے معنی جاننے کے لئے میں بھی بے چین ہوں اور باقی تمام کے تبصرے بھرپور تھے۔

سیما انصار! نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی محبتوں کے ہم مشکور ہیں، آپ کی تحریر ضائع نہیں ہوئی بلکہ اپنی باری کے انتظار میں ہے انشا اللہ شائع ہو جائے گی، آپ دل چھوٹا نہ کریں، آئندہ بھی آپ کی رائے کے ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

رافعہ ساجد: شجاع آباد سے لکھتی ہیں۔

نومبر کا شمارہ حسب توقع دس تاریخ کو عید کے بعد ملا نہ جانے کیوں کچھ عرصے سے حنا نے لیٹ آنا انتظار کروانا اپنا وطیرہ بنا لیا ہے، جیسے جیسے یہ خوب سے خوب تر ہو رہا ہے ویسے ویسے نخریلی ہیروئین کی طرح نخرے بھی بڑھتے جا رہے ہیں، حسب عادت سب سے پہلے پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں اور ایمان افروز باتوں سے اپنے سینے کو روشن کیا اور پھر انشا جی سے ملنے کے لئے آگے بڑھے اور ان کی خوبصورت شاعری سے لطف اندوز ہوئے بے حد، بے حد خوبصورت الفاظ جنہوں نے کتنی ہی دیر ہمیں اپنے سحر میں جکڑے رکھا، انٹرویو کارنر میں عاطف اسلم سے ملاقات پسند نہیں آئی، سلسلے وار ناول میں فوزیہ غزل بڑی خوبصورتی کے ساتھ واقعات کو آگے بڑھا رہی ہیں ان کی تحریر میں شامل شاعری بھی بہت اچھی ہوتی ہے، دل کو چھو لینے والی، اس کے برعکس اُم مریم کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' کوئی خاص پسند نہیں آ رہا، لگ ہی نہیں رہا کہ تحریر اُم مریم ہی لکھ رہی ہیں شاید آگے چل کے کچھ بہتر صورت حال اختیار کر لے، مکمل ناول میں صبا جاوید کی تحریر پسند آئی جبکہ ساجدہ تاج نے بھی اچھا لکھا، ساجدہ جی پلیز اب آپ لکھتے لکھتے غائب نہ ہو جایئے گا پہلے کی طرح، افسانوں میں تینوں مصنفین نے بہترین لکھا ہے، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں ثمرہ شیرازی، حفصہ حماد کراچی اور عتیقہ منیر کا انتخاب پسند آیا، رنگ حنا میں ایمن عزیز اور ماریہ عثمان کی شوخیاں پسند آئیں، بیاض میں بھی ساتھیوں کا انتخاب اچھا تھا، میری ڈائری میں تمام دوستوں نے خوبصورت کلام بھجوائے۔

آپی ہماری پرانی مصنفین میں ایک نام شمع جبیں، منابل بٹ، صاعقہ ملک کا نمایاں ہوتا تھا وہ کہاں غائب ہیں اور بہت سارے پرانے ساتھی بھی نظر نہیں آ رہے اب؟

رافعہ ساجد کیسی ہیں آپ؟ ایک طویل عرصے کے بعد آپ اس محفل میں تشریف لائیں ہیں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے، پرانے ساتھی ہمیں بھی یاد آتے ہیں انشا اللہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب بھی جیسے ہی ان کو وقت ملا اپنی اس محفل میں لوٹ آئیں گے ہم آئندہ بھی آپ کی رائے اور محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

فرح خالد: گھوٹکی سے لکھتی ہیں۔

حنا کا عید نمبر اپنے ٹائٹل سمیت بے حد پسند آیا، حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں تو ہمیشہ سے ہی ٹاپ پر ہوتی ہیں، انٹرویو کی طرف دیکھا ہی نہیں ہمیں عاطف اسلم پسند ہی نہیں، بات ہو جائے فوزیہ غزل کے ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' گڈ فوزیہ جی کیا زبردست الفاظ کا چناؤ ہے آپ کا، پڑھتے ہوئے انسان گم ہو کر رہ جاتا ہے، دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو مزید لکھنے کی صلاحیت دے آمین، اُم مریم کا نیا شروع ہونے والا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' ابھی کچھ خاص سمجھ میں نہیں آ رہا یقیناً آگے چل کر ان کے پچھلے ناول کی طرح دلچسپ ہوتا جائے گا۔

مکمل ناول دونوں مصنفین نے اچھے لکھے خصوصاً ساجدہ تاج کی تحریر کافی اچھی تھی ناولٹ میں مدیحہ تبسم کا ناولٹ اختتام کی طرف خوبصورتی سے بڑھ رہا ہے، افسانے بھی اس مرتبہ بہترین تھے، تحسین اختر نے ہمیشہ کی طرح بہترین لکھا۔

مستقل سلسلے بھی بہترین تھے عید الاضحیٰ کے حوالے سے دسترخوان کی تو کیا بات تھی۔

فرح خالد اس محفل میں خوش آمدید نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

فریحہ ناز:۔ ناظم آباد سے لکھتی ہیں۔

نومبر کا شمارہ بے حد پسند آیا، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے استفسارہ حاصل کرنے کے بعد پھر انشا نامے سے لطف اندوز ہوئے اور جلدی سے اپنے پسندیدہ ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' کی طرف بڑھے ہمیشہ کی طرح فوزیہ جی بے حد اچھا لکھا، الفاظ کا چناؤ خیالات کا اظہار بڑے بہترین انداز میں کیا، اس کے بعد اُم مریم کے نئے سلسلے وار ناول کی طرف بڑھے، ابھی تک ناول ہماری توجہ اس طرح اپنی طرف کھینچ نہیں پایا جس طرح ان کے پہلے ناول نے حاصل کی تھی، مکمل ناول میں صبا جاوید اچھی کوشش کی، جبکہ ساجدہ تاج نے اچھا لکھا۔

ناولٹ میں مدیحہ تبسم کا ناولٹ ''محبتوں میں حساب کیسا؟'' ایک بے حد اچھی تحریر ہے، پڑھتے وقت ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ مدیحہ اور شگفتہ بھٹی کا طرز تحریر بے حد ملتا جلتا ہے، رشتوں کے ایک ڈور میں باندھے رکھنے، ان دونوں مصنفین کی خوبی ہے، اللہ تعالیٰ مدیحہ کو اور بھی زیادہ اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا کرے آمین۔

افسانوں میں تحسین اختر کا افسانہ بے حد پسند آیا، مستقل سلسلوں میں، میری ڈائری اور بیاض میں کلام کا انتخاب بے حد خوبصورتی سے کیا جاتا ہے، جبکہ حاصل مطالعہ کی تحریریں بھی خاصی معلومات سے بھرپور ہوتی ہیں، حنا کی محفل نے ہمیشہ کی طرح لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی، جبکہ دسترخوان سے ہم اس لئے فائدہ نہیں اٹھا سکے کہ شمارہ ہمیں عید کے بعد ملا تھا، آپی حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ بھی حاضری لگاتے رہیں گے۔

فریحہ ناز آپ اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہیں خوش آمدید، نومبر کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا یہ جان کر ہمیں خوشی ہوئی، آپ کی رائے مصنفین کو پہنچا دی ہے، اگلے ماہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk